نہج البلاغہ

کے

سیاسی تعلیمات

حجۃ الاسلام والمسلمین محمد تقی رہبر

بسم الله الرحمن الرحيم

خانه فرهنگ جمهوری اسلامی ایران
کراچی

حجۃ الاسلام والمسلمین محمد تقی رہبر

نہج البلاغہ
کے
سیاسی تعلیمات

شعبۂ اردو روابط بین الملل سازمان تبلیغات اسلامی

۲۶۳

نام کتاب	: نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات
مؤلف	: جناب حجۃ الاسلام والمسلمین محمد تقی رہبر
ترجمہ	: جناب حجۃ الاسلام سید احتشام عباس زیدی
کتابت	: قلبی حسین رضوی، محمد ہادی و صغیر یعقوبی
ناشر	: شعبۂ اردو، روابط بین الملل سازمان تبلیغات اسلامی
سال طباعت	: سنہ ۱۳۷۲ شمسی / سنہ ۱۹۹۳ء
تعداد	: ۵۰۰۰

فہرست

● پیش لفظ ۱۳

پہلا باب

● معاشرہ کا نظم ۱۷

خوارج کی رجعت پسند منطق ۱۸

دین و سیاست کا باہمی ربط ۲۰

امت اسلام کی بنیادی مشکل ۲۲

ایک حاکم نظام کی ضرورت ۲۳

حکومتوں کا رول ۲۵

فاسد حکومتوں کے آثار ۲۷

جہالت اور ظلم و جور کی حاکمیت ۲۸

قوم کو تاراج کرنے والے ۲۹

غلامی کی لعنت ۲۹

ظلم اور قتل و غارت ۳۰

حکومتوں کا فسق و فساد ۳۱

حکومتوں کی بلا ۳۱
حاکم درندے ۳۳
حکومتوں کے سلسلہ میں لوگوں کی ذمہ داری ۳۴
قیادت کی ذمہ داری ۳۵
امامت ایک حق ہے ۳۵
امام، حق کا محافظ ۳۹
حکومت کی تشکیل کا مقصد ۴۰
حکومت کے سایہ میں امت کا اتحاد ۴۲

دوسرا باب

● تشکیل حکومت کا مقصد ۴۵

عمومی حقوق کی حفاظت ۴۹
جنگی و سیاسی اقدامات کا مقصد ۵۰
حاکمیت اور اس کی بنیاد ۵۱
شیطانی سیاستیں ۵۳
باغیانہ سیاست ۵۵
حکومت کا قانونی سرچشمہ ۵۵
سیاسی اختلافات کے حل کی بنیاد ۵۷
اسلامی اقدار کا تحفظ حکومت کا فریضہ ۵۸

تیسرا باب

● حکومت کی قانونی حیثیت ۶۱
انتخابات کی بنیاد ۶۲

نظمِ حکومت کی پالیسی ۶۴
نااہل حکام ۶۵
حکام کی عدمِ صلاحیت کے اسباب ۶۶
حکومتوں کا نفاذ ۶۷
صالح ترین حاکم کون؟ ۶۹
علیؑ، اسوۂ رہبری ۷۱

چوتھا باب

• بیعت اور انتخاب ۷۷
سوچی سمجھی اور آزاد بیعت ۸۲
عہد شکن افراد ۸۳
بیعت اور شرعی عہد ۸۴

پانچواں باب

• شوریٰ ۸۷
اس شوریٰ کی حقیقت ۹۰
چند نکتوں کی وضاحت ۹۳
شوریٰ کی قانونی حیثیت ۹۴
چند دیگر اہم باتیں ۹۵
حاکم کے انتخابات کی آزادی ۹۶
چند مثالیں ۹۷

چھٹا باب

● اسلام کی سیاسی روش ۱۰۳

سیاست کی فکری اساس ۱۰۴

طمع اور رشوت میں ڈوبی ہوئی سیاست ۱۰۵

سیاسی اخلاق ۱۰۶

مذموم سیاست ۱۰۸

ساتواں باب

● نظم و سیاست کے اصول ۱۱۱

نظم و ضبط ۱۱۳

ذمہ داریوں کی تقسیم ۱۱۴

اہل خاندان کا انتخاب ۱۱۵

سیاسی اخلاق اور امور کی نگرانی ۱۱۶

ظلم و ستم اور فریب تباہی کے اسباب ۱۱۸

خود ستائی، حاکم کے لئے زہر ۱۱۹

نفس کی حاکمیت سے رہائی ۱۲۰

بندۂ خدا بھی، شمشیر خدا بھی۔ ۱۲۱

آٹھواں باب

● سیاسی رہنماؤں کی خصوصیات ۱۲۳

حاکمان بے تخت و تاج ۱۲۳

حضرت موسیٰؑ ۱۲۶

حضرت داؤد ۱۲۶
حضرت عیسیٰؑ ۱۲۷
پیغمبر اسلام کا زھد و ورع ۱۲۸
حضرت علیؑ کا زھد و تقویٰ ۱۲۸
سیاسی زھد ۱۳۱
امام نمونۂ عمل ۱۳۹
سیاست میں اخلاق کے جلوے ۱۳۹
سیاسی آگاہی ۱۴۴

نواں باب

● حکومت کے ارکان ۱۴۵
کتاب و سنت قانون کا سرچشمہ ۱۴۶
علمائے دین کا کردار ۱۴۷
عدالتی مسائل اور قاضیوں کے خصوصیات ۱۴۹
قاضیوں کی نگرانی اور زندگی کے مسائل سے مستغنی رکھنا ۱۵۰
نگرانی ۱۵۱
ضرورتوں کی تکمیل ۱۵۱
قدردانی ۱۵۲
عدالت کی آزادی ۱۵۳
اجرائی رکن اور ملت کا کردار ۱۵۴
سپاہ یا فوج ۱۵۵
دفاعی بجٹ ۱۵۵
قاضی اور دیگر کارکنان حکومت ۱۵۵

تجار اور اہل صنعت و حرفت ۱۵۶

کمزور اور نچلا طبقہ ۱۵۶

خراج اور مالیات (ٹیکس) ۱۵۷

عدم وابستگی اور بے داغ ماضی ۱۵۹

وزیروں کا اخلاق ۱۶۰

صاف گوئی ۱۶۰

خوشامد سے پرہیز ۱۶۰

دیگر ملازمین کا انتخاب ۱۶۱

نگرانی اور جانچ پڑتال ۱۶۲

دسواں باب

● سپہ سالاروں کے خصوصیات ۱۶۴

خاندانی نجابت، درخشاں ماضی اور اخلاقی صلاحیت ۱۶۵

جہاد کرنے والوں کی دیکھ بھال ۱۶۷

سپہ سالاروں کا فوجیوں سے رابطہ ۱۶۹

روزمرہ کے مسائل سے حکومت کی دلچسپی ۱۷۰

حکام کی چوکسی اور ہوشیاری ۱۷۲

حاکم کی قدر دانی ۱۷۲

شخصیت نہیں بلکہ عمل کی قدر کرو ۱۷۳

حکام کی دینداری اور دشمن سے ان کا جہاد ۱۷۵

مشیران حکومت ۱۷۸

گیارھواں باب

● حکومت اور عوام کا رابطہ ۱۸۰
حکومت میں عوام کی مرکزیت ۱۸۲
حکومت کا عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ ۱۸۵
حکام اور عوام کے درمیان جدائی کے اثرات ۱۸۶
اقتدار کے سایہ میں امید کی کرن ۱۸۸
ظلم و استبداد کے بجائے مفاہمت کا رابطہ ۱۹۰
محکم ظالموں کا شیوہ ۱۹۱
حکومت اور رعایا کا اخلاقی رابطہ ۱۹۵
اقلیتوں کے ساتھ حکومت کا رابطہ ۱۹۹

بارھواں باب

● حکومت اور عوام کے ایک دوسرے پر حق ۲۰۲
تاجروں اور پیشہ وروں سے متعلق حکومت کی ذمہ داریاں ۲۰۷
صنعت گروں اور مصرف کرنے والوں کی حمایت ۲۰۸
معاشرہ کے غریبوں سے متعلق حکومت کی ذمہ داری ۲۰۹
بے سہارا بچے اور بوڑھے ۲۱۱

تیرھواں باب

● عوام اور حکومت ۲۱۲
عوام کی ذمہ داری ۲۱۳
غیر ذمہ دار عناصر ۲۱۵

اس کلام کے بنیادی نکتے ۲۱۷

ظالم حکام کا سامنا ۲۱۸

بیوفائیوں کا شکوہ ۲۲۰

سچے ناصر کہاں ہیں؟ ۲۲۲

بے توجہی کا انجام ۱۲۴

چودھواں باب

- **عدل، اسلام کے سیاسی نظام میں** ۲۲۶

عدالت کا مفہوم ۲۲۷

عدل کی اساسی بنیاد ۲۲۹

عدل علیؑ کا ایک واقعہ ۲۳۱

علیؑ، معلم عدالت ۲۳۳

دلوں کو جذب کرنا اور قدروں کو پہچاننا ۲۳۴

عدل وانصاف کا حکم ۲۳۶

نگاہ علیؑ میں عدالت کا دائرہ ۲۳۸

عدالت و رحمت سب کے لیے ۲۳۳

مسلمانوں کے خون کی حفاظت ۲۴۰

مساوات نیز عدل میں ذمہ داری اور اخلاق کی رعایت ۲۴۳

اجتماعی عدالت اور معاشرہ کا کمزور طبقہ ۲۴۴

عادل رہبروں کی ذمہ داریاں ۲۴۶

پندرھواں باب

- **اقتصادی عدل وانصاف** ۲۴۹

عدل کے نفاذ پر بھرپور نگرانی ۲۵۵

عمومی اموال سب کے لئے ۲۵۷
ٹیکسوں کی وصول یابی ۲۵۹

سولھواں باب

● علیؑ کی نگاہ میں صلح کا معیار ۲۶۲
صلح کی سیاست اور اس کے شرائط ۲۶۵

اِنتساب

شاہدِ نبوت و رسالت

امینِ اسرار و رموزِ پیغمبر ختمی مرتبتؐ

امیرِ کمالِ کلام و فصاحت و بلاغت

وحیدِ عرصۂ صبر و شجاعت

شہیدِ حق و عدالت.....

امام المتقین امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی

بارگاہِ اقدس میں

پیش لفظ

نہج البلاغہ حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے خطبوں، خطوں اور حکمت آمیز کلمات کا ایک عظیم الشان مجموعہ ہے جسے پانچویں صدی ہجری کے زبردست عالم اور برجستہ ادیب علامہ سید رضی علیہ الرحمہ نے بڑی کاوش سے جمع کر کے کتابی شکل دی ہے۔ اس کتاب کو دنیائے انسانیت میں نہ صرف ادب کے بے مثل شاہکار ہونے کا شرف حاصل ہے کہ ابن ابی الحدید معتزلی کے بقول اس کی منزلت "فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق" مخلوقات کے کلام سے بالاتر اور خالق کے کلام سے کمتر ہے بلکہ اپنی عدیم المثال فصاحت و بلاغت سے بڑھ کر اس میں انسانی زندگی کے تمام اخلاقی، فکری، دینی، دنیاوی، سماجی، سیاسی اقتصادی غرض کہ انسانیت کو فلاح و کمال سے ہمکنار کرنے والے جملہ پہلوؤں

کو اتنے اعلیٰ انداز سے پیش کیا گیا ہے جس سے خود اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ کلام کی اتنی جامعیت کسی ترجمان وحی و قرآن کے یہاں ہی پائی جا سکتی ہے کسی عام انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

اپنی پانچ سالہ حکومت و خلافت کے دوران حق و عدالت کے قیام اور دشمنانِ دین و ایمان کے خلاف پیکار و جہاد کی تگ و دو میں مولائے کائنات کو جب بھی موقع ملا آپ نے پوری انسانیت کو دنیوی فلاح اور اخروی نجات کے وہ اسرار و رموز بتائے ہیں جن پر ان کے علاوہ کسی اور نے روشنی نہیں ڈالی۔

زیر نظر کتاب میں، جس کا نام "نہج البلاغہ کے سیاسی تعلیمات" ہے، بالغ نظر اور بصیر مؤلف جناب حجۃ الاسلام والمسلمین محمد تقی رہبر صاحب نے اس کے سیاسی پہلوؤں پر خاصی گہرائی کے ساتھ روشنی ڈالی ہے اور حضرت علی علیہ السلام کی حکومت عدل الٰہی کے سیاسی نقوش اجاگر کیے ہیں۔ معاشرہ کے نظم و ضبط کو برقرار رکھنے کے لئے حکومت کی تشکیل ضروری ہے حکومت اگر عدل و انصاف کی بنیادوں پر استوار ہوگی تو معاشرہ ترقی، فلاح اور کمال کی شاہراہ پر گامزن ہو کر انسانیت کو اس کے حقیقی مرتبے و مقام تک پہنچا دے گا لیکن اگر ظلم و ستم کی بنیاد پر قائم ہوگی تو نہ صرف معاشرہ تباہ و برباد

ہوگا بلکہ پوری انسانیت کو اس کے ہاتھوں ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا کیونکہ رسول اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے "الملک یبقیٰ مع الکفر و لا یبقیٰ مع الظلم" کافر حکومت تو باقی رہ سکتی ہے لیکن ظالم حکومت کسی بھی صورت سے باقی نہیں رہ سکتی۔

حکومت کو کن صورتوں میں قانونی حیثیت حاصل ہوتی ہے؟ اسلامی سیاست کی روشنی میں حکام اور رہبروں کے خصوصیات کیا ہیں؟ حکومت کے ارکان کس طرح کے ہونے چاہئیں؟ حکومت اور عوام کے درمیان کیسا رابطہ رہنا چاہئے؟ نیز اسلام کے سیاسی نظام میں عدل کی کیا حقیقت ہے؟ یہ وہ نکات ہیں جن پر بالغ نظر مؤلف نے کلام امیر المؤمنینؑ کی روشنی میں بصیرت افروز بحث کی ہے۔

یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے نیا پن رکھتی ہے اور چونکہ دشمنان اسلام کی طرف سے یہ پروپیگنڈے ہوتے رہے ہیں کہ دین کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں اور ہمارے سادہ لوح مسلمانوں کی اکثریت ابھی اس دھوکے کا شکار ہے جس کے نتیجے میں دشمن ہمارے سروں پر مسلط ہیں ایسے میں الٰہی سیاست کے یہ حقائق و رموز جو انسانی فلاح کے آئینہ دار ہیں ہر ذی ہوش کو

دعوت فکر و نظر دیں گے اور اس ڈگر پر سوچنے والا ہر مسلمان اس حقیقت کو پا جائے گا جس سے وہ دور کر دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان اس روش پر غور و فکر کر کے میدان عمل میں آجائیں تو عظمتیں ان کے قدم چومیں گی اور استعماران کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جائے گا۔"

ادارہ

پہلا باب

معاشرہ کا نظم و نسق

نہج البلاغہ میں حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی بیان کردہ سیاسی تعلیمات کے تحت ہم جس سلسلہ کا آغاز کر رہے ہیں، اس میں فطری ترتیب کے مطابق جس نقطہ پر سب سے پہلے غور کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ اسلام میں اسلامی تعلیمات کی آئینہ دار امام کی سیرت و سیاست و تدبیر میں اسلامی معاشرہ کے نظم و نسق اور اس کے اجتماعی نظام کی دیکھ بھال کا مسئلہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلہ میں کافی وسیع پیمانہ پر نہ صرف بحث ہوئی ہے بلکہ اس کے لئے ایک خصوصی دستور العمل بھی تیار کیا گیا ہے۔ لیکن اس دستور العمل اور اسلامی سیاست کی خصوصیات کا تذکرہ اور اس کے بنیادی قوانین و احکام، فکری و عملی روش اور دیگر امتیازات کی وضاحت سے پہلے دیکھنا یہ ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں معاشرہ کی فلاح کے لئے سیاست و تدبیر نیز انتظامی امور کیا اہمیت ہے۔ اس سلسلہ میں نہج البلاغہ میں مختلف مقامات پر صراحت کے ساتھ یا اشارہ کے طور پر ذکر ملتا ہے جن میں سے چند نمونے یہاں پیش کئے جاتے ہیں:-

۱) ومن كلام له (ع) فی الخوارج لما سمع کلامهم " لاحكم الا لله " قال:

" كلمة حق يراد بها باطل. نعم انه لاحكم الا لله، ولكن هؤلاء يقولون: لا امرة الا لله. وانه لابد للناس من امير بر او فاجر يعمل فی امرته المومن ويستمتع فيها

الکاف ویبلغ اللہ فیہا الاجل ویجمع بہ الفئی ویقاتل بہ العدو وتامن بہ السبل ویؤخذ بہ للضعیف من القوی حتی یستریح بر ویستراح من فاجر۔ خطبہ ۴۰

حضرت علی علیہ السلام نے خوارج کا قول (حکم صرف خدا کے لئے مخصوص ہے) سنا تو فرمایا: یہ جملہ تو صحیح ہے مگر اس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔ ہاں بے شک حکم اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے، لیکن یہ لوگ تو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حکومت بھی صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جبکہ لوگوں کے لئے ایک حاکم بہرحال ضروری ہے۔ خواہ وہ اچھا ہو یا برا (اگر حاکم اچھا ہوگا تو) مومن اس کی حکومت میں آزادی سے اپنے فرائض پر عمل کر سکے گا۔ اور (اگر برا ہوگا تو) کافر اس کے عہد میں لذتوں سے بہرہ اندوز ہوگا۔ اور اللہ اس نظام حکومت میں ہر چیز کو اسکی آخری حدوں تک پہنچا دیگا اسی حاکم کی وجہ سے مال جمع ہوتا ہے۔ دشمن سے جنگ کی جاتی ہے، راستے پر امن رہتے ہیں اور قوی سے کمزور کا حق دلایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ نیک حاکم مر کے راحت پائے اور برے حاکم کے مرنے پر دوسروں کو راحت پہنچے۔

خوارج کی رجعت پسند منطق

خوارج، دراصل جھوٹے تقدس کے لباس میں سطحی ذہن رکھنے والوں کا ایک فریب خوردہ گروہ تھا۔ یہ لوگ پہلے حضرت علیؑ کے دوست اور ان کے حمایتوں میں سے تھے، لیکن جب جنگ "صفین" کے واقعہ میں حکمیت کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا اور حضرتؑ کو ان کا فیصلہ ماننے پر مجبور کیا گیا تو یہ لوگ حضرتؑ سے کنارہ کش ہوگئے۔ ان لوگوں کا کہنا تھا کہ اب جبکہ "عمرو عاص اور ابوموسیٰ اشعری" جیسے لوگ حضرت علیؑ و معاویہ اور ان کی فوجوں کے آپسی اختلافات حل کرنے کے ذمہ دار ہوگئے ہیں۔ جب بات اس حد تک خراب ہو چکی ہے تو اب ہم بنیادی طور پر انسانوں کی حکومت و حاکمیت کے منکر و مخالف ہیں (البتہ ان کے حملوں کا اصلی نشانہ حضرت علی علیہ السلام تھے کیونکہ معمولاً حق ہی پر حملہ کیا جاتا ہے) لہٰذا صرف اور صرف خدا کو حکم اور حکومت کا

اختیار ہے نہ کہ علیؑ اور ان کے دوستوں کو" الحکم للہ، لا لک و لا صحابک یا علی "!

اس طرز فکر کا کھوکھلا پن جس کے طرفدار ہر زمانہ میں کم و بیش پائے جاتے رہے ہیں، کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ کیونکہ خدا کی حاکمیت تو تسلیم لیکن اس کی حاکمیت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ لوگ خود انسانوں میں سے کسی سرپرست اور حاکم سے بے نیاز ہو جائیں۔ اس لئے کہ اللہ کی حاکمیت اس کے نیک بندوں اور خلفاء اللہ کے ذریعہ جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام، ائمہ ھدیٰؑ اور اللہ کے نیک بندے ہی روئے زمین پر خدا کے نمائندے ہوا کرتے ہیں۔ قرآن کی مختلف آیتیں اس حقیقت پر گواہ ہیں۔ حسب ذیل چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:۔

۱) "یا داود انا جعلناک خلیفۃ فی الارض فاحکم بین الناس بالحق ..." (ص/۲۶)

اے داودؑ ہم نے تمہیں زمین پر اپنا خلیفہ بنایا ہے، اب تم لوگوں پر حق کے ساتھ حکم کرو۔

۲) "وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقاً لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمناً علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ..." (مائدہ/۴۸)

(اے رسولؐ) ہم نے آپ پر کتاب برحق (قرآن) نازل کی جو گزشتہ (کتابوں کی) تصدیق کرتی ہے اور ان پر غالب و مسلط بھی ہے۔ پس جو کچھ آپ پر خدا نے نازل فرمایا ہے اُس کے مطابق حکم کیجئے۔

۳) الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر، وللہ عاقبۃ الامور (حج/۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم روئے زمین پر انھیں اختیار و تسلط دے دیں تو یہ لوگ پابندی سے نمازیں قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے نیک اعمال کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے لوگوں کو روکیں گے اور تمام امور کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

۴) "لقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معھم الکتاب والمیزان
لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ بأس
شدید ومنافع للناس" (حدید / ۲۴)

بلاشبہ ہم نے اپنے پیغمبروں کو روشن دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اور (انصاف کی) ترازو نازل کی تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم رہیں اور ہم نے ہی لوہے کو نازل کیا جس میں دشمنوں سے جنگ کی شدت و صلابت اور لوگوں کے لئے بہت سے منافع موجود ہیں۔

دین و سیاست کا باہمی ربط

قرآن کریم کی مندرجہ بالا آیات اور ان جیسی دوسری آیتوں سے جو بات ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حاکمیت چاہے حکم ہو یا روئے زمین پر حکومت و خلافت اور معاشرہ و اجتماع کی ذمہ داری و سرپرستی کی صورت میں خدا کے نیک بندوں کا حق ہے یہ حق خود خدا کی طرف سے انھیں تفویض کیا گیا ہے۔ ان لوگوں کو حق و عدل کے نفاذ اور حکومت الٰہی قائم کرنے کا اختیار دیا گیا ہے حتی کہ جو اسلحہ ان کو خداوند عالم کی طرف سے عطا کیا گیا ہے اسے مصلحت وقت کے مطابق خدا کے دشمنوں اور حق سے تجاوز کرنے والوں کے خلاف استعمال کرنے اور انھیں سرکوب کرنے کا اختیار بھی انھیں حاصل ہے۔ یہ باتیں عقل و شرع کی روشنی میں اس قدر بدیہی اور واضح ہیں جن سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔

اس کے باوجود آج اگر دنیا کے ظالم و جابر، طاغوت صفت اور ہوس پرست حکام اسلام کی اس لازمی اور ضروری اصل و اساس سے انکار کریں۔ اور مٹھی بھر ضمیر فروش عالم افراد ان طاغوتوں کے زر خرید غلام بن کر دین کو سیاست سے الگ کرنے کے استکباری و استعماری فارمولہ کا ڈھنڈورا پیٹتے ہوئے نظر آئیں یا عوام میں چند سادہ لوح اور فریب خوردہ افراد ان خود غرضوں اور فریب کاروں کے چلائے ہوئے جادو کا شکار ہو جائیں تو کچھ تعجب نہ کرنا چاہئے۔ کیونکہ ہم "خوارج" کے واقعہ میں اسی سے مشابہ صورت حال دیکھ چکے ہیں۔

ـــ یہ خوارج قرآن حکیم کے ایک جملہ (لاحکم الا للہ) کو بنیاد بنا کر خود قرآن، امام برحق (جو قرآن ناطق ہے) اور خلیفۃ اللہ فی الارض سے جنگ کیلئے اٹھ کھڑے ہوگئے اور اپنی اس باطل فکر کے ساتھ خونریزی کی حدوں سے بھی گزر گئے ـــ دراصل جنگ نہروان اور فتنۂ خوارج ہی جس کے مسموم آثار مدتوں باقی رہے اس غلط فکر کا سرچشمہ اور شیطانی وسوسہ ہے۔ دین میں سیاست کو کوئی دخل نہیں! یہ وہ مغالطہ ہے جو ان دنوں ایک حربہ کی شکل میں عالمی استکبار اور اس کے ایجنٹوں کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ یہ لوگ اسی حربہ کے ذریعہ مسلمانوں کے شرف اور عزت و آبرو پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اسلام اور مسلمانوں کی قسمتوں کا فیصلہ اپنے ہوا خواہ مشرق و مغرب زدہ شیطان صفت حاکموں کے ہاتھوں میں سونپتے ہیں انھوں نے دینی رہنماؤں کو مسجدوں کے گوشہ میں محدود ایک عضو معطل یا استکبار کے ہاتھوں کا کھلونہ بنا رکھا ہے۔ یہ سب خوارج کے افکار کی ہی اساس تھی اسلامی ممالک میں اسکی مثالیں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں مقامات پر نظر آئیں گی۔

ان تمام حالات کے برخلاف ایران میں برپا ہونے والے اسلامی انقلاب نے استکبار کی تعمیر کردہ اس غلط فکر کی افسوں زدہ عمارت کی بنیادوں کو متزلزل کر کے رکھدیا اور عظمت اسلامی کی لہر نے ایران کی حدود سے آگے بڑھ کر ساری دنیا کے مسلمانوں کے ذہنوں پر چھائے ہوئے موت کے سکوت و جمود کو توڑ ڈالا جس کے آثار وسیع پیمانہ پر عالم اسلام کی آگاہی و بیداری کا پیش خیمہ بن کر علماء اسلام کے افکار و نظریات میں نظر آنے لگے ہیں۔

امامؑ نے خوارج کی یہ باتیں سننے کے بعد فرمایا "بات تو حق ہے لیکن اس سے باطل مراد لیا گیا ہے۔" ہاں یہ صحیح ہے کہ حکومت صرف خدا کی ہے لیکن کیا لوگ حقیقتاً خدا کی حکومت چاہتے ہیں؟ اگر یہ لوگ صحیح معنی میں خدا کی حکومت چاہتے ہیں تو اس امام کی بارگاہ میں سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتے جس کی اطاعت خدا نے واجب کی ہے؟ جابروں کی حکومت پر تو سکوت و خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کوئی رد عمل ظاہر نہیں کرتے، لیکن امامت کے نظام عدل کو ختم کرنے کیلئے تیغ بکف ہو جاتے ہیں۔ آخر کیوں؟ سچ ہے کہ باطل، حق کو نابود کرنے کیلئے اپنی آستین میں بہت سے اسلحے رکھتا ہے۔ حتی کہ وہ خود حق کو حق کے خلاف ایک موثر حربہ

واسلحہ کی شکل میں استعمال کرتا ہے۔ اور اکثر سادہ لوح عوام کو بہکانے کے لئے یہ اسلحہ دوسرے اسلحوں سے زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے۔ اس طرح وہ ان افراد کو آسانی سے حق کے خلاف بھڑکا دیتا ہے جو حقیقی عوامل اور پردہ کے پیچھے کی کارگزاریوں سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔ استکباری سیاست کے یہ مفرت ہے جس مہروں کو گمراہی کی جانب ڈھکیلنے کے لئے ان کے مذہبی احساسات وجذبات کو بھڑکاتے رہتے ہیں اور ان کے جوش وخروش کو اپنے غلط مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ سرزمین مصر پر اپنے عہد کے ایک بڑے طاغوت نے عوام کو پیغمبر خدا جناب موسیٰؑ کے خلاف بھڑکانے کے لئے دین ہی کا سہارا لیتے ہوئے کہا تھا!

"انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد" (غافر/۲۶)

مجھے اس کا خوف ہے کہ موسیٰ کہیں تمہارے دین کو تبدیل نہ کردے یا زمین میں فساد نہ برپا کرے۔

جباروں کے دربار اور حکومتیں اپنے مظالم پر پردہ ڈالنے کے لئے ہمیشہ کسی نہ کسی مذہب کا سہارا لیتی ہیں اور شطرنج کی اس بساط پر نمائشی مذہبی افراد کو مہروں کی شکل میں استعمال کرتی ہیں۔ مراکش، حجاز، اردن عراق اور دیگر ممالک میں بلعم باعورا، ابوہریرہ اور قاضی شریح جیسے دین فروش علماء کی اسلام کے خلاف ہونے والی کانفرنسوں میں شرکت، در پردہ یا بظاہر ریشہ دوانیوں میں شمولیت یا ظلم کے خلاف ان کی ایک دم خاموشی اور لاتعلقی کی بہت سی مثالیں دیکھی یا سنی جا چکی ہیں۔

امت اسلام کی بنیادی مشکل

اللہ کی طرف سے برگزیدہ رہبروں، خصوصیت سے حضرت علیؑ ائمہ طاہرینؑ اور آخرکار اسلامی امت کے لئے سب سے بڑی مشکل کفار و ملحدین نہیں تھے۔ بلکہ وہ منافق تھے جو بظاہر اسلام وقرآن کو اپنا شعار بنائے ہوئے تھے اس کے باوجود اپنی باطنی خباثت کے تحت حریم اسلام کی بے حرمتی سے گریز نہیں کرتے تھے اور کاغذی قرآن کے اوراق میں پناہ لیکر

اسلام اور امت اسلام پر مہلک ترین ضربیں لگاتے رہتے تھے۔ یہی امویؒ دان کے سرغنہ معاویہ) اور شجرۂ خبیثہ مروانی نیز عباسی خاندان کی بیسرت رہی ہے۔ عہد حاضر تک کی اسلامی تاریخ میں اسی طرح کے دوسرے حکام وسلاطین بھی نظر آتے ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ یہ اسلحہ ابھی تک ان شیطانوں اور امپریالزم اور صہیونزم کے پروردہ غداروں کے ہاتھوں میں موجود ہے جو سردار قادسیہ اور خادم الحرمین کے عنوان سے اسلام پناہی کے پردہ میں، شیطنت اور خیانت کا وہ بازار گرم کرتے ہیں کہ شیطان کو بھی ان سے شرم آتی ہے اور ضحاک وحجاج وہلٹر وآئیشمن وغیرہ بھی ان سے پناہ مانگتے نظر آتے ہیں!!

ایک حاکم نظام کی ضرورت

امامؑ اپنے کلام میں اس اہم نکتہ کی جانب اشارہ فرماتے ہیں کہ امارت اور حکومت کے درمیان کیا فرق ہے۔ حاکمیت مطلقہ تو صرف خدا کے لئے ہے۔ قانون اور اس کا نفاذ، امر ونہی اور معاشرہ کی کل سیاست کی تشکیل دراصل خدا کی رضا اور اس کے حکم سے ہونی چاہیئے۔ لیکن امارت جو سربراہی، رہبری اور سرپرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو خدا کے بندوں کے سپرد کر دی گئی ہے اور کوئی معاشرہ اس سے بے نیاز نہیں ہے۔ بہرحال اگر معاشرہ صالح ہوگا تو صالح اور صحیح حاکمیت ورہبری کو قبول کرے گا۔ اور اگر غیر صالح ہوگا اور رہبری کی تشخیص کی صلاحیت اسمیں نہ ہوگی تو یہی امر، ظالم اور غیر صالح افراد کے تسلط کا باعث بن جائے گا۔ لیکن حضرت علیؑ کے نظریہ کی روشنی میں بنیادی طور پر حاکمیت ورہبری کی ضرورت سے کسی طرح بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

کوئی معاشرہ بغیر رہبر کے اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتا۔ چاہے وہ رہبر وسرپرست صالح اور قانونی ہو یا غیر صالح اور غیر قانونی۔ بعد کا جملہ اس بات کی وضاحت کر دیتا ہے کہ یہ صالح یا غیر صالح سرپرستی ایسی ہونی چاہیئے کہ:

۱۔ مومنین اور صالح افراد کو عمل کی آزادی دے۔

۲۔ کافر اور غیر صالح افراد بھی امن وامان کے عمومی حق سے فائدہ اٹھا سکیں۔ یعنی

ہر شخص انسانی حقوق سے استفادہ کر سکے۔
۳۔ ملک کی آبادکاری کے لئے ٹیکس وصول کئے جائیں اور انھیں ضرورت کی جگہوں پر صرف کیا جائے۔
۴۔ فتنہ و فساد اور دشمنوں کے خطرہ سے معاشرہ کو محفوظ رکھا جائے۔
۵۔ قوی افراد سے ضعیفوں کا حق دلایا جائے تاکہ نیک افراد امن کی سانس لیں اور بدکار کسی غلطی کی جرأت نہ کرسکیں۔

کوئی بھی نظام، چاہے وہ غیر صالح کیوں نہ ہو اگر مندرجہ بالا مقاصد کے تحت وجود میں آئے گا اور قوم و ملت کے ان عمومی حقوق کی بحالی اور ادائیگی میں کوشاں رہے گا تو معاشرہ کی سلامتی کے سلسلہ میں ایک حد تک مطمئن رہا جا سکتا ہے۔

ظاہری بات ہے کہ امامؑ کے قول میں ایسی کوئی بات نہیں پائی جاتی جس سے ظاہر ہو کہ مندرجہ بالا اہداف و مقاصد کے حصول کی صورت میں صالح اور غیر صالح نظام حکومت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ کیوں کہ سیکڑوں دوسرے مقامات پر جن کا ذکر بعد میں آئے گا حضرت علی علیہ السلام نے ایک صحیح و حقیقی اسلامی معاشرہ میں حکومت کے شرائط اور ضرورت کا ذکر فرمایا ہے۔ اور خود آپ کی سیرت و سیاست بھی اس پر گواہ ہے۔ یہاں تو امامؑ کا ارشاد اس طرف اشارہ کر رہا ہے کہ ہر ملت و قوم چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان ایک حکومت کی محتاج ضرور ہے تاکہ وہ ملت کے تمام افراد کی مشترک ضرورتیں پوری کرنے میں اہم اور موثر کردار ادا کر سکے۔ چنانچہ ایک غیر صالح اور کافر معاشرہ میں ایک غیر صالح و کافر حکومت بھی عوام کی اگر مشترک ضرورتوں کو پورا کرنے میں کوشاں رہے تو اپنا وجود برقرار رکھ سکتی ہے۔ خود پیغمبر اسلامؐ نے مختلف عنوانات سے اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے چنانچہ یہاں ایک حدیث آپؐ سے نقل کی جاتی ہے کہ "ایک حکومت کفر پر تو باقی رہ سکتی ہے لیکن ظلم کی بنیادوں پر باقی نہیں رہ سکتی"۔

"الملک یبقیٰ مع الکفر ولا یبقیٰ مع الظلم"

حکومتوں کا رول

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ درحقیقت ہر معاشرہ میں حکومت کا وجود، رہبری اور سرپرستی ایک اہم اور بنیادی ضرورت ہے اور کوئی منطق چاہے وہ اسلامی ہو یا الحادی اس سے انکار نہیں کرسکتی، اب اس سلسلہ میں جو ناگزیر فریضہ ہر شخص پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ الٰہی حاکمیت کو متحقق کرنے کے لئے اس کے نیک و صالح بندوں کی حاکمیت و سرپرستی میں حقیقی الٰہی حکومت کے نظام کو قائم کرنے کے لئے کوشاں رہے۔ کیونکہ اسلام اس بات کو سب سے زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ مندرجہ بالا مطلب کی مزید وضاحت امامؑ کے ایک دوسرے ارشاد میں ملاحظہ فرمائیں:

"فاعلم انّ افضل عباد اللہ عند اللہ امام عادل، ھُدِیَ وھدیٰ فاقام سنّۃ معلومۃ وامات بدعۃ مجھولۃ ..."

"وانّ شرّ الناسِ عند اللہ امام جائرٌ ضَلّ وضُلّ بہ، فامات سنّۃ ماخوذۃ واحییٰ بدعۃ متروکۃ۔"

وانّی سمعت رسول اللہ ص یقول: یؤتیٰ یوم القیامۃ بالامام الجائر ولیس معہ نصیر ولا عاذر، فیلقیٰ فی نار جہنّم فیدور فیھا کما تدور الرّحیٰ ثمّ یرتبط فی قعرھا۔[1]

(خطبہ ۱۶۴)

جان لو کہ اللہ کے بندوں میں اس کے نزدیک سب سے افضل وہ حاکم عادل ہے

---

[1] حضرت علیؑ کا یہ ارشاد اس وقت سے تعلق رکھتا ہے جب لوگ عثمان کی حکومت کے خلاف آواز بلند کرنے لگے اور حضرتؑ سے اس کی شکایت کی تو آپ نے عثمان کو خطاب کرتے ہوئے انھیں اس انداز میں نصیحت فرمائی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے بڑے نازک حساس اور بحرانی حالات میں بھی خلیفہ وقت کو نصیحتوں اور راہنمائی سے محروم نہیں رکھا۔ یہ کردار آپ کے کمال اخلاص اور امت اسلامی سے قلبی لگاؤ کی بہترین دلیل ہے۔

جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کی ہدایت بھی کرے۔ بہترین اور معروف سنتوں کو زندہ و مستحکم کرے اور (جہالت کی پروردہ) بدعتوں کو فنا کرے۔ اور اللہ کے نزدیک لوگوں میں سب سے بدترین ظالم حکمران ہے جو خود گمراہی میں پڑا رہے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے (رسولؐ سے) حاصل کی ہوئی سنتوں کو تباہ و برباد کرے اور متروک بدعتوں کو پھر سے زندہ کرے۔

میں نے رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ظالم حاکم کو اس طرح لایا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ کوئی عذر خواہ۔ اسے (سیدھے) جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا اور وہ اس میں اس طرح چکر کھائے گا جس طرح چکی گھومتی ہے۔ پھر اسے جہنم کی گہرائی میں ڈال دیا جائے گا

امامؑ نے اپنے اس ارشاد میں دو قسم کے حاکموں و رہبروں یعنی ہدایت کرنے والے اور گمراہ کرنے والے حکام کو مع ان کی خصوصیات کے بعینہ ویسے ہی ذکر فرمایا ہے جس طرح قرآن حکیم میں یہ چہرے پیش کئے گئے ہیں۔

۱۔ وجعلناھم ائمۃ یھدون بامرنا واوحینا الیھم فعل الخیرات واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ وکانوا لنا عابدین۔ (انبیاء/۷۳)

اور ہم نے ان کو لوگوں کا امام و رہبر قرار دیا ہے وہ ہمارے حکم سے لوگوں کی ہدایت کرتے ہیں اور ان کے پاس نیک کام کرنے نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی وحی بھیجی ہے اور یہ سب ہماری عبادت کرتے ہیں۔

۲۔ وجعلناھم ائمۃ یدعون الی النار ویوم القیامۃ لاینصرون (قصص/۴۱)

اور ہم نے ان لوگوں کو (گمراہوں کا) پیشوا بنایا جو (لوگوں کو) جہنم کی طرف بلاتے ہیں اور قیامت کے دن ان کی کوئی مدد نہ کی جائے گی۔

یہاں پہلی آیت میں ان حاکموں اور رہبروں کا ذکر ہے جو خدا کے حکم سے رہبری کرتے ہیں، عمل صالح بجا لاتے ہیں، نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں خدا کی خالص عبادت کرتے ہیں

اور نیکی کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری آیت میں ان رہبروں کا تذکرہ ہے جو دوزخیوں کے سرخیل ہیں خود بھی عذاب میں گرفتار ہونے کا سامان مہیا کر رہے ہیں اور دوسروں کو بھی جہنم کی طرف لے جاتے ہیں۔

لائق توجہ بات یہ ہے کہ دینی یا سیاسی حاکموں و رہبروں کے عقیدہ و عمل کا اثر پوری قوم وملت پر پڑتا ہے۔ حاکم کی اس اصلاح یا فساد کے اثر کا دائرہ خود حاکم و رہبر کی ذات یا اس کے خاندان تک محدود نہیں رہتا بلکہ پیغمبر اسلام کے ارشاد کے مطابق پوری دنیا اس سے متاثر ہوتی ہے :۔

صنفان من امتی اذا صلحا صلح العالم و اذا فسدا فسد العالم. العلماء والامراء۔"

میری امت میں دو گروہ ایسے ہیں کہ اگر وہ صالح اور نیک ہوئے تو دنیا نیک ہو جائے گی اور اگر فاسد و بد عمل ہوئے تو پوری دنیا فاسد ہو جائے گی۔ یہ دو گروہ، علماء اور حکام ہیں۔

مذکورہ ارشاد پیغمبر، گذشتہ آیات اور نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے ارشاد کی روشنی میں حکومت و امارت کی اہمیت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے ۔ اور مزید توضیح و تفصیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

فاسد حکومتوں کے آثار

حضرتؑ نے جو خط مالک اشتر رحضرت کی جانب سے منصوب مصر کے گورنر) کے ذریعہ اہل مصر کے لئے روانہ فرمایا تھا اس میں آپ نے یہ فرماتے ہوئے کہ درحقیقت شریعت محمدی کی ذمہ داری اور حفاظت کے خیال نے مجھ کو حکومت و سیاست کے میدان میں لا کھڑا کیا ہے ورنہ مجھے اقتدار کی خواہش ہے، نہ ریاست و امیری سے کوئی لگاؤ۔ اسی ضمن میں آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ علیؑ کے مقابلے میں اقتدار کے خواہشمند افراد سرے سے حکومت و امارت کی صلاحیت نہیں رکھتے ہیں جبکہ علیؑ میں دین کی بصیرت، ایمان کا کمال، ذات خدا پر یقین کامل

اور لقاء اللہ کی تمنا اس قدر ہے جس کا کسی کو انکار نہیں آپ مزید فرماتے ہیں:-

"ولکنني آسی أن یلی امر هذه الامة سفهاؤها وفجارها فیتخذوا مال الله دولاً وعباده خولاً والصالحین حرباً والفاسقین حزباً ، فان منهم الذی قد شرب فیکم الحرام وجلد حداً فی الاسلام ..." (مکتوب نمبر ٦٢)

"لیکن مجھے اس کا رنج واندوہ ہے کہ اس امت کے اقتدار کی باگڈور کوڑھ مغز اور بد کردار لوگ اپنے ہاتھ میں لے لیں اور اس طرح اللہ کے مال کو اپنی املاک اور اس کے بندوں کو اپنا غلام بنا لیں ، اللہ کے صالح اور نیکو کار بندوں سے برسرپیکار رہیں اور بدکاروں سے اپنا گروہ تشکیل دیں ، حکومت پر قبضہ کرنے کے خواہشمندوں کے درمیان ایسے شراب خوار بھی ہیں جن پر حد جاری کی جا چکی ہے ...."

جہالت اور ظلم و جور کی حاکمیت

امام نے اپنے اس خط میں چند بہت خاص نکتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) سب سے پہلے آپ غلط اور غیر صالح عناصر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے کنارہ کش ہو جانے کی صورت میں یہ لوگ امت اسلام پر قابض ہو کر اس کی قسمت کا سودا کرنے لگیں گے اور جن مظالم کا حضرت نے ذکر فرمایا ہے ان کا بازار گرم ہو جائے گا۔

ان بے صلاحیت اور خائن و غاصب حاکموں کی دو اہم ترین خصلتیں ہیں - پہلی جہالت و سفاہت ہے اور دوسری - فسق و فجور - اور حقیقت بھی یہی ہے کہ جہالت اور ظلم و جور انسان کی بدبختی کے دو ایسے عامل ہیں جو تاریخ میں جابروں اور طاغوتوں کی حکومت کے دوران موجود رہے ہیں اور قرآن نے بھی ان ہی دونوں عاملوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے "انہ کان ظلوما جھولا" کی تعبیر کے ساتھ غاصبوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں نے امانت الٰہی پر بلا حق قبضہ کر لیا اور عادل و با بصیرت افراد کو ان کی جگہوں سے دور کر دیا

سچ ہے کہ جس طرح عدل اور علم انسانیت کی سعادت و نیک بختی کی بنیادیں ہیں اسی طرح جہالت اور ظلم و جور اس کے زوال و انحطاط کی ہولناک علامتیں ہیں اور اسی کو حضرت علیؑ نے اپنے ارشاد میں ذکر بھی فرمایا ہے۔

قوم کو تاراج کرنے والے

(۲) اس کے بعد حضرتؑ بے عقلوں اور جابروں کی حکومت کے برے آثار بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

الف) یہ لوگ بیت المال کو — جو محروم عوام کا حق ہے — اپنا مال بنا لیتے ہیں، بھوکے اور فقیر افراد کے خون سے بڑے بڑے محل تعمیر کرتے ہیں، بساط عیش و طرب بچھاتے ہیں، سونے چاندی اور جواہرات کی شکل میں دولت کے بے حساب انبار جمع کرتے ہیں — دراصل یہی قوموں پر اقتدار و حکومت کرنے والے ستم پیشہ حکام کی تاریخ رہی ہے اور آج بھی ان حکومتوں کی بدترین اور بے رحمانہ روش دنیا کے اطراف و اکناف میں دیکھی جاسکتی ہے۔ یہی حالات قوموں کے لئے فقر و تنگ دستی، محرومیت و گرسنگی، مرگ و بیماری، جہالت و نادانی اور روحانی و جسمانی اذیتوں کا سبب بنتے ہیں۔

غلامی کی لعنت

ب) خدا کے ناتواں اور کمزور بندے مستکبروں کے غلام بن جاتے ہیں اور خدا نے استقلال و آزادی کی جو دولت انھیں عطا کر رکھی ہے وہ ظالم و جابر حاکموں کے قدموں پہ قربان ہوجاتی ہے اس طرح انفرادی و اجتماعی طور پر اسارت و غلامی کی زنجیریں محروم افراد کی فکروں، روحوں اور جسموں کو یوں جکڑ لیتی ہیں کہ نسلیں اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان کا ٹوٹنا دشوار ہوتا ہے۔ ان کے لئے تو صحیح معنی میں ایک الٰہی اور خونین انقلاب ہی درکار ہوتا ہے، جو ان کے تار و پود بکھیر کر رکھ دے۔

اور ہم جانتے ہیں کہ خداوند عالم کی جانب سے انبیاء کرام یہی وظیفہ سر کرتے ہیں کہ

انسانوں کو اللہ کی حاکمیت کے سایہ میں آزادی عطا کریں اور انھیں طاغوتوں کی غلامی کی زنجیروں سے نجات بخشیں۔

پیغمبر اسلامؐ کے اہم فرائض میں ایک فریضہ یہ بھی تھا کہ لوگوں کے کاندھوں سے ظالموں کے ظلم کا بارگراں اتاریں اور طاغوتی زنجیروں سے ان کی روحوں اور جسموں کو آزاد کریں۔

ویضع عنہم اصرھم والاغلال التی کانت علیہم (اعراف/۱۵۷)

(اور یہ نبیؐ لوگوں کی (گردنوں) میں پڑے ہوئے پھندوں کو ان سے دور کردیتا ہے۔

حضرت علیؑ ایک دوسری جگہ حکیمانہ شان سے انسان کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

لا تکن عبد غیرک وقد جعلک اللہ حرّاً

غیر کے بندے مت بنو کیوں کہ خداوند عالم نے تمہیں آزاد خلق فرمایا ہے۔

(خطبہ نمبر ۳۱ - امام حسنؑ کو خطاب کرتے ہوئے)

ظلم اور قتل و غارت

سفیہ اور جابر حکام کے اقتدار کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ خدا کے نیک اور شائستہ بند
ان کی خصومت و عداوت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ حاکم اور محکوم طبقوں کے درمیان جو
فکری، عقیدتی اور عملی اختلاف پایا جاتا ہے اس کی بنیاد پر یہ دونوں صلح وصفا اور محبت
و مودت کی زندگی ہرگز نہیں گزار سکتے۔ لہٰذا دشمنی کی آگ برابر بھڑکتی رہتی ہے۔ اگر حاک
طبقہ ہمیشہ برسر اقتدار رہے تو نیک اور صالح بندوں کی زندگی تباہ ہو جاتی ہے اور یہ
ظالم ان پر قتل و غارت، قید و بند اور مختلف قسم کی اذیتوں کے لیے پہاڑ توڑتے ہیں ک
انکا سانس لینا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ یہ حالات استکباری حکومتوں کے دوران بار
دیکھے اور سنے گئے ہیں اور آج بھی ہم ان کا مشاہدہ کرتے رہتے ہیں۔ ان مصائب سے بچے
اور محفوظ رہنے کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ یہ کہ ان ظالم حاکموں کے پنجے مروڑ ڈال
جائیں اور ان سے ان کے سارے اختیارات سلب کرلئے جائیں۔ اور یہ سب کچھ پے
درپے جہاد، بے دریغ فداکاری اور صبر و استقامت سے حاصل ہوتا ہے۔ ہمارے

پیغمبروںؑ اور ائمہؑ نے بھی قوموں اور ملتوں کو اسی کا درس دیا ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ کے آئندہ ارشادات میں ہمیں یہ باتیں ملیں گی۔

حکومتوں کا فسق و فساد

د) یہ بات فطری ہے کہ ظالم اور جاہل افراد کی حکومت اور مومن و صالح بندوں کو ٹھکرا دینے سے غیر صالح اور فاسق افراد کے فساد کے لئے ماحول سازگار ہوجاتا ہے۔ یہ فاسق جو دراصل شیطان کا گروہ ہیں حاکم قوتوں کے آلۂ کار بن کر نیک اور صالح بندوں سے مقابلے کو کھڑے ہوجاتے ہیں۔ اور چونکہ ایسے میں فساد اور غلط کاریوں کا میدان ہموار رہتا ہے، لہٰذا یہ امر بھی فطری ہے کہ عمومی طور سے پورے معاشرہ کا ماحول مسموم اور فاسد ہوجاتا ہے اور انسانی فضائل و محامد کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے۔ اس کا نتیجہ آخر کار یہ ہوتا ہے کہ انسان مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ ایسا عظیم حادثہ ہے جو تمام انسانیت پر اثرانداز ہوتا ہے۔ ان حالات میں دینی رہبروں اور اللہ کے صالح بندوں کی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے کہ انھیں کس طرح اور کس حد تک اس فاسد ماحول کے خلاف اقدام اور جہاد کرنا چاہئے اور انسانیت شریعت اور عدالت سے مملو ایک نئی دنیا آباد کرنے کی کتنی جان توڑ کوشش کرنی چاہئے۔

حکومتوں کی بلا

امامؑ نے ایک خطبہ میں امویوں کی انسانیت سوز اور دین کے خلاف گھناؤنی سیاست کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ بنی امیہ جنھوں نے عالم اسلام میں بدترین حاکموں کی مثال پیش کی، حضرتؑ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

۳- واللّٰہ لایزالون حتّٰی لایدعوا للّٰہ محرّما الّا استحلّوہ ولاعقدًا الّا حلّوہ وحتّٰی لایبقٰی بیت مدر ولاوبر الّا دخلہ ظلمھم ونبا بہ سوء رعیھم، وحتّٰی یقوم الباکیان یبکیان: باک یبکی لدینہ وباک یبکی لدنیاہ (خطبہ نمبر ۹۸۔ باب خطب)

خدا کی قسم وہ اپنے ظلم میں، اس حد تک آگے بڑھ جائیں گے کہ اللہ کی طرف

سے حرام کردہ تمام چیزوں کو حلال کر ڈالیں اور سارے عہد و پیمان توڑ کر رکھدیں یہاں تک کہ کوئی گھر اور خیمہ ان کے ظلم وستم اور بد سلوکی کی زد سے محفوظ نہ رہے گا۔ آخر کار دو طرح کے رونے والے رہ جائیں گے ایک گروہ اپنے دین کو روئے گا اور دوسرا گروہ اپنی دنیا کی تباہی پر آنسو بہائے گا

گذشتہ سطروں میں ہم جابروں اور ظالموں کی حکومت کے آثار کی طرف اشارہ کر چکے ہیں۔ یہاں امام کے مذکورہ کلام کی روشنی میں ان شیطان صفت حکام کے ظلم وستم کے مزید چند آثار کا ذکر ہدیۂ ناظرین ہے۔

۱۔ اسلام کے احکام و قوانین اور الٰہی شریعت ان حکام کی پست خواہشات اور نفسانی ہوا وہوس کے ہاتھوں کا کھلونا بن جائے گی۔ اور دین کی حرمت و عزت برباد ہو کر رہ جائے گی۔

۲۔ ایسی حکومتیں اور ایسے حکام کسی بھی دینی، دنیاوی، اجتماعی، عرفی یا عوامی عہد و پیمان کی پابندی نہ کریں گے بلکہ عہد کر کے جب چاہیں گے مکر جائیں گے۔ اس طرح حکومت اور ملت کے درمیان اعتماد کا ایک ہلکا سا پردہ بھی باقی نہ رہے گا کیوں کہ جو سیاست مکر و فریب اور شیطنت کی بنیاد پر قائم ہو، اسمیں عہد و پیمان، شرافت و انسانیت کا پاس ہی نہیں رکھا جاتا۔

۳۔ جس حکومت کی بنیاد جابرانہ تسلط اور ظلم وستم پر رکھی جائے گی۔ اس میں مظالم اور خیانتیں اس قدر پھیلیں گی کہ کوئی گھر ان سے محفوظ نہ رہے گا۔ یہاں تک کہ صحراؤں اور پہاڑوں پر برپا ہونے والے خیمے بھی ان کی دست برد سے بچ نہ پائیں گے۔ ان حکام کے ظلم اور بد سلوکیوں کا تاریک سایہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لیگا۔

۴۔ ان جابر حکام کی حکومت کے نتیجہ میں فقط لوگوں کا دین ہی غارت نہیں ہوگا بلکہ ان کی دنیا بھی تباہ ہو کر رہ جائے گی۔ یہی وجہ ہے کہ دین کا درد رکھنے والے افراد تو ایسی حکومت کے زیر سایہ ہمیشہ مصائب و آلام کا شکار ہوتے ہی رہیں گے لیکن جو صرف اپنی دنیا کی فکر میں ہیں اپنے مادی حالات کے تحت انھیں بھی رنج و مصیبت کا شکار

ہونا پڑے گا اور اپنی دنیا و آخرت دونوں کے خسارہ پر نالاں رہیں گے۔

حاکم درندے

اسی طرح ایک اور خطبہ جس میں امامؑ، حکومت بنی امیہ کے مفاسد کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اس حکومت کے دوران برپا ہونے والے فتنوں، پھیلائی جانے والی بدعتوں اور بدنظمیوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

۵- "... وکان اهل ذلک الزمان ذئاباً وسلاطینه سباعاً واوساطه اکّالاً وفقرائه امواتاً وغار الصدق وفاض الکذب واستعملت المودة باللسان وتشاجر الناس بالقلوب وصار الفسوق نسباً والعفاف عجبا ولُبس الاسلام لبس الفرو مقلوباً"

(خطبہ نمبر ۱۰۸)

اس زمانہ کے لوگ بھیڑیے ہو جائیں گے اور بادشاہ و حکام درندے، متوسط طبقہ شکم پرور ہو گا اور غریب اور پست طبقہ کے افراد مردہ ہوں گے۔ صداقت ناپید ہو جائے گی اور جھوٹ کا بول بالا ہو گا محبت و دوستی فقط زبانی جمع خرچ میں ڈھل جائے گی اور لوگوں کے دل ایک دوسرے سے کشیدہ رہیں گے۔ بدکاریاں اور فسق و فجور، دوستی اور تعلیمات کا معیار بن جائیں گے، عفت و پاکدامنی کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اسلام کو پوستین کی طرح اوڑھ لیا جائے گا۔

اور خطبۂ "قاصعہ" میں لوگوں کو ہوشیار کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے جابر اور طاغوتی حاکموں کی حکومت کے سامنے سر تسلیم خم نہ کریں۔ یہاں حضرتؑ نے ان حکومتوں کی تباہ کاریوں کا مزید تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:۔

حکومتوں کے سلسلہ میں لوگوں کی ذمہ داریاں

ا " ولاتطیعوا الادعیاء الذین تشربتم بصفوکم کدرهم وخلطتم بصحتکم مرضهم وادخلتم فی حقکم باطلهم . وهم اساس الفسوق واحلاس العقوق . اتخذهم ابلیس مطایا ضلال وجندا بهم یصول علی الناس وتراجمة ینطق علی السنتهم استراقاً لعقولکم ودخولاً فی عیونکم ونفثاً فی اسماعکم . فجعلکم مرمیٰ نبله وموطا قدمه ومأخذ یده " (خطبہ نمبر ۱۹۲)

" دیکھو ایسے بے غیرتوں کی اطاعت سے گریز کرو کہ اپنے صاف پانی کے ساتھ تم نے جن کا گندا پانی پیا اور ان کی خرابیوں کو اپنی اچھائیوں میں ملا دیا اور ان کے باطل کو اپنے حق کے ہمراہ شامل کر لیا یہ فسق وفجور کی بنیاد اور اس کا منبع ہیں اور عصیان ونافرمانی کے دلدادہ ہیں۔ ابلیس نے انھیں اپنی سواری اور گمراہی کا جانور بنا لیا اور ان سے فوج درست کی جن کے ذریعہ وہ لوگوں پر حملے کرتا ہے۔ ان کی زبانوں سے گفتگو کرتا ہے تاکہ تمہاری عقل اور تمہارے افکار تم سے چھین لے۔ تمہاری آنکھوں میں اتر جائے اور تمہارے کانوں میں (وسوسے) پھونک دے اور اس کے بعد اپنے زہر آگیں تیروں سے تمہیں نشانہ بنائے، تمہارے سروں پر اپنے قدم رکھے اور آخرکار تمہیں بھی اپنا آلہ کار بنا لے۔"

یہاں امام نے ان طغیان پیشہ حاکموں کی ناہنجار خصلتیں بیان کرتے ہوئے معاشرہ کی پاکیزگی، صفا وصحت اور لوگوں کی روح وجان پر مرتب ہونے والے ان کے بھیانک "تباہ کن اور مسخ کنندہ" اثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ شیطان کی طرح انسان کی رگ وپے حتیٰ خون کے اندر بھی سرایت کر جاتے ہیں اور اسطرح انسان کو نیست ونابود کر دیتے ہیں۔

آپؑ لوگوں کو ہوشیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ لوگوں کا فریضہ ہے کہ ذلت وخواری اختیار نہ کریں اور ایسے افراد کے آگے ہرگز سر تسلیم خم نہ کریں بلکہ ان سے علاحدگی و روگردانی اختیار کرتے ہوئے ان کے مقابلہ پر ڈٹ جائیں۔ اپنی آزادی اور اپنا استقلال ان شیطانوں کے پنجوں سے چھین لیں۔ انسان سربلند اور شرافت مند زندگی کا مستحق ہے۔ اس کا فرض ہے کہ ایسی زندگی گزارے لیکن چونکہ یہ ظالم وجابر حکام خود سے اسے اس کا یہ حق ہرگز نہ

دیں گے۔ لہٰذا اسے اپنا حق ان کے حلق میں ہاتھ ڈال کر نکال لینا چاہیئے۔

قیادت کی ذمہ داریاں

اس سے پہلے ہم عرض کر چکے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی نگاہ میں معاشرہ کی سیاست، تدبیر، فلاح اور امت کی رہبری کا مسئلہ اہم اور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ طرز حکومت معاشرہ پر ناقابل انکار اثر ڈالتی ہے۔

ان بحثوں سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ معاشرہ پر حکومت اور اس کے لئے تدبیر و سیاست پر عمل پیرا ہونا بہت اہم ذمہ داری ہے۔ یہ مسئولیت اور ذمہ داری کچھ ایسی ہے جس سے صاحبان صلاحیت کنارہ کش نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ الٰہی تعلیمات کو زندہ کرنا، قرآنی حدود کو معین کرنا احکام کو جاری کرنا، ظلم و ستم کے مقابلہ میں لوگوں کا دفاع کرنا، منکرات کے خاتمہ کے لئے جدوجہد کرنا اور نیکیوں کو رائج کرنا اگر الٰہی فرائض میں سے ہے اور قرآن حکیم کے صریحی اور صاف حکم کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کے تحت نیکی اور تقویٰ پر باہمی تعاون اور ظلم و جور کے سلسلہ میں دوسروں کا ساتھ نہ دینے کا فرض اسلامی معاشرہ کی ہر فرد پر عاید ہوتا ہے تو یقینی طور پر یہ فریضہ ان لوگوں پر بدرجۂ اولیٰ عاید ہوتا ہے جو صالح ہیں اور معاشرہ کی رہبری کی صلاحیت رکھتے ہیں جنکی باتیں لوگوں کے دلوں پر زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں اور جن کی امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے متعلق ہدایات لوگوں پر اپنا اثر ڈال سکتی ہیں۔

پیغمبرؐ، ائمہؑ اور ان کے نقش قدم پہ چلنے والے افراد کے لئے جو مسئلہ حق اور ذمہ داری کی شکل میں ہمیشہ پیش آتا رہا ہے ان میں سرفہرست معاشرہ کی سیاست اس کے نظم و نسق اور حکومت کی ڈور باگ سنبھالنا ہے۔ قرآنی آیات اور اہلبیتؑ کی روایات حضرت علیؑ کے ارشادات خصوصاً نہج البلاغہ میں آپ کے بیانات کے اندر جو ہماری گفتگو اور بحث کا محور بھی ہیں، اس موضوع سے متعلق بہت سی مثالیں موجود ہیں جن کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

امامت ایک حق ہے

۱۔ "وقد قال قائل: انک علی ھٰذا الامر یا بن ابیطالب

لحریص، فقلت بل انتم واللہ لاحرص وابعد، وانا اخص واقرب، وانما طلبت حقالی وانتم تحولون بینی وبینہ وتضربون وجہی دونہ ...“

(خطبہ نمبر ۱۷۲)

اور مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا، اے ابن ابی طالب آپ تو اس خلافت کے سلسلہ میں حریص (نظر آتے) ہیں۔ تو میں نے کہا خدا کی قسم تم اس پر بہت زیادہ حریص اور (اس کی اہلیت سے) بہت زیادہ دور ہو اور میں اس کا سب سے زیادہ اہل اور (اس کی اہلیت سے) سب سے زیادہ نزدیک ہوں۔ میں نے اپنا حق طلب کیا ہے اور تم میرے اور اس حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو۔ (اور جب اسے حاصل کرنا چاہتا ہوں تو) میرا رخ دوسری طرف موڑ دیتے ہو۔

جس شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے یہ بات کہی تھی شارحین نہج البلاغہ کے مطابق "سعد ابن ابی وقاص" تھا۔ جو حضرت ؑ کے سخت مخالفوں میں سے تھا۔ اس نے آپ پر الزام و اتہام لگایا کہ آپ چونکہ منصب خلافت و رہبری کے غاصبوں کے مقابلہ پر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان لوگوں کو تقویٰ و ایمان اور بصیرت نہ رکھنے کی وجہ سے اس منصب کے لائق و سزاوار نہیں سمجھتے ہیں لہٰذا آپ از روی حرص دنیا ریاست طلبی کے لئے سامنے آگئے ہیں! یہی وہ غلط منطق تھی جس کے جواب میں امام نے قسم کھاتے ہوئے تاکید کے ساتھ اس کو باطل قرار دیا اور فرمایا: "تم خلافت کے حریص اور اس پر دانت گڑو لئے ہوتے ہو اور جو چیز تمہاری نہیں اسے حاصل کرنا چاہتے ہو۔ گویا امت اسلام کی زمام بلا استحقاق اپنے ہاتھ میں لینا چاہتے ہو، جبکہ میں تو امت کے مصالح کا ذمہ دار ہونے کی حیثیت سے اپنا مسلّم النبوت حق طلب کر رہا ہوں۔ امامؑ مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ امامت و رہبری تو ہمارا حق ہے۔ یہ وہ حق ہے جسے خدا اور پیغمبر اسلامؐ نے ہمارے لئے معین فرمایا ہے۔ یہ وہ حق ہے جو لوگوں کی ذاتی صلاحیتوں کے مطابق انھیں عطا ہوتا ہے۔ اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ ذاتی صلاحیتیں کیا ہیں؟ اگر علم و حکمت، عدل و انصاف، ہمدردی اور رحم دلی، تقویٰ و پرہیزگاری، خواہشات نفسانی اور ہوا و ہوس پر تسلط، معاشرہ کی

اصلاح و فلاح اور اسے کنٹرول کرنے کی صلاحیت اور دوسرے اخلاقی فضائل اس منصب کا محور ہوں تو بلاشبہ دوست و دشمن سب اس کا اعتراف کریں گے کہ یہ تمام صفات حضرت علیؑ کی ذات میں نمایاں طور پر پائے جاتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ حضرتؑ کے فضائل و کمالات سے انکار کی کسی کو جرأت نہ ہو سکی۔

وہ نازک نکتہ جسے بڑی تاکید کے ساتھ امامؑ نے روشن فرمایا، یہ ہے کہ خلافت و امارت انکا ایک مسلم حق تھا جس پر دوسرے افراد ٹوٹ پڑے۔ اور اس طرح حضرتؑ کی ذات پر وہ ظلم کیا گیا جس کے آثار و نتائج معاشرہ میں بھی واضح طور سے ظاہر ہوئے۔

یہ امر بدیہی ہے کہ امامت و خلافت کسی کا ذاتی یا شخصی حق کبھی نہیں رہا کہ اس کا منافع اس مخصوص شخص سے متعلق ہو۔ کیونکہ اسلام میں شخصیتوں کو کبھی محور قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ اشخاص کے محور ہونے کی بنیاد یہ رہی ہے کہ انھیں ان کے ہدف و مقصد اور مکتب فکر کے لحاظ سے منتخب کیا جاتا رہا ہے اس طرح وہ اس منصب کے حقدار بن جاتے ہیں۔ حتیٰ اس قاعدہ سے انبیاء کرام اور ائمہ اطہار کو بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ذاتی اور شخصی حق کی بات آتی ہے وہاں علیؑ اپنے ذاتی دشمن کو بھی معاف کر دیتے ہیں اور انتقام پر عفو کی لذت کو ترجیح دیتے ہیں۔ بیت المال سے سب سے کم حصہ لیتے ہیں اور اپنے عہد کے فقیر ترین شخص سے بھی سادہ زندگی گزارتے ہیں، یہاں تک کہ اپنے قاتل کے سلسلہ میں بھی اپنے فرزند سے وصیت کرتے ہیں کہ میں اسے معاف کرنے پر بھی آمادہ ہوں۔ اب یہ تم لوگوں کا حق ہے کہ اسے معاف کر دو یا اس سے قصاص لو۔ دیکھئے یہاں حضرتؑ خود اپنی حیثیت یا شخصیت پرستی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ بلکہ یہاں نفس کو تقویٰ و پرہیزگاری کی زنجیر میں جکڑ کر عقل و شرع اور حاکمیت پروردگار کی اطاعت پر آمادہ کیا گیا ہے۔ شاید ہی کوئی شخص ہو جو اس ملکوتی شخصیت کے علم و کمال، زہد و تقویٰ عبادت و عدالت اور محراب و جہاد کے اس مثالی نمونہ سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے کے بعد بھی ان حقائق سے انکار کی جرأت کرے۔

مختصر یہ کہ مدعیان منصب کی جانب سے آپکے حق کا ضائع کیا جانا اور نہ ماننا صرف آپ کی ذات پر ظلم کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اگرچہ آپ کی ذات پر بھی ظلم ہوا مگر وہ آپکے لئے قابل تحمل

ہے۔ لیکن جو ناقابل تحمل ہے وہ اسلام و مسلمین کی سرنوشت اور تاریخ بشریت میں عدل و انصاف کی روداد غم ہے۔

حضرت علیؑ نے اپنے خطبوں میں یہ بات صراحت کے ساتھ ذکر فرمائی ہے کہ عوام کو اپنے امام سے اس لئے کنارہ کش نہیں ہونا چاہئے کہ امام کی اطاعت و حمایت خود عوام کی سرنوشت سے مربوط ہے اور عوام کی حمایت بھی خدا کی خاطر کی جاتی ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:

۲) "لم تکن بیعتکم ایای فلتۃ ولیس امری وامرکم واحداً انی ارید کم للہ وانتم تریدونني لانفسکم۔ ایھا الناس أعینوني علی انفسکم۔ وایم اللہ لانصفن المظلوم من ظالمہ ولاقودن الظالم بخزامتہ حتی اوردہ منھل الحق وان کان کارھاً" (خطبہ نمبر ۱۳۶)

تم نے ہماری بیعت اچانک اور بلا سوچے سمجھے نہیں کی تھی، اور نہ ہمارا اور تمہارا معاملہ یکساں ہے۔ میں تمہیں خدا کے لئے چاہتا ہوں اور تم مجھے اپنی خواہشات اور فائدوں کے لئے چاہتے ہو۔ اے لوگو: خود اپنے مصالح کی خاطر میری اعانت اور مدد کرو۔ خدا کی قسم میں مظلوم کو اس کے ظالم سے انصاف دلاؤں گا اور ظالم کی نکیل پکڑ کر اسے سرچشمۂ حق و عدالت تک کھینچ لاؤں گا، چاہے اسے برا ہی کیوں نہ لگے۔

امام کا ارشاد پوری صراحت سے یہ بات ظاہر کر رہا ہے کہ آپ کے اقدام و عمل کا محور صرف خدا ہے اور مقصد فقط اللہ کی رضا ہے اور آپ اسی مقصد کے حصول کے لئے حکومت چاہتے ہیں۔ حتیٰ اس منطق کے تحت لوگوں کی خدمت بھی فقط اللہ کی اطاعت اور اس کی رضا کا پہلو رکھتی ہے خالق کی رضا کے بغیر خلق کی خدمت کوئی مرکزی حیثیت نہیں رکھتی (جیسا کہ حقوق بشر کے دعویدار اکثر اس طرح کے نعرے بلند کیا کرتے ہیں!) بلکہ وہ مخلوق جو خالق سے اپنا رشتہ رکھتی ہو اور حقیقت کے اس بحر بیکراں سے متصل ہو، اس کی خدمت عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔ ورنہ وہ ایسی انسانی خدمت ہو کر رہ جاتی ہے جو روحی و معنوی اعتبار سے بے قیمت ہوتی ہے۔

اپنے لوگوں سے فرمایا کہ اپنی فلاح اور سعادت کے لئے آپ کی مدد کریں، آپ کی حکومت وسلطنت کی استواری کے لئے نہیں، کیونکہ اصل مقصد حکومت کا حصول نہیں ہے بلکہ اس سے بلند تر مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے اور یہ عظیم مقصد عوام کی خدمت اور دین خدا کی حفاظت ہے جو سب سے زیادہ اہم ہے۔ ساتھ ہی آپ نے فیصلہ کن انداز اور پورے اعتماد کے ساتھ مظلوموں کی امداد اور ستمگاروں کی سرکوبی کا یقین دلایا۔ جسے ہم آیندہ فصلوں میں "حکومت کے مقاصد" کے عنوان سے تفصیل سے ذکر کریں گے۔

امام، حق کا محافظ

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے کہ احکام خدا کی حمایت و حفاظت اور بدعتوں کی روک تھام امام کے فرائض اور ذمہ داریاں ہیں۔ امامؑ نے مصر کے گورنر مالک اشتر کے ذریعہ اہل مصر کے نام جو خط تحریر فرمایا تھا اس میں رحلت پیغمبر اسلامؐ کے بعد لوگوں کی عہد شکنی اور ماجرائے خلافت کے بعد اسلام کو پہنچنے والے نقصانات اور آخر کار لوگوں کی درخواست پر منصب خلافت کو قبول کرنے اور مسلمانوں کی بیعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

« فخشيت ان لم انصر الاسلام واهله ان ارى فيه ثلماً او هدما، تكون المصيبة به علىّ اعظم من فوت ولايتكم التي انما هي متاع ايام قلائل يزول منها ما كان، كما يزول السّراب او كما يتقشع السحاب، فنهضت في تلك الاحداث حتى زاح الباطل وزهق واطمأنّ الدّين وتنهنه

(خط نمبر ۶۲)

"... مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر اب میں اسلام اور اہل اسلام کی نصرت و مدد نہ کروں گا تو اس میں سخت خلل اور بحران پیدا ہو جائے گا اور یہ میرے لئے اس حکومت وولایت کے ہاتھ سے چلے جانے سے کہیں بڑی مصیبت ہے۔ یہ چند روزہ حکومت تو سراب کی مانند گزر جاتی ہے یا ابر کی صورت زائل ہو جاتی ہے۔

لہٰذا میں اس ہنگامہ گیرودار میں اٹھ کھڑا ہوا یہاں تک کہ باطل نے اپنا رخت باندھ لیا اور دین کو ثبات حاصل ہو گیا۔"

ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ کی نگاہ میں ولایت و امارت کا ہاتھ سے چلا جانا اتنی بڑی مصیبت نہیں ہے کہ اس پر غمگین ہو جائے کیونکہ آپ کی نظر میں حکومت سراب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ نہ اللہ کے بندے اس سے دل لگاتے ہیں اور نہ اسے نگاہ ثبات سے دیکھتے ہیں۔ یہ کور دل اور دنیا پرست جابر حکام ہیں جن کی آرزوؤں کا منتہا، ریاست و حکومت اور شہوت پرستی ہوا کرتی ہے۔ جبکہ اولیاء اللہ کی فکر اس کے بالکل برعکس ہے۔ یہ حضرات دنیا و مافیہا کو ایک ذریعہ و وسیلہ سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔ اہم ترین مصیبت تو اسلام کی ویرانی اور بربادی کی مصیبت ہے جس کے لئے جابر و ظالم حکام چالیں چلا کرتے ہیں یہ چالیں جاہل نادان اور بے حس افراد کے ذریعہ کامیاب بنائی جاتی ہیں۔ اور یہ بات دین کا درد رکھنے والے رہبروں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

دنیا کے کس سیاسی دبستان میں اس طرح کی فکر پائی جاتی ہے؟ عالمی سیاسی مکاتب تو دراصل خدا کے تصور سے ہی بیگانہ ہیں۔ خلق خدا کے واقعی اور حقیقی حقوق کا ان کے یہاں کوئی مفہوم ہی نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان کے اوپر درندگی، شیطنت اور شہوت و شہرت کا بھوت سوار ہے۔ یہ ساری باتیں دنیا کے محروموں اور خصوصیت سے مسلمانوں کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ ان جابروں اور ظالموں کی حکومتوں کی سرنگونی اور نابودی کی خاطر ہر طرح کی فداکاری اور جانثاری کے لئے کوشاں ہیں اور ان کی جگہ پر اللہ کی حاکمیت کا پرچم بلند کریں۔

حکومت کی تشکیل کا مقصد

خطبۂ شقشقیہ" میں آپ نے خلافت کی افسوسناک سرنوشت اور اس عہد کی سیاسی رقابتوں کا ذکر فرمایا ہے اور آخر کار بے شمار تلخیوں کو برداشت کرنے کے بعد خدا کی طرف سے عائد ذمہ داری کے تحت مجبوراً خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لینے کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:-

۴) اما والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ، لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللّٰہ من العلماء الا یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا ولسقیت آخرہا بکاس اولہا ولالفیتم دنیاکم ھٰذہ ازھد عندی من عفطۃ عنز۔

(خطبہ نمبر ۳)

اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جانوں کو خلق فرمایا، اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور نصرت کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت قائم نہ ہو گئی ہوتی، اور اگر اللہ نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ وہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر خاموش بیٹھے نہ رہیں تو میں خلافت کی مہار خود اس پر ڈال کر اسے آزاد چھوڑ دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا۔ اور تم خود جانتے ہو کہ میری نگاہ میں تمہاری یہ دنیا بکری کی چھینک سے بھی زیادہ بے وقعت ہے۔

گویا یہاں بھی آپ اسی بات پر زور دیتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ فقط عہد و میثاق الٰہی کی پابندی کے لئے میں نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا ہے۔ ورنہ جس طرح گزشتہ حکام کے زمانہ میں "استخوان درگلو" اور "خار در چشم" کی صورت مشکلیں برداشت کرتا رہا اور صرف دین کی پائیداری اور امت اسلامی کو تفرقہ سے محفوظ رکھنے کے لئے ساکت و صامت رہا، یوں ہی خاموش رہتا، لیکن آج فرائض کے احساس کے تحت منصب خلافت و امارت کو قبول کرنا لازم و ضروری ہو گیا ہے "تاکہ مظلوموں کی نصرت و مدد کی جا سکے اور امت کے حقوق پر ڈاکہ ڈالنے والوں اور مسلمانوں کی دولت لوٹ کر ہڑپ کر جانے والوں کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔

صرف اسی تصور نے امام کو خلافت وحکومت کی طرف مائل کیا ورنہ حضرت علیؑ کی خداجو نگاہ میں ریاست وحکومت، دنیا کی حقیر ترین شئے ہے۔ اتنی حقیر کہ بکری کی چھینک کے ذریعہ نکلے ہوئے ناک کے پانی سے بھی زیادہ بے حقیقت ہے، یا آپؑ ہی کی ایک اور تعبیر کے مطابق "ایک مبروص وجذامی کے ہاتھ میں سور کی ہڈی سے بھی زیادہ حقیر اور بے معنی" ہے۔ یہ وہ سبق ہے جس سے علیؑ حکمرانوں کو آگاہ کرنا چاہتے ہیں: کہ سب سے پہلے حکومت کے لئے اپنے اہداف ومقاصد پر غور کرلیں اور صحیح مقاصد کا انتخاب کرلیں، اس کے بعد سیاست وحکومت کے میدان میں قدم رکھیں۔ ایسی صورت میں حکومت کی راہ میں جتنی مشکلات درپیش ہوں گی، خداوند عالم کے یہاں ان کا مخصوص اجر ہوگا۔ کیونکہ علیؑ کی شان بھی یہی تھی۔ آپ کا سکوت آپ کی فریاد، آپ کا قیام وقعود، جنگ وصبر، ہجرت وشہادت، جلال ومظلومیت سب کچھ خدا کے لئے اور اس کی رضا کی خاطر تھا۔

آپ نے یہ روش پیغمبر اکرمؐ کی سیرت وکردار سے حاصل کی تھی۔ اور پیغمبرؐ کی تحریک کی اساس بھی وہ دستور العمل تھا جسے خود خدا نے معین کیا تھا:

الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور

(حج / ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم انھیں روئے زمین پر تسلط عطا کریں تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ ادا کریں گے، نیک کاموں کا حکم دیں گے اور برائیوں سے لوگوں کو روکیں گے اور سارے امور کا انجام خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔"

حکومت کے سایہ میں امت کا اتحاد

حکومت کے اہداف ومقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی ہے کہ حکومت، امت کے اتحاد ویکجہتی کی راہ میں براہ راست موثر کردار ادا کرتی ہے۔ اگرچہ ہم اس موضوع پر "امت واحدہ"

کے عنوان سے تفصیل کے ساتھ گفتگو کریں گے، لیکن یہاں اس سے متعلق ایک سرسری اشارہ ضروری سمجھتے ہیں۔

وہ امت جو اپنا ایک مستقل الٰہی مقصد رکھتی ہے اور اس روش پر اپنے کمال کی راہیں طے کرنا چاہتی ہے۔ لامحالہ اسے ایک ایسے راہنما و رہبر کی ضرورت در پیش ہوگی جو راہ حق کے لئے ایک درخشاں مینار ہو سب اسے قبول کریں اور وہ سب کے لئے نمونہ اور مثال قرار پائے۔ امامؑ نے اس نکتہ کی طرف بہت سے مقامات پر مختلف عنوانات سے اشارہ فرمایا ہے، یہاں نمونہ کے طور پر ایک خطبہ کا ایک مختصر سا حصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ وہ خطبہ ہے جس میں آپؑ نے اس سیاست کی طرف اشارہ فرمایا ہے جسے حاکم، نظام حکومت کی حفاظت کے لئے بروئے کار لاتا ہے۔ اسی ضمن میں آپ حکومت کی اہمیت و ضرورت اور امت کے اتحاد میں اس کے موثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

وَمَكَانُ الْقَيِّمِ بِالْأَمْرِ مَكَانُ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ يَجْمَعُهُ وَ يَضُمُّهُ فَإِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُ وَ ذَهَبَ ثُمَّ لَمْ يَجْتَمِعْ بِحَذَافِيرِهِ أَبَداً

(خطبہ نمبر ۱۴۶)

"امت میں حاکم کا مقام ایک ایسے دھاگے کی مانند ہے جو سارے دانوں کو پروئے رہے اور آپس میں متحد رکھے، لیکن جب یہ رشتہ یا دھاگہ ٹوٹ جاتا ہے تو سارے دانے بکھر جاتے ہیں اور پھر کسی صورت سے جمع نہیں ہوتے۔"

امامؑ نے اس خوبصورت تشبیہ کے ذریعہ اس نکتہ کو ذہن نشین کرانا چاہا ہے کہ امت کا اتحاد جو خود امت کی پائیداری کی بنیاد ہے ایک ایسے قیم و سرپرست کا محتاج ہے، جو لوگوں کو نظریاتی و طبقاتی اختلافات اور تفرقہ و جدائی کے عوامل سے نجات دلا کر اس کو ایک محور و مرکز پر جمع کرے اور اختلاف و تفرقے سے جو زوال و انحطاط کا پہلا زینہ ہے محفوظ

سکے۔

اور یہ فطری امر ہے کہ ہر حاکم اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے صالح حاکم کی ضرورت ہوتی ہے جو اتحاد و یگانگت کے راز اور اس کی اہمیت سے آگاہ ہو۔ اختلاف و افتراق کے شگافوں کو پر کر سکے اور طبقاتی دیواروں کو تدبیر کے تیشوں سے ڈھا کر توحید کے پرتو میں اتحاد و ہم بستگی کی راہ ہموار کر سکے۔

دوسرا باب

تشکیل حکومت کا مقصد

حضرت علیؑ کے کلام میں حکومت کے اغراض و مقاصد سے متعلق بہت سے نمونے پائے جاتے ہیں جن میں سے کچھ ہم گزشتہ بحثوں میں بیان کر چکے ہیں اور کچھ آئندہ ذکر کریں گے۔ لیکن اس مقام پر ہم حکومت کی تشکیل اور اس کے اغراض و مقاصد کو ایک مستقل موضوع بحث کی حیثیت سے پیش کرتے ہوئے امامؑ کے کلام سے چند نمونے نقل کرتے ہیں۔ امامؑ ایک مقام پر خداوند عالم کی بارگاہ میں تضرع و زاری کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اللّٰھم انک تعلم انہ لم یکن الذی کان منا منافسة فی سلطان ولا التماس شیئ من فضول الحطام ولکن لنرد المعالم من دینک ونظھر الاصلاح فی بلادک، فیأمن المظلومون من عبادک وتقام المعطلة من حدودک۔

اللّٰھم انی اول من اناب وسمع واجاب، لم یسبقنی الا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ بالصلوٰة۔

(خطبہ نمبر ۱۳۱)

"خدایا! تو بہتر جانتا ہے کہ اس اقدام سے ہمارا مقصد حکومت و سلطنت سے

فتح یا دولت دنیا کی ذخیرہ اندوزی نہیں ہے۔ بلکہ میں نے حکومت کا بار اپنے کاندھوں پر صرف اس لئے اٹھایا ہے کہ اس کے ذریعہ تیرے دین کے شعائر کو دوبارہ زندہ کروں اور تیرے شہروں میں صلح و اصلاح کا ماحول سازگار کروں، تاکہ تیرے مظلوم وستم دیدہ بندے امن و امان سے رہیں اور تیرے معطل پڑے ہوئے قوانین نافذ ہوسکیں۔ پروردگارا میں پہلا شخص ہوں جس نے سب سے پہلے تیری جانب رخ کیا، تیرے پیام کو گوش دل سے سنا اور اس پر لبیک کہی نماز کے سلسلہ میں پیغمبر اسلام کے علاوہ کوئی مجھ سے مقدم نہیں ہے۔

فاسد حکام، ریاست اور حکومت کے ذریعہ ہوس پرستی، تفوق طلبی، تسلط و اقتدار، کامرانی اور لذت پسندی کے خواہاں ہوتے ہیں جبکہ خدا کے پرہیزگار اور وارستہ بندوں کی نگاہوں میں ان کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہوتی دنیا اپنے پورے مادی وجود کے ساتھ ان کی نگاہوں میں ہیچ ہے۔ فقط جو باتیں انھیں اس مقصد کی طرف مائل کرتی ہیں، امام کے ارشاد کی روشنی میں حسب ذیل ہیں:

۱) دین خدا کا احیاء اور اس کے تمام شعائر، احکام و قوانین کا معاشرہ میں نفاذ۔

۲) فتنہ و فساد کے تمام عناصر و عوامل کی معاشرہ سے بیخ کنی۔ صلح و پاکیزگی اور مہر و محبت کا رواج۔

۳) خدا کے مظلوم و محروم بندوں کی حمایت اور ان افراد کی مدد جو زر و زور کے خداؤں کے پیروں تلے روندے جا رہے ہیں۔

۴) ان تمام الٰہی حدود و قوانین کا اجراء جو ستمگر اور بداعتقاد حکام کی چال بازیاں اور بے راہ رویوں کی وجہ سے بھلا دیئے گئے یا معطل پڑے ہوئے ہیں۔

مندرجہ بالا مقاصد اس وقت تک جامۂ عمل نہیں پہن سکتے جب تک ایک عادل اور خدا ترس حکومت قائم نہ ہوجائے اور ایسی حکومت کی مثال ہمیں حضرت علیؑ اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے افراد کی سیرت و سیاست میں دیکھنے کو مل سکتی ہے۔

۳ "وقال عبد الله ابن عباس، رضی الله عنه: دخلت علی امیرالمؤمنین علیه السلام۔ بذی قار وهو یخصف نعله، فقال لی ماقیمة هذا النعل؟ فقلت: لا قیمة لها! فقال علیه السلام،
والله لهی احب الیّ من امرتکم إلا ان اقیم حقاً اوادفع باطلاً"
(خطبہ نمبر ۳۳)

"عبداللہ ابن عباس کہتے ہیں کہ میں منزلِ ذی قار پر (جنگ بصرہ کے لئے جاتے ہوئے ایک گزرگاہ تھی) امیرالمؤمنین حضرت علیؑ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؑ اس وقت اپنی نعلین سِل رہے تھے۔ مجھے مخاطب کرکے فرمایا: اس کی کیا قیمت ہوگی؟ عرض کی (یہ اس قدر بوسیدہ ہے کہ) اس کی کوئی قیمت نہیں ہے تو امامؑ نے فرمایا: خدا کی قسم میں اس بوسیدہ اور بے قیمت نعلین کو تم لوگوں پر حکومت کرنے سے زیادہ دوست رکھتا ہوں، مگر یہ کہ اس کے ذریعہ حق کو قائم کروں یا باطل کی روک تھام کروں۔

حضرت علیؑ جیسی شخصیت کا یہ محکم اور فکروں کو جھنجوڑ دینے والا کلام، جو نہ کبھی لاف وگزاف سے کام لیتے ہیں اور نہ ایک حرف یا ایک نقطہ بھی مبالغہ کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں ہر شخص کو دعوت فکر و نظر دیتا ہے۔ یہ ایسا جملہ نہیں ہے جس سے سرسری طور پر گزر جایا جائے۔ بلکہ یہ جملہ حکام وسلاطین کو یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ اپنی حکومت کے مقاصد پر غور کریں اور حضرت نے خلافت کے لئے جو معیار معین فرمایا ہے، اسے اپنی حکومت کا محور قرار دیں کیونکہ اللہ کے بندوں کی حکومت کا مقصد صرف حق کا احیاء اور باطل کی نابودی ہی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ حکام اس میزان پر اپنی حکومت کے اغراض و مقاصد کو پرکھیں تو حضرت کی اس روحانی اور معنوی فکر سے بے شمار فائدے اٹھا سکتے ہیں۔ یعنی گویا پرانی اور بوسیدہ نعلین کو فکر کی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور اپنی حکومت، دولت، اقتدار و ریاست کو دوسرے پلڑے میں، پھر غور کریں کہ ان میں سے کون زیادہ اہمیت رکھتی ہے؟ اگر یہ دولت و حکومت ہوس پرستی اور تفوق طلبی کے لئے ہے تو یہ سمجھ لیں کہ انہوں نے ایسی چیز سے اپنا دل لگایا ہے

جو ایک کہنہ اور بوسیدہ نعلین کے مقابلہ میں بھی حقیر اور بے وقعت ہے۔ لیکن اگر انہوں نے حکومت کو خلقِ خدا کی خدمت، حق اور عدل و انصاف قائم کرنے کا وسیلہ قرار دیا ہے تو یہی حکومت اس قدر بیش قیمت اور باعظمت ہے کہ اس کی راہ میں ہر طرح کی قربانی دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ حضرت علیؑ نے حق و دیانت قائم کرنے، معاشرہ پر عدل و انصاف کی حکومت برقرار کرنے اور معاویہ جیسے طاغوتی حکام کو صفحۂ ہستی سے ختم کرنے کے لئے ہزاروں قربانیاں دیں اور اسلام کے ہزاروں دشمنوں کو تہ تیغ کر دیا۔ آخر دوست و دشمن کے اس قدر جانی و مالی نقصانات کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے، سوائے اس کے کہ حکومت کے اس عظیم مقصد کو پیش نظر رکھا جائے اور جس کی وضاحت قرآن کریم نے بھی انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ان لفظوں میں فرمائی ہے: "لیقوم الناس بالقسط" اور روئے زمین پر انسان کی خلافت وحاکمیت کا مقصد بھی یہی:

یا داؤد انا جعلناك خليفةً فى الارض فاحكم بين الناس بالحق

اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ قرار دیا تاکہ لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ حکم کرو۔

یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت علیؑ عام مسلمانوں کے حق سے دفاع اور دین خدا کے تحفظ کی راہ میں اپنے ہزاروں دوستوں اور جاں نثاروں کو قربان کرنے پر آمادہ ہیں اور ہزاروں کافروں، ظالموں اور شیطان کے پیروؤں کو فی النار کرنے سے گریز نہیں کرتے لیکن جب شخصی اور ذاتی حق کی بات آتی ہے اور خود اپنی زندگی کا معاملہ درپیش ہوتا ہے، یعنی جب آپ ابن ملجم مرادی خارجی جیسے ظالم، شقی کی تلوار سے شدید زخمی ہو کر اپنی حیات کے آخری لمحات سے گزرتے نظر آتے ہیں، اس وقت اپنے فرزند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: دیکھو میرے بعد مسلمانوں کے خون سے اپنے ہاتھ آلودہ نہ کرنا اور میرے قتل کے بعد دوسرے افراد کو اس سازش کے شرکاء کی حیثیت سے قتل نہ کر ڈالنا۔ میرا قاتل صرف ایک شخص ہے اور وہ ابن ملجم مرادی ہے۔ قصاص کے حکم (النفس بالنفس) کو صرف اسی کے اوپر جاری کرنا اور دوسروں سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

لا الفينكم تخوضون فى دماء المسلمين خوضاً تقولون قتل امير المومنين

الا لا تقتلن بی الا قاتلی ..." (باب خطوط، نمبر ۴۷، وصیت امام)

انفرادی و اجتماعی مسائل کو اس انداز میں حل کرنا عالمی سیاست کی تاریخ میں نہ صرف بے نظیر ہے بلکہ تصور کی حدوں سے بھی بالاتر ہے۔ لیکن جہاں فکر کا مرکز و محور اللہ ہو افراد اور معاشرہ کی زندگی کا فلسفہ ہی یہ ہو کہ یہ حیات، اللہ اور اس کے ستم رسیدہ بندوں کی خدمت کے لئے ہے، تو اس صورت میں ہر چیز نہ صرف قابل قبول ہے بلکہ عملی بھی ہے۔

عمومی حقوق کی حفاظت

امام دوسرے مقامات پر حکومت کے اغراض و مقاصد کو مزید تفصیل کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ مثلاً خوارج کے سلسلہ میں امام کا ارشاد جسے ہم گزشتہ بحث میں حکومت کی ضرورت کے تحت ذکر کر آئے ہیں، اس میں حکومت کے اہداف و مقاصد کو یوں بیان فرماتے ہیں:

وانہ لابد للناس من امیر برّ او فاجر یعمل فی امرتہ المومن ویستمتع فیھا الکافر ویبلغ اللہ فیھا الاجل و یجمع بہ الفیئ ویقاتل بہ العدو، وتأمن بہ السبل ویخذ بہ للضعیف من القوی حتی یستریح برّ و یستراح من فاجر۔

(خطبہ نمبر ۴۰)

امام کے اس کلام کی توضیح، حکومت کی ضرورت کے تحت ذکر کی جاچکی ہے۔ یہاں ہم صرف حکومت کے مقاصد کو مختصر طور پر بیان کرتے ہیں:

الف) مومنین اور صالح بندوں کو عملی آزادی (تاکہ مومن طبقہ رشد و کمال کی منزلیں طے کرے)

ب) عمومی امن و امان کا قیام۔ یہاں تک کہ کفار بھی آزاد رہیں۔

ج) جنگی غنائم اور عمومی آمدنی کی جمع آوری اور اس کا صحیح مصرف۔

د) خدا اور خلق خدا کے دشمنوں کی سرکوبی۔

ھ) چوروں اور ڈاکوؤں سے راستوں کا تحفظ۔

و) طاقتور اور ظالم افراد کے مقابلہ میں کمزور افراد کی مدد اور ان کی حمایت۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

ھٰذا ما امر بہ عبد اللہ علی امیر المؤمنین، مالک ابن الحارث الاشتر فی عھدہ الیہ حین ولّاہ مصر جبایۃ خراجھا وجہاد عدوھا واستصلاح اھلھا وعمارۃ بلادھا۔

(خط نمبر ۵۳)

"یہ فرمان بندۂ خدا مومنین کے فرمانروا علیؑ کا ہے جو آپ نے مالک اشتر کو مصر کا حاکم بناتے ہوئے عہد نامہ کی شکل میں ان کے حوالہ کیا تھا۔ تاکہ وہ ٹیکس اور عمومی آمدنیاں جمع کرکے دشمنوں اور باغیوں سے جنگ کریں، اس کے لوگوں کی اصلاح اور آسائش فراہم کریں اور اس علاقہ کی بستیوں کو آباد کریں۔"

ساتھ ہی آپ اسی عہد نامہ میں تمام ضروری ہدایات اور کامل احکام و قوانین تحریر فرماتے ہیں جو حکام کے لئے بہترین نمونۂ عمل اور اسلامی حاکمیت کا اعلیٰ ترین منشور ہے۔

جنگی و سیاسی اقدامات کا مقصد

مخالفین کے خلاف امامؑ کے جنگی اور سیاسی اقدامات کی اساس و بنیاد بھی یہی ہے۔ حاکمیت کے مسئلہ پر امام نے اپنے ایک کلام میں قرآن حکیم اور سنت رسولؐ کو بنیاد بناتے ہوئے امت کی اصلاح و فلاح کو حکومت کا محور قرار دیا ہے۔ چنانچہ اسی کلام کے ضمن میں آپ اپنے اصحاب کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

استعدّوا للمسیر الی قوم حیاری عن الحق لا یبصرونہ وموزعین بالجور لا یعدلون بہ جفاۃ عن الکتاب

نکب عن الطریق" (کتب ۱۲۵)

"ان لوگوں کی طرف جنگ کے لئے چل پڑنے کو آمادہ ہوجاؤ جو حق سے بیگانہ ہوگئے ہیں اور اسے نہیں دیکھتے۔ ظلم و فساد میں مست ہوگئے ہیں اور اس سے دست بردار ہونے کو تیار نہیں ہیں۔ کتاب خدا سے دور اور صراط مستقیم سے منحرف ہوگئے ہیں۔"

حق اور عدل حکومت کے وہ محور ہیں جو کتاب خدا اور صراط مستقیم میں درخشاں ہیں کوئی بھی حکومت اسی وقت تک شرعی حیثیت کی حامل ہوسکتی ہے جب وہ ان بنیادی امور کی پابند رہے۔ لہٰذا وہ عناصر جو حق سے بغاوت کرکے ان مقاصد کو پس پشت ڈال دیں ان سے اس وقت تک جنگ کرنا لازمی و ضروری ہے جب تک وہ اللہ کی راہ پر پلٹ نہ آئیں اور قرآن کے حکم کے آگے گردنیں نہ جھکا دیں تاکہ حق و عدل پھر سے قائم ہوسکے۔ یہی اہداف و مقاصد مختلف حالات کے تحت جنگ اور صلح کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ امام نے اپنے اس ارشاد میں سیاسی رہبروں اور حکام کو ایک مستقل اور مثالی درس دیا ہے۔

آئندہ بحثوں میں ہم حکومت کے دوسرے اغراض و مقاصد کا تذکرہ بھی کریں گے۔

حاکمیت اور اس کی بنیاد

اسلامی نظام حکومت و سیاست میں حاکمیت کا حق کس کو دیا گیا ہے؟ اور اس کی بنیاد کیا ہے؟ یہ بحث اس باب کی اہم ترین بحث ہے۔ اسلامی مصادر و مآخذ اس سلسلے میں واضح طور پر پوری رہنمائی کرتے ہیں، جو کتاب خدا اور سنت رسول اکرمؐ کی روشنی میں واضح طور پر مشاہدہ کئے جاسکتے ہیں۔

اسلام ایک آسمانی مکتب فکر ہونے کی حیثیت سے انسان و کائنات کے تمام اعمال و حرکات خدا کے اختیار و ارادہ کے تحت دیکھتا اور جانتا ہے۔ حاکمیت کا مسئلہ بھی اس کلی قاعدہ سے الگ نہیں چنانچہ اسلام کی نگاہ میں حکومت صرف خدا اور اس کے منتخب بندوں میں منحصر ہے۔

قرآن کریم نے متعدد جملوں اور تعبیروں میں اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ مثلاً "ان الحکم الا للّٰہ" "لہ الحکم" "اللّٰہ یحکم بین عبادہ" ان جملوں سے صاف ظاہر ہے کہ "حاکمیت" اور "حکومت" صرف اللہ کے لئے ہے کسی اور کے لئے نہیں۔ وہی ہے جو اختلاف کے موقعوں پر بندوں کے درمیان داوری کرتا ہے۔ اسی لئے اس نے انبیاء و اولیاء کو اپنی طرف سے حاکمیت کی برقراری کا ذمہ دار بنایا اور لوگوں پر ان کی پیروی و اطاعت واجب قرار دی ہے۔

انما کان قول المومنین اذا دعوا الی اللّٰہ ورسولہ لیحکم بینھم ان یقولوا سمعنا و اطعنا"

(سورۂ نور، آیت نمبر ۵۱)

اہل ایمان تو یہی کہتے ہیں کہ جب ان کو خدا اور اس کے رسولؐ کی طرف باہمی فیصلوں کیلئے دعوت دی جاتی ہے تو وہ اسے تسلیم کرتے ہوئے کہتے ہیں، ہم نے سنا اور دل سے مان لیا۔

یہ حقیقت قرآن مجید میں بہت سی جگہوں پر مشاہدہ کی جا سکتی ہے اور پیغمبر اسلامؐ کے اقوال اور ان کی سیرت طیبہ بھی اس کی گواہ ہے۔

اسی طرح ائمہ معصومینؑ سے مروی بے شمار اقوال و ارشادات میں بھی یہ مطلب واضح طور نظر آتا ہے لیکن چونکہ ہماری گفتگو کا محور نہج البلاغہ کے سیاسی مباحث ہیں۔ اس لئے ہم صرف حضرت علیؑ کے اقوال کے چند نمونے پیش کرتے ہیں:

"انہ لیس علی الامام الا ما حمّل من امر ربہ، الابلاغ فی الموعظۃ، والاجتہاد فی النصیحۃ والاحیاء للسنۃ واقامۃ الحدود علی مستحقیھا، واصدار السھمان علی اھلھا"

(خطبہ نمبر ۱۰۵)

امام کی ذمہ داری بس اتنی ہے کہ جن امور کی ادائیگی کے لئے خدا کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے، اسے انجام دے۔ یعنی وعظ و نصیحت کے ذریعے تبلیغ اور اس کیلئے جد و جہد کرے سنتوں کا احیاء اور حسب ضرورت حدود و قوانین کا اجراء کرے۔

دیت المال سے) لوگوں کے حقوق کی ادائگی کرے۔

یہاں جو امور حکومت کے وظائف و فرائض کے طور پر بیان کئے گئے ہیں۔ یہ وہ فرائض ہیں جو امام کے دوش پر ایک الٰہی فریضہ اور ذمہ داری کے عنوان سے عائد کئے گئے ہیں۔ ان ہی فرائض سے متعلق کچھ فرعی احکام وضوابط بھی ہیں جن کی تشریح شریعت میں کی جا چکی ہے۔ اور بنیادی طور پر ایک تسلیم شدہ اصل کی حیثیت سے، جسے امامؑ نے دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے، مخلوق کی اطاعت، صرف خدا کی اطاعت کے پرتو میں ہی جائز قرار دی گئی ہے۔ کیونکہ خالق کی معصیت و نافرمانی کی منزل میں مخلوق کی اطاعت بہرحال غلط بھی ہے اور موجب عقاب و سزا بھی۔

"لا طاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق"

(کلمات قصار، کلمہ نمبر ۱۶۵)

خالق کی معصیت و نافرمانی کی صورت میں مخلوق کی اطاعت کسی طرح بھی جائز و درست نہیں۔

شیطانی سیاستیں

حضرت علیؑ کی نگاہ میں وہ لوگ جو اجتماعی نظام میں خدا کے منشاء و ارادہ کے خلاف عمل کرتے ہیں وہ درحقیقت ایک طرح کا شرک کرتے ہیں اور شیطان کو اپنی سیاست کا محور قرار دیتے ہیں، چنانچہ آپ اپنے ایک خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

"اتخذوا الشیطان لامرھم ملاکاً، واتخذھم لہ اشراکاً، فباض وفرخ فی صدورھم، ودب ودرج فی حجورھم، فنظر باعینھم، ونطق بالسنتھم، فرکب بھم الزلل وزین لھم الخطل، فعل من قد شرکہ الشیطان فی سلطانہ ونطق بالباطل علی لسانہ!"

(خطبہ نمبر ۷)

انہوں نے شیطان کو اپنے اعمال کے لئے معیار و نمونہ بنا لیا (اور) شیطان نے انہیں

دھوکا دیکر اپنے مقاصد کے لئے آلہ کار بنا لیا۔ نتیجۃً اس نے ان کے سینوں میں گھونسلے بنا کر انڈے بچے دیئے اور ان ہی کے دامن میں پلا بڑھا۔ پھر وہ ان کی ہی نگاہوں سے دیکھنے اور ان کی ہی زبانوں سے بولنے لگا اور انھیں گمراہیوں میں کھینچ لے گیا، اس نے برائیوں کو ان کے سامنے خوشنما بنا کر پیش کیا۔ یہ ہے اس شخص کا انجام جس کے تسلط و اقتدار میں شیطان شریک ہو گیا اور اسی کی زبان سے ہی باطل گفتگو کرنے لگا۔"

اسی طرح ایک اور خطبہ میں اس گروہ کی مذمت کرتے ہوئے اسے شیطانی ٹولہ اور شیطانی فوج سے تعبیر کیا ہے۔

"الا وان الشیطان قد جمع حزبہ واستجلب خیلہ ورجلہ"

(خطبہ نمبر ۱۰)

ہوشیار ہو جاؤ کہ شیطان نے اپنا گروہ اکٹھا کر لیا اور اپنے سوار اور پیادے آمادہ کر لئے ہیں۔

ایک خطبہ میں امام گروہ "ناکثین" کے بارہ میں جو امام کی بیعت توڑ کر طلحہ و زبیر کے بھڑکانے سے امام اور خلیفہ وقت کے مقابل جنگ کو اٹھ کھڑے ہوئے تھے، فرماتے ہیں:۔

"الا وان الشیطان قد ذمر حزبہ واستجلب جلبہ لیعود الجور الی اوطانہ ویرجع الباطل الی نصابہ، واللہ ما انکروا علیّ منکراً ولا جعلوا بینی وبینہم نصفاً"

(خطبہ نمبر ۲۲)

ہوشیار رہو کہ شیطان نے اپنے گروہ کو بھڑکا کر فوجیں اکٹھا کر لی ہیں تاکہ ظلم و ستم کا راج دوبارہ پلٹ آئے اور باطل پھر اپنی پیدائش کی طرف رجوع کرے۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے مجھ سے کوئی غلط بات نہیں دیکھی (اس پر بھی) میرے ساتھ انصاف سے کام نہیں لیا۔

اس کے بعد آپ نے مخالفین کے ہاتھوں عثمان کے قتل کی سازش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے امور حکومت میں اپنے دشمنوں کی رخنہ اندازیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ جو فی الحال ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

باغیانہ سیاست

ایک مقام پر مسلمانوں کے آئندہ حالات وکیفیات کا ذکر کرتے ہوئے کہ (ایسا دور بھی آنے والا ہے) جب حق، باطل کی صورت اختیار کرے گا۔ خدا اور رسولؐ پر جھوٹ اور بہتان رائج ہو جائے گا۔ اللہ کی کتاب فراموشی و تحریف کی نذر ہو جائے گی۔ اچھائیاں برائیوں میں اور برائیاں اچھائیوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ آپ اس زمانہ کے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فاجتمع القوم على الفرقة، وافترقوا على الجماعة كانهم ائمة الكتاب وليس الكتاب امامهم! فلم يبق عندهم منه الا اسمه ولا يعرفون الا خطه وزبره"

(خطبہ نمبر ۱۴۷)

سب کے سب اختلاف پر متحد اور اتحاد و اتفاق میں اختلاف کریں گے۔ گویا وہ لوگ کتاب خدا کے رہبر اور امام ہیں۔ کتاب خدا ان کی رہنما نہیں ہے! چنانچہ وہ کتاب خدا کے بارہ میں اس کے نام اور خط تحریر و نگارش کے علاوہ کچھ بھی نہ جانتے ہوں گے۔

حکومت کا قانونی سرچشمہ

اصولی طور پر ایک ابتدائی تقسیم کے تحت اسلامی معاشرہ میں دو طرح کی حکومتوں کا تصور ممکن ہے، ایک الٰہی حکومت، جس کی بنیاد کتاب خدا، قوانین الٰہی اور قسط و عدل پر قائم

ہے ۔ اور دوسری وہ حکومت جو ابلیسی اقتدار، استکباری ذہنیت اور جاہ طلبی پر استوار ہے جس کا محور ہوس پرستی، فساد، بدعت و خیانت کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے اس علیؑ کی نظر میں، جو انبیاء کرام کا جانشین، بذات خود ۔ قرآن ناطق، اسلام کی بولتی تصویر خلافت الٰہیہ کا بے مثل نمونہ، ہوائے نفسانی سے پاک و منزہ، خدا کی ذات میں سراپا مستغرق ہو جو حکومت ہوگی وہ بھی صحیح معنوں میں شرعی و انسانی اقدار کی حامل ہوگی اور فطری طور پر اس حکومت کا محور و مرکز بھی کتاب خدا اور سنت رسول اللہ ہوگا ۔ یہی وہ بنیاد ہے جس پر آپ قائم رہے اور اسی کے تحت عمل کرتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کے مطابق عمل کی تاکید فرماتے رہے ۔

جب لوگوں نے آپ کی خلافت تسلیم کر کے آپ کی بیعت کر لی تو اس کے بعد آپ نے ایک خطبہ میں خلافت اور اس کے بنیادی محور سے متعلق اپنے نظریات کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :-

واللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ، ولا فی الولایۃ اربۃ، ولکنکم دعوتمونی الیہا، وحملتمونی علیہا، فلما افضت الی، نظرت الی کتاب اللہ و ما وضع لنا، وامرنا بالحکم فیہ فاتبعتہ، وما استن النبیؐ فاقتدیتہ ۔

(خطبہ نمبر ۲۰۵)

خدا کی قسم میرے لئے خلافت میں نہ تو کوئی دلکشی تھی اور نہ ہی ولایت و حکومت کا متمنی و خواہشمند تھا لیکن تم لوگوں نے مجھے اس کی دعوت دی اور اس کے لئے مجبور کیا ۔ چنانچہ جب یہ (خلافت) مجھ تک پہنچ ہی گئی تو میں نے اللہ کی کتاب اور اس کی مقرر کردہ ذمہ داریوں پر نظر ڈالی اور جن بنیادوں پر اس نے احکام جاری کئے ہیں، ان کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے انکی پیروی کی اور پیغمبر اسلام کی سنت و سیرت کو اپنے لئے نمونۂ عمل قرار دیا ۔

سیاسی اختلافات کے حل کی بنیاد

حکمیت کا مسئلہ جو حضرت علیؑ اور معاویہ کے درمیان پیش آنے والے سیاسی مسائل میں شاید سب سے زیادہ حساس سیاسی مسئلہ تھا۔ جب آپ نے حکمیت کا نتیجہ اس نا مطلوب انداز میں ظاہر ہوتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:۔

انا لم نحکم الرجال و انما حکمنا القرآن

(خطبہ نمبر ۱۲۵)

ہم نے حکمیت کو لوگوں کے ہاتھ میں نہیں سونپا ہے۔ بلکہ قرآن کو حکم قرار دیا ہے۔

اس کے بعد اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ قرآن تفسیر و توضیح کا محتاج ہے اور کسی بھی طرح کے اختلاف کی صورت میں دفع اختلاف کے لئے کتاب خدا اور سنت رسولؐ ہی معیار حل ہے۔ آپ نے تاکید کے ساتھ اس نکتہ پر زور دیا کہ، اس امر کے لئے ہم ہی سب سے زیادہ سزاوار، کتاب خدا سے سب سے زیادہ واقف اور سنت رسولؐ کے سب سے زیادہ پابند ہیں۔ لہٰذا قرآن کی جو بھی تفسیر و تطبیق کی جائے اس کی صحت و مطابقت کا تشخص کرنا ہمارے ہی ہاتھ میں ہے نہ کہ کسی اور کے ہاتھ میں۔

ایک دوسرے خطبہ کے دوران "ابو موسیٰ اشعری" اور "عمرو ابن عاص" کے درمیان طے پانے والی حکمیت، جو ان کے مکر و حیلہ کے ذریعے سارے حالات معاویہ کے زیر تسلط آجانے پر منتج ہوئی اس کی رد و مخالفت کرتے ہوئے امامؑ فرماتے ہیں:۔

"فانما حُکِّمَ الحکمان لیحییا ما احیا القرآن و یمیتا ما امات القرآن و احیاشہ الاجتماع علیہ و اماتتہ الافتراق عنہ، فان جرّنا القرآن الیہم اتبعناہم و ان جرّہم الینا اتبعونا۔"

(خطبہ نمبر ۱۲۷)

"یہ دونوں حَکَم (ابوموسیٰ اشعری اور عمرو عاص) تو اس لئے منتخب کئے گئے تھے کہ جن چیزوں کو قرآن نے زندہ کیا ہے انھیں زندہ رکھیں اور جنھیں قرآن نے مردہ قرار دیا ہے انھیں مردہ قرار دیں، اور قرآن کے زندہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سب اس کے سامنے تسلیم خم کرنے پر متحد و متفق ہو جائیں۔ اور قرآن کے مردہ کر دینے کا مطلب یہ ہے کہ اس سے جدائی اختیار کر کے تفرقہ کی راہ اختیار کر لی جائے۔ اب اگر قرآن ہمیں ان لوگوں (گروہ مقابل) کی طرف کھینچے تو ہم ان کی اطاعت کر لیں اور اگر قرآن ان کو ہماری اطاعت کا حکم دے تو ان کو ہماری پیروی کرنی چاہئے۔"

امامؑ اپنے اس کلام میں بلا کسی تعصب کے صرف حقیقت بینی سے کام لیتے ہوئے لوگوں کو خبردار کرتے ہیں کہ: لوگ علیؑ و معاویہ اور اصحاب علیؑ اور معاویہ کی روش کا پہلے جائزہ لیں۔ اس کے بعد فیصلہ کریں کہ وہ کون سے افراد ہیں جو قرآن کی بنیاد پر عمل کرتے ہیں اور جن کے کردار پیغمبرؐ کی سیرت طیبہ سے میل کھاتے ہیں اور پھر ایک فیصلہ کن راہ کا انتخاب کریں۔

اسلامی اقدار کا تحفظ حکومت کا فریضہ

اسلامی تہذیب و ثقافت، قرآن و سنت کی اطاعت اور اللہ کے نیک بندوں کی رائج کردہ اچھی اور پاکیزہ رسم و رواج کا تحفظ ایسی چیزیں ہیں جن کا امام خاص اہتمام فرماتے تھے اور نہ فقط آپ ان صفات کا بہترین محور تھے بلکہ جب آپؑ اپنے نمائندوں کو مختلف شہروں میں گورنر یا امیر کی حیثیت سے روانہ فرماتے تھے تو انھیں ان امور کی انجام دہی کی سخت تاکید فرماتے تھے۔ چنانچہ اس سلسلے میں "مالک اشتر" کے نام اپنے عہد نامہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں:-

ولا تنقض سنۃً صالحۃً عمل بہا صدور ہذہ الامۃ واجتمعت بہا الالفۃ وصلحت علیہا الرعیۃ ولا تحدثن سنۃً تضر بشیء من ماضی تلک السنن

فیکون الاجر لمن سنّها والوزر علیک بما نقضت منها۔"

(خطبہ نمبر ۵۳)

"دیکھوان اچھی رسموں کو نہ توڑنا جو اس امت کے رہبروں اور بزرگوں نے رائج کی ہیں اور جو لوگوں کے اتحاد والفت اور اصلاح کا سبب بنی ہیں اور ایسی غلط رسوم کو جاری نہ کرنا جو گزشتہ کی نیک سنتوں کو نقصان وضرر پہنچائیں کیونکہ ان اچھی رسموں کے رائج کرنے والوں کے لئے نیک جزائیں ہیں اور اگر تم نے انھیں پامال کیا تو گناہ گار ہوگے۔

امامؑ اسی خط میں دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

واردد الی اللہ مایضلعک من الخطوب ویشتبہ علیک من الامور، فقد قال اللہ تعالیٰ لقوم احب ارشادھم "یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول" فالرد الی اللہ: الاخذ بمحکم کتابہ والرد الی الرسول: الاخذ بسنتہ الجامعۃ غیر المفرقۃ

(خطبہ نمبر ۵۳)

اے مالک، جب بھی ایسی مشکلیں تمہیں درپیش ہوں جن کا حل نہ مل سکے یا کوئی امر تمہارے اوپر مشتبہ ہو جائے تو اسے خدا اور اس کے رسول کے حوالہ کر دو، کیونکہ خدا جنکی ہدایت کرنا پسند کرتا ہے، ان کے لئے فرما چکا ہے کہ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اور ان کی اطاعت کرو جو تم میں صاحبان امر ہوں۔ پس اگر تم کسی امر میں نزاع اور اختلاف کا شکار ہو جاؤ تو اس میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب اس کی کتاب کی محکم وروشن آیتوں پر عمل کرنا ہے اور رسولؐ کی جانب رجوع کا مطلب

آپ کے متفق علیہ ارشادات اور واضح سیرت پر چلنا ہے۔"

مختصر یہ کہ: امام کے مکتب فکر میں، جو ہر طرح کی تحریف و بدعت سے عاری حقیقی اسلام پیش کرتا ہے، حکومت کی بنیاد، قانون کا وضع کیا جانا، سیاست کا ڈھانچہ معاشرہ کے حقوق، سیاسی، جنگی، علمی اور ثقافتی نظام اور انسانی زندگی کے دوسرے مسائل ان سب کا بنیادی محور اللہ کی کتاب اور سنت رسول اکرمؐ ہے۔ اور جس طرح ایک اجتماعی نظام میں فطری طور پر رونما ہونے والے باہمی اختلافات اور شکوک و شبہات کو حل کرنے کے لئے آخری فیصلہ کے طور پر کتاب خدا اور سنت رسولؐ کی طرف رجوع کرتے ہیں یوں ہی یہ کتاب و سنت تمام منحرف راہوں اور غیر شرعی فیصلوں کو محور حق سے دور کر کے اسلام کی اصل راہوں کو استقرار و استحکام عطا کر دیتی ہیں۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کی طرف امام علیہ السلام نے اپنے آخر کلام میں تاکید فرمائی ہے۔

تیسرا باب

حکومت کی قانونی حیثیت

اب یہ مسئلہ زیر بحث ہے کہ ان بنیادوں کی تحقیق وچھان بین کی جائے جن پر حکومت قائم اور استوار ہوتی ہے یعنی وہ چیزیں جن کے ذریعہ حکومت کو قانونی حیثیت ملتی ہے اور جو اسلامی فقہ و نقافت کی بنیاد پر حکومت کے اصولی ترین شرعی، منطقی اور قانونی پایے ہیں۔

اس مختصر سی بحث میں اجمالی طور پر تحقیق سے کام لیتے ہوئے ہم حضرت علیؑ کے کلام سے کچھ نمونے پیش کریں گے۔ ہم پہلے اشارہ کر چکے ہیں کہ اسلام کے حیاتی و حقوقی مسائل کی طرح معاشرہ کے اجتماعی وسیاسی مسائل میں بھی قانون کا اصل منبع و سرچشمہ خداوند عالم کی ہی ذات گرامی ہے! اسی کے معین کردہ قوانین انبیاء کرامؑ کے ذریعہ پہنچائے گئے ہیں اور ائمہ معصومینؑ کے ذریعہ ان کی وضاحت وتشریح کی گئی ہے۔ اب یہاں اس کی ایک ہلکی سی وضاحت کئے دیتے ہیں۔ حاکمیت صرف خدا کا حق ہے اور سوائے اس کے کوئی اور حاکمیت کا سزاوار نہیں۔ مگر یہ کہ وہ افراد جو خدا کی مرضی اور اس کی ہدایت کے بموجب رہبری وحکومت کے لئے منتخب کئے گئے ہوں۔ ظاہری بات ہے، جیساکہ قرآن نے صراحت کی ہے انبیاء کرامؑ وہ اولین اشخاص ہیں جو خلافت الٰہیہ کے عہدہ پر فائز ہوئے اور عدل وانصاف قائم کرنے نیز خلق خدا کے حقوق اور حدود الٰہیہ کی حفاظت و پاسداری کے لئے منتخب ہوئے۔ اور یہ امر بھی مسلم و فطری ہے کہ پیغمبر اکرمؐ کے بعد اس ذمہ داری کو سنبھالنے اور امت کی امامت ورہبری کرنے کے لئے ان لوگوں کو اولویت دی جائے گی جنہیں خود پیغمبر اکرمؐ نے منصوص و معین

فرمایا ہو۔ اس فرض کی موجودگی میں (یعنی نص و وصایت کے ذریعہ خود پیغمبرؐ نے اس سلسلہ میں تشریح و صراحت فرمائی ہو اور اپنے اوصیاء و جانشین معین و مقرر فرمائے ہوں) کسی بھی اجتہاد، شوریٰ، بیعت یا دوسرے مفروضہ طریقوں کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔ "نص و وصایت" بہرحال سب پر مقدم ہے۔ ہاں اس کے بعد عمومی طور سے لوگوں کی بیعت اس سلسلہ میں پیغمبرؐ کے ارشاد اور ان کی نص کو تسلیم کرنے اور اس میں مزید تاکید پیدا ہونے کا سبب تو ہوگی۔ اس بیعت کو کوئی بنیادی حیثیت حاصل نہ ہوگی جس طرح پیغمبر اسلامؐ کے ہاتھوں پر لوگوں کی بیعت کا اصل مطلب ارادۂ خدا کا تسلیم کرنا ہے۔ اس بیعت سے پیغمبر کی حیثیت صلاحیت اور رہبری و حاکمیت میں کوئی تاثیر پیدا نہ ہوگی۔

اور اگر پیغمبر یا اس کے منصوص وصی کی جانب سے کوئی نص و وصایت موجود نہ ہو تو اس صورت میں لوگوں کی بیعت یا ارباب حل و عقد کا فیصلہ و مشورہ موثر کردار ادا کرتا ہے اور خلیفہ و حاکم کو قانونی حیثیت بخش دیتا ہے۔

مذکورہ بالا طریقوں کے علاوہ عالمی سیاست کی سطح پر جاری طریقوں مثلاً غلبہ و تسلط، زور آزمائی، جنگ و جدال فوجی بغاوت اور خاندانی وراثت وغیرہ کی اسلامی منطق میں نہ تو کوئی حیثیت ہے اور نہ ہی اسلام ایسی حکومتوں کو شرعی و قانونی حکومت سمجھتا ہے۔

وصایت، بیعت اور شوریٰ سے متعلق تفصیلی بحث کے لئے طویل مقالات اور ضخیم کتابیں درکار ہیں۔ لیکن چونکہ یہاں ہماری بحث کا محور ان مسائل سے متعلق حضرت علیؑ کے نظریات کا اظہار ہے لہٰذا ہم آپؑ ہی کے اقوال و ارشاد پر اکتفا کرتے ہیں۔

انتخاب کی بنیاد

سب سے پہلے اس بنیادی نکتہ کو فراموش نہ کرنا چاہئے کہ چاہے جس صورت اور جس روش کے مطابق امام و خلیفہ کا انتخاب یا حاکم کا تعین کیا جائے، اسمیں اس شخص کی ذاتی صلاحیت و لیاقت ایمانی حالات اور علمی، اخلاقی، عملی و سیاسی عظمت ہی انتخاب کی بنیاد ہے۔ حتیٰ اگر خدا بھی کسی کو منتخب و معین فرماتا ہے تو اس انتخاب کی بنیاد بھی منتخب افراد کا علم و حکمت اور ان کی ذاتی

صلاحیتیں ہیں۔ نہ کہ انتخاب مصلحت سے سراسر عاری اس مغالطہ و دھوکہ دھڑی کی بنیاد پر ہو کہ "ہر عیب کہ سلطان بپسندد ہنرانست" کی نوبت پیش آئے۔

خلافت الٰہی، الٰہی امانت ہے جو "ظالم و جاہل" انسانوں کو نصیب نہیں ہوتی کیونکہ اس کا نتیجہ سوائے انسانیت کی تباہی کے کچھ اور برآمد نہیں ہوتا۔

حضرت علیؑ نہج البلاغہ میں مختلف مقامات پر اس حقیقت کی وضاحت فرماتے ہیں:۔

فاعلم ان افضل عباد اللہ عند اللہ امام عادل ہُدِیَ وہدیٰ، فاقام سنۃ معلومۃ، وامات بدعۃ مجہولۃ، وان السنن لنیرۃ، لہا اعلام، وان البدع لظاہرۃ، لہا اعلام، وان شر الناس عند اللہ امام جائر ضَلَّ وضُلَّ بہ، فامات سنۃ مأخوذۃ واحیا بدعۃ متروکۃ وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یقول، یؤتیٰ یوم القیامۃ بالامام الجائر ولیس معہ نصیر ولا عاذر فیلقیٰ فی نار جہنم، فیدور فیہا کما تدور الرحیٰ ثم یرتبط (خطبہ نمبر ۱۶۲)

جان لو کہ خدا کی نگاہ میں بہترین بندہ وہ حاکم عادل ہے جو خود ہدایت یافتہ ہو اور دوسروں کی ہدایت کرے۔ اچھی سنتوں کو زندہ کرے۔ اور جاہلانہ بدعتوں کو نیست و نابود کرے۔ یقیناً سنتیں روشن اور ان کی علامتیں مشخص ہیں جس طرح بدعتیں ظاہر اور ان کی پہچان نمایاں ہے۔ اور اللہ کی نظر میں بدترین شخص، وہ ظالم و جابر حاکم ہے جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ مستند اور معروف سنتوں کو فنا کرتا ہے اور متروکہ بدعتوں کو زندہ کرتا ہے۔ میں نے خود رسول خدا سے سنا ہے۔ آپ فرماتے تھے کہ قیامت میں ظالم حاکم اس طرح لایا جائے گا کہ نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا نہ کوئی شفیع، پھر اسے جہنم میں لٹکا دیا جائے گا اور وہ اسمیں یوں چکر کھائے گا جیسے چکی گھومتی ہے پھر اسے جہنم کی گہرائیوں میں جھونک دیا جائے گا۔

امام اپنے اس بیان میں دو باتوں کی جانب متوجہ فرماتے ہیں،

ایک یہ کہ: قوانین و احکام اور سیاسی پیرائے ان الٰہی سنتوں سے نشو نما پاتے ہیں جو انبیاء کے ذریعہ بیان ہوئی ہیں اور ان کے آثار و علائم بھی یوں ظاہر و مشخص ہو چکے ہیں کہ اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔

دوسرے یہ کہ: قانونی حاکم کو ان معیاروں پر پہچانا جا سکتا ہے: ہدایت، عدالت، سنتوں

کی محافظت اور بدعتوں سے ٹکراؤ اور ان کا قلع قمع کرنا، یہی صفات ایک حاکم کو قانونی حیثیت عطا کرنے کا بنیادی محور ہیں۔ ایک دوسرے خطبہ میں حضرتؑ منصب خلافت پر فائز ہونے والوں کے لئے ان کی بعض صلاحیتوں اور لیاقتوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایہا الناس، ان احق الناس بہذا الامر اقواھم علیہ واعلمھم بامر اللہ فیہ فان شغب شاغب استعتب فان ابی قوتل (خطبہ ۱۷۳)

اے لوگو! تم میں اس منصب خلافت کا سب سے زیادہ حقدار وہ شخص ہے جو اس عظیم بار کو اٹھانے کی قدرت و توانائی رکھتا ہو اور اس منصب سے متعلق احکام و قوانین الہٰی کو سب سے بہتر جانتا اور سمجھتا ہو۔ اب اگر کوئی ایسے رہبر کے مقابلہ میں فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش کرے تو پہلے اسے لوگ حق کی پیروی پر مجبور کریں اور اگر وہ اسے قبول نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے

نظم حکومت کی پالیسی

امامؑ کے مندرجہ بالا ارشاد میں حکومت چلانے اور نظم و نسق قائم رکھنے کے لئے دو بنیادی اصولوں پر تکیہ کیا گیا ہے۔ ایک نظام حکومت کے لئے قوت و صلاحیت دوسرے حکومت سے متعلق قوانین کا علم۔ قرآن کریم میں بھی مختلف مقامات پر ان ہی اصولوں کا ذکر ملتا ہے چنانچہ طالوت کے واقعہ میں جسے خداوند عالم نے ایک قوی و توانا حاکم و سردار کی حیثیت سے بنی اسرائیل کی نجات کے لئے بھیجا تھا۔ قرآن کے پیغمبر (جناب شموئیل) کی زبانی یوں فرماتا ہے:۔

ان اللہ اصطفاہ علیکم وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم (سورۂ بقرہ / آیت نمبر ۲۴۷)

یعنی خداوند عالم نے اس (طالوت) کو تم لوگوں کے درمیان منتخب فرمایا اور اس کی علمی صلاحیت و جسمانی قوت میں اضافہ فرما دیا ہے۔

اور سورۂ یوسف میں "علم و قوت" کے بجائے "علم و امانت داری" کو حاکمیت کے لئے بنیادی صلاحیت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ خدا کا سچا نبی یوسفؑ مصر کے حاکم سے فرمائش کرتا ہے کہ اس قحط زدہ ملک کے خزانے ان کے سپرد کر دیئے جائیں کیونکہ مجھ میں دو ایسی صفتیں "علم و امانتداری" ہیں جن کی بنا پر

پر میں اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دوں گا۔

"قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم"

(آیت : ۵۵)

(حضرت یوسفؑ نے) کہا مجھے ملک کے خزانہ دار بنادے۔ کیونکہ میں خزانہ کی حفاظت اور مصارف سے واقف ہوں۔

قرآن حکیم میں دوسرے مقامات پر کچھ اور شرائط بھی ذکر ہوئے ہیں۔

سورۂ حدید میں انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد بتلاتے ہوئے "قسط" یعنی عدل کے قائم کرنے کا ذکر ہے جو "کتاب" یعنی قانون الٰہی اور "حدید" یعنی اسلحہ کی مدد سے ہی قائم ہو سکتا ہے:۔

لیقوم الناس بالقسط وانزلنا الحدید فیہ بأس شدید

(سورۂ حدید، آیت نمبر ۲۴)

گویا اسلحہ کی طاقت علم و کتاب کی معین و پشت پناہ ہے اور علم و تمدن کے ساتھ اسلحہ کا ذکر دونوں کی ہم آہنگی اور دونوں کی برابر ضرورت پر ایک تاکید ہے۔ ایک دوسری جگہ قرآن کریم حکومت کے اہل حاکموں اور رہبروں کا تذکرہ یوں فرماتا ہے:۔

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر (سورۂ حج / آیت نمبر ۴۱)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم نے ان کو روئے زمین پر تسلط عطا کر دیا تو (بھی) وہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ ادا کریں گے (لوگوں کو) نیک اعمال کا حکم دیں گے اور بری باتوں سے روکیں گے۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرہ کے قانونی و شرعی حاکم سے متعلق جن شرائط کو قرآن نے ذکر فرمایا ہے وہی امام کے کلام میں بھی موجود ہیں، اور یہ کوئی حیرت کی بات نہیں ہے کیونکہ کتاب خدا ہی امامؑ کے الہام کا منبع اور سرچشمہ ہے اور امام ہی کتاب خدا کا عملی مجسمہ ہے۔

نا اہل حکام

نہج البلاغہ میں جہاں حاکموں کے لئے بنیادی شرائط ذکر کئے گئے ہیں وہیں ان عوامل کا

ذکر بھی جو حکومتوں کو غیر قانونی اور بے صلاحیت قرار دیتے ہیں۔ امامؑ اس سلسلہ میں معاویہ کو لکھے گئے ایک خط میں امور شرع اور حقوق الناس میں اس کی بیباکانہ غلط کاریوں، تنگ آمیز رویوں نیز شیطان کے آگے بے چون وچرا سر تسلیم خم کرنے پر یوں فرماتے ہیں:

"متی کنتم یا معاویۃ! ساسۃ الرعیۃ وولاۃ امر الامۃ بغیر قدم سابق ولا شرف باسق ونعوذ باللہ من لزوم سوابق الشقاء واحذرک ان تکون متمادیا فی غرۃ الامنیۃ مختلف العلانیۃ والسریرۃ" (خط نمبر ۱۰)

"اے معاویہ، تو کہاں اور ملت کے امور کی نگرانی وحکمرانی کہاں؟! جب کہ دین سے متعلق نہ تیری پچھلی زندگی درخشاں اور تابناک ہے، نہ ہی تو کسی قابل ذکر شرف کا حامل ہے۔ خدا کی قسم ہم گزشتہ ناپاکی سے پناہ مانگتے ہیں اور میں تجھے خبردار کرتا ہوں کہ آرزوؤں کے غرور میں غوطہ زن نہ رہ اور نہ تیرا ظاہر باطن مختلف رہے۔"

امامؑ اس خط میں معاویہ کو سرزنش کرتے ہوئے پہلے تو اس کے شرمناک ماضی اور خاندان کی پستی کا ذکر فرماتے ہیں پھر حکومت کے امور میں اس کی ہوس پرستی اور اس کے ناقابل انکار، خودساختہ نفاق کو ظاہر کرتے ہیں جن سے اس بات کا بین ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ امت کے رہبر اور حاکم کی گزشتہ زندگی بھی روشن اور پاکیزہ ہونی چاہئے اور اسے نفاق و نفسانی ہوا و ہوس سے بھی دور رہنا چاہئے۔ بنابریں نفاق کی نقاب چہرہ پر ڈال کر امت وملت کے اقتدار پر قبضہ جمانے والے ایسے افراد کو جن کا ماضی سیاہ رہا ہو، قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنا عقلمندی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے فاسد عناصر آخر کار لوگوں کی تباہی و بربادی کا باعث بنتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کی قسمتوں کو تاریکیوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ جس کے بہت سے نمونے ماضی و حال کے آئینہ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔

حکام کی عدم صلاحیت کے اسباب

اپنے ایک خطبہ میں جہاں امامؑ نے اپنے ساتھیوں کی بے وفائی اور آپسی تفرقہ وجدائی کا شکوہ فرمایا ہے وہیں اپنے خلافت کو قبول کرنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے حکام کی

بے صلاحیتی کے عوامل بھی ذکر فرمائے ہیں۔

"وقد علمتم انه لا ینبغی ان یکون الوالی علی الفروج والدماء والمغانم والاحکام وامامة المسلمین البخیل فتکون فی اموالهم نهمته ولا الجاهل فیضلهم بجهله ولا الجافی فیقطعهم بجفائه ولا الحائف (یا) ولا الخائف للدول فیتخذ قوما دون قوم ولا المرتشی فی الحکم فیذهب بالحقوق ویقف بها دون المقاطع ولا المعطل للسنة فیهلک الامة"

(خطبہ نمبر ۱۳۱)

اور تم خود اچھی طرح جانتے ہو کہ ایسا شخص جو لوگوں کی جان، مال و آبرو اور دین کے احکام اور اس کے مقدسات پر حاکم و والی ہو اور مسلمانوں کی امامت و رہبری کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہو اسے بخیل نہیں ہونا چاہیئے کہ ... لوگوں کے اموال کو حرص و طمع کی نگاہوں سے دیکھے، جاہل نہیں ہونا چاہیئے کہ ... اپنی نادانی کے ذریعہ دوسروں کو بھی گمراہ کردے۔ ظالم و جفاکار نہیں ہونا چاہیئے کہ اپنے ظلم و ستم کے ذریعہ لوگوں سے رابطہ منقطع کرے اور غیر عادلانہ طور پر بیت المال کو برباد کرے (یا ڈرپوک نہ ہونا چاہیئے کہ بعض لوگوں کو بعض پر ترجیح دے) یا رشوت خور نہ ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کے حقوق پر غلط حکم لگائے اور پیسوں کی لالچ میں پڑکر صاحبان دولت کے آگے گھٹنے ٹیک دے۔ اور الٰہی سنتوں پر پابندی لگانے والا نہ ہو کہ کہیں امت کو ہلاکت و تباہی کے غار میں نہ ڈھکیل دے۔

حکومتوں کا نفاق

حضرتؑ کے مندرجہ بالا کلام میں ان مذموم اور تباہ کن خصلتوں مثلاً بخل، جہل، جفا، ظلم، بزدلی، رشوت خوری اور الٰہی سنتوں اور اسلامی احکام و شرع کی طرف سے لاابالی اور ان کی خلاف ورزیوں کا تذکرہ ہے جو محتاج وضاحت نہیں ہیں یہ خصلتیں اگر ایک حاکم میں پائی جائیں تو

امت نیست و نابود ہو کر رہ جائے۔ ایک دوسرے مقام پر اس سے بھی زیادہ واضح اور جامع عبارت میں آپ نے ایک عہد نامہ میں والی مصر "محمد ابن ابی بکر" کو ضروری رہنمائیاں کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے:۔

"فانه لا سواء امام الهدیٰ و امام الردیٰ، وولی النبی و عدو النبی، ولقد قال لی رسول الله صلی الله علیه وآله: انی لا اخاف علی امتی مومنا ولا مشرکا، اما المومن فیمنعه الله بایمانه واما المشرك فیقمعه الله بشرکه، ولکنی اخاف علیکم کل منافق الجنان عالم اللسان یقول ما تعرفون ویفعل ما تنکرون" (خط نمبر ٢٧)

بلاشبہ ہدایت کی طرف بلانے والے اور گمراہی کی جانب کھینچنے جانے والے دونوں پیشوا امام برابر نہیں ہو سکتے اور نہ نبی کا دوست اور ان کا دشمن یکساں ہو سکتا ہے۔ مجھ سے پیغمبر اسلام نے یہی فرمایا ہے کہ میں اپنی امت کے لئے نہ مومنوں سے خوفزدہ ہوں نہ مشرکوں سے کیوں کہ مومن کو اللہ اس کے ایمان کی بنا پر خیانت سے باز رکھتا ہے اور مشرکوں کا ان کے شرک کی بنا پر قلع قمع کر دیتا ہے بلکہ میں تو ان منافقوں سے خوفزدہ ہوں جن کے دل اور زبان میں دو رنگی پائی جاتی ہے، ان کی باتیں تو دل نشیں ہوتی ہیں لیکن انکا عمل خلاف حق ہوتا ہے۔

امام علیہ السلام نے اس خط میں ان منافقوں سے ہوشیار رہنے کو کہا ہے جو اسلام کے نام پر مسلمانوں کی خدمت کے بہانے دائرہ اسلام میں دبے پاؤں داخل ہو گئے اور جرائم کے موجب بنا کر اپنے زہریلے تیروں سے اسلام و مسلمانوں کو نشانہ بنانے لگے وہ کفار سے کہیں زیادہ خطرناک ہیں اس لئے کہ لوگ جانتے ہیں کہ کفار سے کس طرح نمٹنا چاہئے۔ یہ ظاہر ہیں لہٰذا ان سے بغیر دھوکا کھائے ان کے خطرات سے مقابلہ کیا جا سکتا ہے لیکن منافقوں کو پہچاننا ہی دشوار ہوتا ہے۔ ہو سکتا ہے انکا پر فریب چہرہ مدتوں سادہ لوح افراد کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے اور وہ یوں ہی اپنے جرائم اور تباہکاریوں کا بازار گرم رکھیں اور قومیں و ملتیں اس وقت بیدار ہوں جب پانی سر سے اونچا ہو چکا ہو اور اس کا کوئی چارہ ممکن نہ ہو۔ ستم تو یہ ہے کہ جب کچھ منافق روشنی میں آجاتے ہیں اور ان سے اسلامی معاشرہ نجات بھی حاصل کر لیتا ہے تو

دوسرے منافق کچھ نئی چالوں، نئے زاویوں اور نئے طریقوں سے ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ یہ حالات امویوں، مروانیوں، عباسیوں یہاں تک کہ حادثات سے معمور تاریخ اسلام کے موجودہ دور میں بھی اسلامی ممالک پر حاکم سلاطین کے یہاں صاف نظر آتے ہیں۔ آج بھی دو ایک نادر و نایاب استثنائی موارد کو چھوڑ کر دنیا بھر کے اسلامی ملکوں پر حاکم نظام میں یہ چیزیں ہم خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔

بلاشبہ اسلام کے لئے معاویہ و یزید، عبدالملک اور ہشام، منصور و مامون اور متوکل و معتصم جیسے حکام، قیصر و کسریٰ، مکہ کے بت پرستوں اور خیبر کے یہودیوں، اہل کتاب سازش کاروں، عیسائیوں اور مغلوں سے کہیں زیادہ خطرناک رہے ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے آج اسلام سے بیگانہ رجعت پسند، عالمی سامراج کے مہرے، مشرقی و مغربی استعمار کے زرخرید غلام جو محافظین اسلام کے عنوان سے شاہ و شاہزادہ، امیر و حاکم بنا کر مسلمان امت کے سروں پر سوار کر دیئے گئے ہیں، مسلمانوں کو خود امپریلیزم صیہونزم اور کمیونزم سے کہیں زیادہ نقصان پہنچا رہے ہیں کیونکہ اگر یہ عوام فریب، ریاکار، خیانتکار اور غلام نما حکام ظاہری طور پر مسلمان نہ ہوتے تو مشرق و مغرب کی استعماری قوتوں کو اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کا جال پھیلانے، مظالم ڈھانے اور خیانت کرنے کی مجال نہ ہوتی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جس پر قوموں، ملتوں اور فکری آزادی رکھنے والوں کو غور کرنا چاہئے اور انھیں ہر کام سے پہلے ان غاصب حکمرانوں کا حساب چکتا کر دینا چاہئے۔ جب تک یہ لوگ باقی رہیں گے اسلامی معاشرہ کا نصیب سوائے تباہی و بربادی کے اور کچھ نہ ہوگا۔ یہی وہ نکتہ تھا جس کی طرف حضرت علیؑ نے تاکید کے ساتھ توجہ دلائی ہے۔

صالح ترین حاکم کون؟

یہاں تک تو ان قواعد و ضوابط اور کلیات کا تذکرہ تھا جو اسلامی معاشرہ پر حاکم رہبر کی صلاحیت یا عدم صلاحیت کے لئے معیار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اب ہم اس بحث کو کچھ اور واضح طور پر بیان کرتے ہیں تاکہ حکومت و رہبری کے مصداق پر مزید روشنی پڑ سکے۔ نہج البلاغہ میں اس رخ سے بھی کافی مواد پایا جاتا ہے جن میں سے کچھ موارد ہم ذیل میں ذکر کرتے ہیں:-

(الف) وانما الائمة قوام الله علی خلقه وعرفائه علی عباده ولا

یدخل الجنۃ الا من عرفھم و عرفوہ. ولا یدخل النار الا من انکرھم وانکروہ" (خطبہ نمبر ۱۵۰)

"درحقیقت ائمہ خدا کی طرف سے اس کی مخلوق کے سرپرست اور اسی کی طرف سے بندوں پر اس کے نمائندے ہیں۔ وہی شخص جنت کا سزاوار ہوگا جو خود بھی ان کی معرفت رکھتا ہو اور ائمہ بھی اسے پہچانتے ہوں۔ اور وہی شخص دوزخ میں جائے گا جو ائمہ کا منکر ہو اور ائمہ بھی اس سے کنارہ کش ہوں۔"

مذکورہ خطبہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امامت اپنے مخصوص مفہوم و مصداق کے اعتبار سے خدا کی جانب سے قانونی حیثیت کی حامل ہے اور امام کی معرفت یا اس کا انکار ایسی چیز ہے جس سے لوگوں کی عاقبت وابستہ ہے۔

(ب) لا یقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ و آلہ من ھذہ الامۃ احد ولا یسوی بھم من جرت نعمتھم علیہ ابداً، ھم اساس الدین، و عماد الیقین۔ الیھم یفئ الغالی، وبھم یلحق التالی، ولھم خصائص حق الولایۃ، وفیھم الوصیۃ والوراثۃ، الآن اذ رجع الحق الی اھلہ ونقل الی منتقلہ

(خطبہ نمبر ۲)

اس امت میں کسی بھی فرد کو آل محمد کا ہم پلہ قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جس شخص پر ان کے احسانات جاری و ساری ہوں وہ کبھی ان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ وہ دین کی اساس اور ایمان و یقین کے ستون ہیں۔ آگے جانے والے ان ہی کی طرف پلٹیں گے اور پیچھے رہ جانے والوں کو ان سے آکر ملنا ہوگا۔ ولایت حقہ کی ساری خصوصیتیں ان ہی کے لئے ہیں اور پیغمبر اسلامؐ کی وصیت اور وراثت بھی ان سے ہی مخصوص ہے اب حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا ہے اور دوبارہ اس نے اپنی جگہ حاصل کر لی۔

گویا امامؑ نے واضح طور سے فرمایا کہ ولایت و رہبری کا درجہ بعض خصوصیتوں کا حامل ہے اور یہ خصوصیتیں صرف خاندان پیغمبرؐ یعنی (ائمہ معصومینؑ) میں پائی جاتی ہیں۔ جو امامؑ کے صریحی

قول کے مطابق آنحضرتؐ کے وصی اور وارث ہیں۔ لہٰذا آپؑ صاف لفظوں میں خبردار کرتے ہیں کہ ان سے ہٹ کر جو راستہ بنایا جائے گا وہ حق سے منحرف سمجھا جائے گا۔ چنانچہ جب خلافت و رہبری آپ تک پہنچی تو فرمایا، اب حق اپنے صحیح مرکز کی طرف پلٹ آیا ہے۔

جو بات ہمیں شیعی عقائد سے معلوم ہوتی ہے، یہ ہے کہ امامت ایک الٰہی منصب ہے جو ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا۔ اس کے کچھ شرائط ہیں منجملہ ان کے امکان کی اعلیٰ ترین انسانی حدود تک علم، عصمت، اور فطری طور پر گناہوں سے دوری، نیز پیغمبر اسلامؐ کی جانب سے اس کے حق میں نص اور جانشینی کی صراحت و وضاحت ضروری ہے۔ یہ وہ چیز ہے جو ہمارے اعتقاد کے مطابق حضرت علیؑ اور ان کے فرزندوں میں حضرت مہدیؑ تک ان تمام افراد میں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ دیگر اسلامی فرقوں میں بھی قرآنی آیات اور پیغمبر اکرمؐ سے وارد نصوص خصوصاً "غدیر خم" کی حدیث متواتر کی روشنی میں مسلمانوں کی اکثریت نے اسے قبول کیا ہے اور اپنی کتابوں میں تحریر بھی کیا ہے۔ اگرچہ اس سلسلہ میں نظریاتی اختلافات پائے جاتے ہیں لیکن ہم یہاں اس بحث کو چھیڑنا نہیں چاہتے۔ بہرحال اگر اس بحث سے قطع نظر کر لیں اور مسلمانوں کے حاکم کو اس قدر تقدس کا حامل نہ بھی مانیں اور خدا کی جانب سے نیز پیغمبر خدا کے نصوص کے ذریعہ اس کا معین کیا جانا ضروری نہ ہو تو بھی کم از کم اس میں اسلامی رہبری اور قیادت سے مخصوص اوصاف تو ہونی ہی چاہئیں۔ چنانچہ کسی بھی رہبر کے لئے "علم، عدالت اور تقویٰ" بنیادی صفات کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہاں تاکید کے ساتھ اس نکتہ پر بھی توجہ ضروری ہے کہ معاشرہ میں امامت و رہبری اور امت کی سرپرستی کے لئے صالح ترین شخص کے ہوتے ہوئے کمتر صلاحیت رکھنے والے کی حاکمیت و رہبری کسی بھی عقل اور منطق سے درست قرار نہیں دی جا سکتی، کیونکہ ایسا کرنا نہ صرف دین پر ستم اور مسلمانوں پر ظلم ہوگا۔ بلکہ تمام اقدار و وجدان پر خط کھینچ دینے کے برابر ہوگا۔

علیؑ ۔ اسوۂ رہبری

یہی وجہ ہے کہ رہبری کے لئے روحانی و معنوی صفات اور اس سے متعلق آیات و روایات واردہ کی قید سے الگ ہٹ کر بھی امام علیہ السلام نے اپنے کلام میں متعدد مقامات پر صاحبانِ عقل و

ہوش کو فکر و نظر کی دعوت دی ہے کہ خود فیصلہ کرو کہ تم میں کون سا شخص امت کی قیادت و رہبری کے لئے شائستہ و مناسب ہے؟ راہ ہدایت کی طرف دعوت دینے والا امام اس منصب کا حقدار ہے یا راہ ضلالت کی طرف کھینچ لے جانے والا رہبر؟ پیغمبر اسلامؐ کا دشمن اس کا اہل ہے یا وہ جو بچپنے سے وفات تک پیغمبر کا سچا یاور و مددگار رہا ہے؟ ساتھ ہی عمومی طور سے لوگوں کے ذہنوں کو بیدار کرنے نیز اسلام اور مسلمانوں کے شب و روز کی جانب ان کی توجہ مبذول کرنے کے لئے خود کو ایک ایسے شخص کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں سے دلی ہمدردی رکھتا ہے اور جس کے یہاں حق کے معاملہ میں معمولی کمزوری بھی نہیں پائی جاتی اس کے باوجود وہ اسلامی معاشرہ میں اس قدر مظلوم واقع ہوا ہے کہ اس کا مسلّم و ناقابل انکار حق اس سے چھین لیا گیا، پھر بھی صاحبان عقل و ضمیر نے اس کے بارہ میں منصفانہ طور پر سوچنے اور فیصلہ کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ امام کا یہ اقدام اپنی ذات و شخصیت کے لئے نہیں تھا، کیونکہ آپ نے تو اپنی ساری ہستی اسلام اور الٰہی مقاصد کے لئے وقف کر رکھی تھی اور اس راہ میں ہر طرح کے ظلم و ستم اپنی ذات پر برداشت کرنے کے لئے آمادہ تھے۔ بلکہ حقیقتاً اس سے حق و حقانیت کا دفاع منظور تھا اور آپ ان مظالم کو دفع کرنا چاہتے تھے جو تاریخ میں حق پرستوں پر ہوتے رہے اور ہو رہے ہیں۔ اس لئے کہ اس راہ پر گامزن افراد کو صرف حق و حقانیت سے سروکار ہے، اشخاص و شخصیتوں سے نہیں۔

اب ہم اس سلسلہ میں امام کے ارشادات کے چند نمونے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:۔

"نوف بکالی" روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے کوفہ میں ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ پتھر کے نصب شدہ ٹکڑے پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس وقت آپ کے جسم مبارک پر ایک اونی جبہ تھا۔ تلوار کی ڈاب اور نعلین لیف خرما کی تھیں۔ اور آپ کی پیشانی پر سجدہ کا نشان اونٹ کے گھٹنے پر پڑ جانے والے گھٹے کے مانند تھا۔

اس خطبہ میں حضرت نے حمد و ثنائے پروردگار و آثار جلال و جمال حق اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے تقویٰ و پرہیزگاری کی نصیحت فرمائی اور دنیا کی بے ثباتی اور اس کی فنا کی جانب اشارہ کیا۔ پھر اس پر حکومت کرنے والی طاقتوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا —

"ایها الناس؛ انی قد بثثت لکم المواعظ التی وعظ الانبیاء بہا اممہم، وادیت الیکم ما ادّت الاوصیاء الی مَن بعدہم، وادبتکم بسوطی فلم تستقیموا وحدثتکم بالزواجر فلم تستوسقوا للّٰہ انتم اتتوقعون اماماً غیری یطأبکم الطریق ویرشدکم السبیل؟"

(خطبہ نمبر ۱۸۲)

اے لوگو! میں نے تم کو ایسی نصیحتیں کی ہیں جو انبیاء کرام اپنی امتوں کو فرمایا کرتے تھے۔ اور وہ چیزیں تمہارے سپرد کی ہیں جن کو ان کے اوصیاء کرام بعد کی نسلوں تک پہنچایا کرتے تھے۔ میں نے اپنے تازیانہ (عبرت) سے تمہیں ادب سکھانا چاہا لیکن تم سیدھے نہ ہوئے تمہیں زجر و توبیخ کی لیکن اس پر بھی تم یکجا نہ ہوئے۔ خدا تم سے سمجھے! کیا تم میرے علاوہ کسی اور امام کی توقع کئے بیٹھے ہو جو تمہیں راہ راست پر لائے گا اور صحیح راستہ دکھائے گا؟

ایک دوسری جگہ امامؑ، پیغمبر اسلامؐ کے نزدیک اپنے درخشاں اور نمایاں فضل و شرف کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولقد علم المستحفظون من اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وآلہ۔ انی لم اردّ علی اللّٰہ ولا علی رسولہ ساعۃ قط۔ ولقد واسیتہ بنفسی فی المواطن التی تنکص فیہا الابطال وتتأخر فیہا الاقدام، نجدۃ اکرمنی اللّٰہ بہا ولقد قبض رسول اللّٰہ۔ ص۔ وانّ رأسہ لعلیٰ صدری"

خطبہ نمبر ۱۹۵

پیغمبر اسلامؐ کے راز دار اصحاب اچھی طرح جانتے ہیں کہ میں نے ایک آن کے لئے بھی کبھی اللہ اور اس کے رسولؐ سے انکار اور سرتابی نہیں کی۔ اور ان تمام میدانوں میں جہاں بڑے بڑے سورما ہار کر پیچھے ہٹ گئے اپنی جوانمردی کے ساتھ رسول خداؐ کی

۱۔ معجم میں "تحدوثکم" ہے۔

ہمراہی و ہمرکابی کا شرف حاصل کیا۔ یہ وہ فضیلت ہے جس سے خدا نے مجھے سرفراز فرمایا۔ اور جب پیغمبر خدا نے رحلت فرمائی تو ان کا سر مبارک میرے سینہ پر تھا ۔ ۔ ۔ ۔ "

اور اسی خطبہ کے آخر میں فرماتے ہیں :۔

" فوالذی لا الٰہ الا ھو انی لعلیٰ جادۃ الحق و انھم لعلیٰ مزلۃ[1] الباطل "

(خطبہ نمبر ۱۹۵)

میں اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے کہ میں بلا شبہ راہ حق پر ہوں اور وہ (یعنی آپ کے عہد کے اقتدار طلب افراد) قطعی طور سے باطل راہ پر ہیں۔ یا گمراہی کے غار کے دہانے پر ہیں (جہاں ہلاکت ان کا مقدر بن چکی ہے)

جب "طلحہ و زبیر" نے آپ سے بیعت توڑی تو فرمایا :۔

" واللہ ما انکروا علیّ منکرا ولا جعلوا بینی و بینھم نصفا وانھم لیطلبون حقا ھم ترکوہ و دما ھم سفکوہ "

(خطبہ نمبر ۱۳۵)

"خدا کی قسم ان لوگوں نے مجھ پر صحیح الزام نہیں لگایا اور نہ میرے اور اپنے درمیان انصاف سے کام لیا۔ یہ لوگ مجھ سے اس حق کا مطالبہ کر رہے ہیں جسے خود انہوں نے ترک کر دیا اور اس خون کا عوض چاہتے ہیں (قتل عثمان کی طرف اشارہ ہے) جسے خود انہوں نے بہایا ہے۔

جب "سعد ابن ابی وقاص" نے امام پر خلافت کی حرص و لالچ کا اتہام لگایا تو آپ نے یوں جواب دیا :۔

وقد قال لی قائل : انک علیٰ ھذا الامر یا ابن ابی طالب لحریص ۔
فقلت بل انتم واللہ لاحرص وابعد وانا اخص واقرب ۔
وانما طلبت حقاً لی وانتم تحولون بینی وبینہ ، ۔

---

[1] معجم میں "مزلّہ" ہے۔

تضيون وجهي دونه، فلما قرعته بالحجة في الملأ الحاضرين
هبّ كانّه بهت لا يدري ما يجيبني"

(خطبہ نمبر ۱۷۰)

ایک کہنے والے نے مجھ سے کہا، اے ابن ابی طالب آپ تو اس خلافت پر حریص ہیں!
تو میں نے اسے جواب دیا، نہیں خدا کی قسم تم لوگ اس پر کہیں زیادہ للچائے ہوئے
ہو جبکہ اس (منصب کی اہلیت) سے بہت دور ہو اور میں اس (خلافت) کا سب سے
زیادہ اہل اور پیغمبر سے سب سے زیادہ قریب ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے۔
اور تم لوگ میرے اور اس کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور میرا رخ دوسری طرف موڑ دیتے
ہو۔ اور جب میں نے بھرے مجمع میں دلیلوں سے اسے خاموش کر دیا تو وہ ایسا ہکا بکا
ہوا جیسے مبہوت ہو گیا ہو۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ جواب میں کیا کہے۔

ایک دوسری جگہ آپؑ نے خلافت پر تصرف بے جا کرنے والوں کے اقدام کو ظالمانہ اور ان کی
روش کو سوداگرانہ قرار دیا ہے۔ جب آپ کے ایک صحابی نے دریافت کیا کہ آپ سے یہ حق کس طرح چھین
لیا گیا جبکہ آپ اس خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے تو آپؑ نے اس کے جواب میں فرمایا:

اما الاستبداد علينا بهذا المقام ونحن الاعلون نسباً والاشدون
برسول الله صلى الله عليه وآله نوطاً، فانها كانت اثرة شحّت
عليها نفوس قوم وسخت عنها نفوس آخرين والحكم الله والمعود
اليه القيامة۔ (خطبہ نمبر ۱۶۲)

اس منصب کے سلسلہ میں ہمارے خلاف لوگوں کا ظالمانہ برتاؤ اور خلافت پر خود رائی
اور خودسری کے ساتھ جم جانا جبکہ ہم نسب کے اعتبار سے سب سے بلند تر اور پیغمبر اسلام صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم سے رشتے کے لحاظ سے بھی سب سے قوی تھے۔ بہر حال یہ ایک مسلّم حق تھا
جس پر ایک گروہ ٹوٹ پڑا اور مرمٹا اور دوسرے گروہ نے سخاوت مندانہ طور پر
اس سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ (اب) فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے۔ کیونکہ قیامت
میں سب کی بازگشت اسی کی طرف ہے۔

مسئلہ امامت و رہبری سے متعلق امامؑ کے مذکورہ بالا تمام ارشادات میں اپنے معنوی مقام و مرتبہ کا اظہار رسول خدا سے قرابت، بچپن سے لیکر زندگی کے آخری لمحات تک تاریخ اسلام میں پھیلی ہوئی اپنی خدمات خلافت کے سلسلہ میں اپنی بے نظیر صلاحیت و لیاقت کا اظہار، اپنے محور حق ہونے، دوست و دشمن سب کی نظروں میں اپنی حقانیت و صلاحیت کے اقرار و اعتراف کا اعلان اور علم و بصیرت، سیاست و تدبر، زھد و تقویٰ اور محکم قوت فیصلہ کے ساتھ ساتھ آپ کی وصایت و جانشینی سے متعلق پیغمبر اسلامؐ کے نصوص و تصریحات، جن کا تذکرہ نہج البلاغہ میں بہت سی جگہوں پر آیا ہے اور ہم نے ان کا فقط ایک شمّہ ذکر کیا ہے۔ اور پھر ان تمام عظمتوں کے باوجود اپنی محرومیت و مظلومیت کا ذکر اس حقیقت کی وضاحت ہے کہ امام کو کن خصوصیات و صفات کا مالک ہونا چاہئے۔ ساتھ ہی اس سے اپنے ناقابل انکار اور مسلّم حق کا دفاع بھی مقصود ہے جو درحقیقت اسلام اور مسلمانوں کا ایک حق ہے۔

بہرحال اس فصل میں، امامت و وصایت، حاکمیت و خلافت، سیاست اور معاشرہ کی سرپرستی سے متعلق بلند معیاروں پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ جو امت اسلام کے اجتماعی اور سیاسی نظام کی تنظیم کے لئے راہنما ہو سکتے ہیں۔

چوتھا باب

بیعت اور انتخاب

گزشتہ فصل میں ہم ان عوامل کا ذکر کر چکے ہیں جو حاکم کے بروئے کار آنے میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں ان سے مراد "نص و وصایت" انتخاب اور بیعت اور ارباب حل و عقد کی مشاورتی کمیٹی ہے"۔ نیز نہج البلاغہ میں مذکور امیرالمومنین علی علیہ السلام کے اقوال کی روشنی میں حاکم سے متعلق ان اساسی اور اصولی شرائط کی وضاحت بھی کر چکے ہیں جو مذکورہ بالا تمام موارد میں ایک کلی قانون کے عنوان سے پائے جاتے ہیں۔ اور اجمالی طور سے یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ حضرت علیؑ کی نیابت و حکومت کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی جانب سے نصوص و توضیحات بھی وارد ہوئے ہیں، جنھیں امامت سے مربوط کتابوں میں با اطمینان دیکھا جا سکتا ہے۔

اس سلسلہ بحث سے ہمارا مقصد مختلف طریقوں سے متعلق امام کے نقطہ نظر کا اظہار ہے جو مجموعی طور پر حکومت اور اس کے ارکان کے برسر کار آنے کے لئے زمین ہموار کرتے ہیں اور دوسروں کے لئے تشخیص اور عمل کا معیار بن سکتے ہیں۔

اب بات بیعت اور انتخاب کی آتی ہے۔ بیعت کا مطلب کسی حاکم یا ذمہ دار شخص کے انتخاب میں عام طور سے مسلمانوں کی شمولیت و شرکت ہے۔ اسلام میں مشخص شدہ صلاحیت اور شرائط و ضوابط کے پیش نظر یہی ہے کہ کسی صریحی نص کے نہ ہونے کی صورت میں، پوری آگاہی و بیداری کے ساتھ آزاد اور فطری ماحول میں، ہر طرح کے مسموم پروپیگنڈہ سے دور رہ کر لوگوں کا انتخاب اور ان کی بیعت، منتخب ہونے والے شخص کو قانونی اور شرعی حیثیت عطا کرتی ہے۔ معاشرہ ایسے شخص پر اعتماد کر سکتا ہے اور سماج کی باگڈور اس کے حوالہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ خود ایک حق ہے کہ لوگ اپنی قسمتوں کا فیصلہ براہ راست خود کریں اور اپنے شعور و ادراک کے ذریعہ ضروری مشخصات کی روشنی میں جسے نیکوکار اور لائق سمجھیں منتخب کریں

اور معاشرہ کے سیاسی مسائل اس کے سپرد کردیں۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ انتخاب شوریٰ پر مقدم ہے لیکن نص کے مقابلہ میں موخر ہے۔ نص کے سلسلہ میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ کیونکہ جب پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کے حکم سے کسی شخص کو اپنی خلافت اور لوگوں پر حکومت کے لئے معین فرمادیا تو اب لوگوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس کے برخلاف اپنی مرضی کے مطابق کوئی اقدام کریں۔ قرآن کریم نے اس مفہوم کو صاف اور صریحی لفظوں میں بیان فرمادیا ہے:۔

"وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرة من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً" (سورۂ احزاب/ ۳۶)

کسی باایمان مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب خدا اور رسولؐ ان کے حق میں کوئی حکم دیدیں تو اس سے سرتابی کرے اور خود رائی پر عمل کرے اور جس نے خدا اور رسولؐ کی نافرمانی کی وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوا۔

اس نکتہ کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں کہ حاکمیت اور رہبری کا مسئلہ ان مسائل میں سرفہرست آتا ہے جن میں عوام خدا و رسولؐ کے حکم کے خلاف کوئی عمل نہیں کرسکتے۔

لیکن جہاں تک شوریٰ پر بیعت کے مقدم ہونے کی بات ہے اگر بیعت میں بلا اختلاف تمام عالم و جاہل برابر سے شریک ہو کر اپنی قسمتوں کا فیصلہ کریں، اور یہ کام پوری آزادی اور آگاہی کے ساتھ انجام پائے تو یہ قطعی طور سے اس شوریٰ پر مقدم ہے جس میں عوام کے معتمد ارباب حل و عقد شرکت کا حق رکھتے ہیں، کیونکہ دوسری صورت میں ارباب حل و عقد عوام اور منتخب ہونے والے شخص کے درمیان ایک واسطہ ہوتے ہیں اور عوام پہلے ان واسطوں کے حق میں رائے دیتے ہیں پھر شوریٰ کی طرف سے منتخب شخص کو قبول کرتے ہیں ــــ یہاں ممکن ہے کوئی شخص شوریٰ کو بیعت پر اس دلیل کے تحت مقدم قرار دے کہ کسی قوم کے ارباب حل و عقد اور باخبر افراد عوام سے بہتر طور پر ایک صالح حاکم و رہبر کی تشخیص اور اس کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ کیونکہ عوام لوگوں کے خصوصیات اور صلاحیتوں سے پوری واقفیت نہیں رکھتے۔

ہمیں بھی یہ اصرار نہیں کہ بیعت و انتخاب کو ارباب حل و عقد کی شوریٰ پر مقدم ہی قرار دیں بہرحال خدا و رسولؐ کی طرف سے کوئی نص نہ ہونے کی صورت میں حاکم و رہبر کے انتخاب کے لئے یہی دو راستے قانونی

و شرعی حیثیت کے حامل ہیں اور اسلامی نظام میں سیاسی و اجتماعی قیادت و رہبری کے تعین کا معیار ہیں۔

پہلے بھی اشارہ کیا جا چکا ہے کہ رہبری کے سلسلہ میں پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے نص یا وصایت و جانشینی کی صراحت کے باوجود لوگوں کا اس شخص کی بیعت کرنا یا اسے منتخب کرنا گویا اللہ کے حکم اور رسولؐ و صاحبان امر کی اطاعت و تسلیم پر گواہ ہے جس کا حکم قرآن میں دیا جا چکا ہے۔ چنانچہ اگر حضرت علیؑ کے اقوال میں بیعت اور شوریٰ کا ذکر بھی ملتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس سلسلہ میں وصایت اور نصوص کو کوئی اہمیت حاصل نہیں ہے۔ بلکہ بیعت اور شوریٰ کے تذکرہ سے ان لوگوں پر حجت تمام کی گئی ہے جو اس مسئلہ کو صرف عمومی آراء کی روشنی میں دیکھتے اور پرکھتے رہے ہیں یا جن لوگوں نے گزشتہ چند برسوں تک جاری و ساری اسی شیوہ کی خو کر لی تھی اور اسی کو درست سمجھ لیا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ امامؑ نے متعدد موقعوں پر لوگوں سے فرمایا کہ مجھے آزاد چھوڑ دو۔ یا آپ لوگوں کے ضمیر و وجدان کو فیصلہ کی دعوت دیتے نظر آتے ہیں کہ وہ اپنے مورد انتخاب نمائندہ کے سلسلہ میں خود فیصلہ کریں کہ ان کا طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے۔

یہ بذات خود ایک ایسی اعلیٰ ترین ڈیموکریسی اور آزادی ہے جس سے بہتر کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یہ بات ایک ایسا شخص لوگوں سے کہہ رہا ہے جو اپنی تمام تر صلاحیت اور پیغمبر اسلامؐ کی فرمائش و وصیت کے تحت اسلامی معاشرہ کا قانونی و شرعی امام برحق ہے اس کے باوجود اپنے ہی معاشرہ میں مظلوم واقع ہوا ہے۔ ایسے اوصاف کا حامل شخص اپنے زیر دست اور ماتحت افراد کو دعوت فکر دے رہا ہے کہ اس کے بارہ میں پوری آزادی کے ساتھ غور کریں اس کے بعد اسے اپنا رہبر منتخب کریں۔ اور اگر اس کے اندر کوئی کمی پاتے ہوں تو کسی دوسرے کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ اسلامی نظام میں کسی طرح کے زور زبردستی کو دخل نہیں ہے۔ یہاں تک کہ معاشرہ کے صالح ترین افراد بھی معاشرہ پر زبردستی لادے اور تھوپے نہیں جا سکتے کیونکہ لوگوں کو چاہیئے کہ اپنی شرعی ذمہ داری سمجھتے ہوئے امام و رہبر کی پیروی کریں۔ کسی جبر و اکراہ کے تحت نہیں، اس لئے کہ آیت "لا اکراہ فی الدین" دین کے تمام پہلوؤں یعنی عبادات و اخلاقیات سے لے کر سیاست و حکومت اور قانون و حقوق سب پر پورے طور سے صادق آتی ہے۔

اب ہم بیعت اور انتخاب سے متعلق امام علیہ السلام کے ارشادات اور تحریروں کے چند نمونے پیش کرتے ہیں ــــــــ

۱) "وَاللہ ما کانت لی فی الخلافۃ رغبۃ ولا فی الولایۃ اربۃ ولکنکم دعوتمونی الیہا وحملتمونی علیہا" (خطبہ : ۲۰۵)

خدا کی قسم مجھے خلافت وحکومت کی کوئی رغبت تھی اور نہ مجھے اس کی احتیاج وضرورت تھی۔ لیکن تم ہی لوگوں نے مجھے اس کی دعوت دی اور اسے قبول کرنے پر مجبور کیا۔

امامؑ نے اس کلام میں مشہور ومعروف عہد شکنوں "طلحہ وزبیر" کو مخاطب قرار دیا ہے جنھوں نے ابتدا میں تو امامؑ کی بیعت کی تھی لیکن بعد میں ہوائے نفس سے مغلوب ہو کر نہ صرف بیعت توڑ بیٹھے بلکہ دوسرے مفسدوں کے ساتھ مل کر سازشوں اور تباہ کاریوں میں مصروف ہو گئے۔ بہانہ انہوں نے یہ بنایا کہ امامؑ نے ہمیں اپنا حصہ دار اور شریک کیوں نہیں بنایا جبکہ امامؑ نے بار بار اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ خلافت وامامت پر فریفتہ اور اس کے لالچی نہیں بلکہ ایک طرف الٰہی فریضہ کی ادائگی اور دوسری طرف مسلمانوں کے اصرار نے انھیں خلافت کے قبول کرنے پر مجبور کیا ہے۔ آپ خطبۂ "شقشقیہ" میں اسی احساس فرض اور مسلمانوں کے اصرار وآمادگی کو دوسرے انداز میں بیان فرماتے ہیں:۔

۲) "فما راعنی الا والناس کعرف الضبع الی ینثالون علی من کل جانب حتی لقد وطئ الحسنان وشق عطفای مجتمعین حولی کربیضۃ الغنم فلما نہضت بالامر نکثت طائفۃ ومرقت اخری وقسط آخرون"

"اما والذی فلق الحبۃ وبرئ النسمۃ، لولا حضور الحاضر وقیام الحجۃ بوجود الناصر وما اخذ اللہ علی العلماء الا یقاروا علی کظۃ ظالم ولا سغب مظلوم لالقیت حبلہا علی غاربہا..."

(خطبہ نمبر ۳)

(جب یہ سب ہو چکا) تو لوگوں نے ہر طرف سے میری طرف ہجوم کیا اور میرے اردگرد اس طرح اکٹھا ہو گئے کہ مجھے زحمت میں مبتلا کر دیا یہاں تک کہ حسنؑ وحسینؑ ان کے درمیان کچلے جا رہے تھے۔ میری ردا دونوں طرف سے پارہ پارہ ہو گئی۔ گویا سب نے بھیڑوں کے گلہ کی طرح مجھے گھیر لیا۔ چنانچہ جب میں اپنے فریضہ کی ادائگی کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تو ایک گروہ نے اپنا عہد وپیمان توڑ دیا، دوسرا گروہ سرتابی ونافرمانی پر اتر آیا اور

تیسرے گروہ نے بغاوت کا راستہ اپنا لیا۔" (ناکثین، قاسطین، مارقین)

یہاں تک کہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اس خدا کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جانوں کو خلق فرمایا اگر مجھے منتخب کرنے کے لیے لوگوں کا اجتماع اور دوستوں وجانثاروں کی موجودگی کے ذریعہ مجھ پر حجت تمام نہ ہوگئی ہوتی اور اگر خداوند عالم نے علماء سے یہ عہد نہ لیا ہوتا کہ ظالم کی شکم پری اور مظلوم کی گرسنگی پر خاموش بیٹھے نہ رہیں تو میں خلافت کے ناقہ کی مہار اس کی پشت پر ڈال دیتا، اور اس کے آخر کو اس جام سے سیراب کرتا جس سے اس کے اول کو سیراب کیا تھا۔

ایک خط میں اہل کوفہ کو خطاب کرکے قتل "عثمان" اور موجودہ سازشوں اور منصوبہ سازیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اپنی ذات سے متعلق لوگوں کی بیعت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

۳) "وبایعنی الناس غیر مستکرھین ولا مجبرین بل طائعین مخیرین"

(خط نمبر ۱)

لوگوں نے کسی جبر و اکراہ کے ساتھ مجھے منتخب نہیں کیا۔ بلکہ پوری آزادی و اختیار کے ساتھ میری بیعت کی ہے۔

اسی طرح عام طور پر لوگوں کے بیعت کرنے اور بعد میں "طلحہ و زبیر" کی بیعت شکنی پر آپ نے فرمایا:۔

۴) "فاقبلتم علی اقبال العوذ المطافیل علی اولادھا تقولون البیعۃ البیعۃ قبضت کفی فبسطتموہ ونازعتکم یدی فجاذبتموھا۔ اللھم انھما قطعانی و ظلمانی ـــــ ونکثا بیعتی والبا الناس علیّ فاحلل ما عقدا ولا تحکم لھما ما ابرما وارھما المسائۃ فیما املا وعملا"

(خطبہ نمبر ۱۳۷)

"تم لوگ تھے جو میری طرف شوق و رغبت سے اس طرح آئے جیسے ماں اپنے نوزائیدہ بچے کی طرف آتی ہے اور تمہارا حال یہ تھا کہ بیعت، بیعت چیخ رہے تھے۔ میں نے اپنی مٹھی بھینچ لی لیکن تم نے اسے کھول ڈالا اور جب میں نے اپنا ہاتھ دور کیا تو تم نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔ اے میرے خدا یہ دونوں مجھ سے جدا ہوگئے اور انہوں نے

مجھ پر ظلم کیا۔ میری بیعت توڑ دی اور لوگوں کو میرے خلاف بھڑکایا۔ لہٰذا اب یہ جو گرہیں باندھیں انہیں تو کھول دے اور جس منصوبہ کو محکم کرنا چاہتے ہیں اسے پائیدار نہ ہونے دے۔ اور جو آرزو یہ رکھتے ہیں اور اس پر عمل کرنا چاہتے ہیں اس کے برے نتائج ان پر ظاہر کر دے۔

سوچی سمجھی اور آزاد بیعت

کلام امامؑ کے دوسرے حصوں سے یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ بیعت پوری آگاہی، اختیار اور آزادی کے ماحول میں ہونی چاہئے اور لوگوں نے آپ کی بیعت اسی خصوصیت کے تحت پوری آگاہی و آزادی کے ماحول میں کی تھی اس لئے ایسی بیعت کے توڑنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ حضرتؑ اپنے ایک خطبہ میں مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"لم تکن بیعتکم ایای فلتۃ ولیس امری وامرکم واحد اِنّی اُرِیدکم للّٰہ وتریدوننی لانفسکم. ایھا النّاس: اعینونی علی انفسکم" (خطبہ نمبر ۱۳۶)

تم نے میری بیعت اچانک بلا سوچے سمجھے نہیں کی تھی بلکہ خوب سوچ سمجھ کر یہ قدم اٹھایا تھا، میرا اور تمہارا معاملہ ایک جیسا نہیں ہے۔ میں تمہیں خدا کے لئے چاہتا ہوں اور تم لوگ مجھے اپنی مصلحتوں اور منفعتوں کے پیش نظر چاہتے ہو تو اے لوگو! اپنے منافع و مصالح کی خاطر ہی میری مدد کرو۔

اصل میں حضرتؑ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ یہ بے توجہی اور عدم تعاون کا برتاؤ تو ان لوگوں کا شیوہ ہے جنہوں نے کسی زور زبردستی کے تحت بیعت کی ہو یا حکومت و سلطنت کے اقدام کو اپنے مصالح و منافع کے خلاف دیکھ رہے ہوں جبکہ علیؑ جیسے امام کے مقابلہ میں یہ طریقہ کار اپنانا خود ایک ظلم ہے، آپ فرماتے ہیں کہ تم نے میری بیعت پوری رضا و رغبت بلکہ خوشامد و اصرار کے ساتھ کی ہے، میرے سامنے روئے ہو، گڑگڑ ائے ہو۔ اور یہ بھی اچھی طرح جانتے ہو کہ پوری امت میں تنہا میں ہی ایسا شخص ہوں جسے امت کی صلاح اور بہتری کی فکر ہے۔ اب ایسے میں تمہاری عہد شکنی کی کیا کوئی توجیہ ممکن ہے؟ کیا ایسی امت و ملت کے حالات اس سے بہتر ہو سکتے ہیں جن

حضرت علیؑ کے بعد ظالم و جابر حکام کے برسر اقتدار آنے پر اسے دوچار ہونا پڑا؟ درحقیقت یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے امامؑ کی الٰہی حکومت کو کمزور کر کے تاریخ کے طویل دور میں معاویہ نما حکام اور ان کے دم چھلوں کی شیطانی حکومتوں کے لئے زمین ہموار کر دی جس کا نتیجہ امتِ اسلام کی بدبختی اور رسوائی کے سوا اور کچھ برآمد نہ ہو سکا۔

عہد شکن افراد

آپؑ ایک خط میں "طلحہ و زبیر" کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اما بعد فقد علمتما وان کتمتما انی لم ارد الناس حتی ارادونی، ولم ابایعهم حتی بایعونی وانکما ممن ارادنی وبایعنی وان العامة لم تبایعنی لسلطان غالب ولا لعرض حاضر، فان کنتما بایعتمانی طائعین فارجعا وتوبا الی الله من قریب وان کنتما بایعتمانی کارهین فقد جعلتما لی علیکما السبیل باظهارکما الطاعة واسرارکما المعصیة"

(خط نمبر ۵۴)

خدا کی حمد و ثنا کے بعد تم دونوں اچھی طرح جانتے ہو اگرچہ چھپاتے ہو کہ میں نے حکومت کے لئے لوگوں کی طرف رخ نہیں کیا یہاں تک کہ لوگ خود میری جانب متوجہ ہوئے، اور نہ میں نے ان کے سامنے بیعت کے لئے ہاتھ ہی پھیلایا یہاں تک کہ لوگوں نے خود میری بیعت کی، اور بلاشبہ تم دونوں بھی ان ہی لوگوں میں سے تھے جنہوں نے میرے پاس آکر بیعت کی۔ لوگ بیعت کے سلسلے میں کسی دباؤ یا لالچ کا شکار نہ تھے۔ چنانچہ اگر تم دونوں نے بھی برضا و رغبت میری بیعت کی تھی (اور اب اسے توڑ ڈالا) تو واپس پلٹ آؤ اور اپنے اس عمل کے لئے خدا کی بارگاہ میں جلد از جلد توبہ کر لو۔ اور اگر تم دونوں نے بادل ناخواستہ میری بیعت کی تھی تو یہ خود تمہارے جرم کی نشانی ہے کہ بظاہر اطاعت قبول کر لی لیکن گناہ و معصیت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا۔

بنیادی طور پر وہ تمام لوگ جنہوں نے امامؑ کی بیعت توڑی ہے اسی نوعیت کے تھے، ایک طرف تو حضرت علیؑ کے بارہ میں پیغمبرِ اسلامؐ کی حدیثیں اور ارشادات سن رکھے تھے اور دوسری طرف رضا و رغبت اور خوشامد و اصرار کے ساتھ علیؑ کو خلافت قبول کرنے پر مجبور کیا۔ لیکن اس کے بعد جب

ان لوگوں نے دیکھا کہ ہماری دلی مرادیں بر نہیں آئیں تو مخالفت پر اتر آئے۔ حضرت کے مخالف سرغنوں اور سرداروں کی حالت تو یہ تھی لیکن ان کی پیروی کرنے والے کچھ ایسے بے حس وارادہ اور غلام ذہنیت کے افراد تھے جو خود اپنی کوئی رائے نہیں رکھتے تھے بلکہ انجن کے ڈبوں کی طرح اپنے سرداروں کے ساتھ کھنچے پھر رہے تھے۔

امام اپنے ایک خطبہ میں "ناکثین" کے فتنہ (جو طلحہ و زبیر اور عائشہ زوجۂ رسول اکرم کی باہمی سازش سے وجود میں آیا تھا) کا تذکرہ کرتے ہوئے نقض بیعت کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:۔

فخرجوا یجرون حرمة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ. کما تجر الامة عند شرائھا متوجھین بھا الی البصرة، فحبسا نساءھما فی بیوتھما وابرزا حبیس رسول اللہ لھما و لغیرھما، فی جیش ما منھم رجل الا وقد اعطانی الطاعة وسمح لی بالبیعة طائعا غیر مکرہ۔ خطبہ ۱۷۲

چنانچہ انہوں نے اس طرح خروج کیا کہ حرم پیغمبر زوجۂ رسول کو اپنے پیچھے پیچھے یوں کھینچے پھرتے تھے جیسے کسی کنیز کو خرید و فروخت کے دوران ادھر سے ادھر کھینچے پھرتے ہیں یہ لوگ بصرہ کی طرف روانہ ہوئے انہوں نے اپنی بیویوں کو تو گھروں میں بند کئے رکھا اور پیغمبر کی زوجہ کو اپنے اور دوسروں کے غلط مقاصد کے حصول کے لئے میدان میں کھینچ لائے اور اپنے ساتھ ایسی فوج اکٹھا کر لی جس میں کوئی ایسا نہ تھا جس نے مجھ سے اطاعت کا عہد و پیمان نہ کیا ہو اور بغیر کسی جبر و اکراہ کے میرے ہاتھوں پر بیعت نہ کی ہو۔

بیعت ایک شرعی عہد

ایک دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ بیعت خود ایک شرعی عہد ہے جس کی پابندی واجب اور جس کا توڑنا حرام ہے ورنہ دوسری صورت میں حکومت کے امور میں تزلزل و بے ثباتی پیدا ہو جائے گی اور حکومت کے ارکان تفرقہ کا شکار ہو جائیں گے۔ ایک خط میں آپ معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

"لانھا بیعة واحدة لا یثنی فیھا النظر ولا یستأنف فیھا الخیار الخارج منھا طاعن والمروّی فیھا مداھن۔" (خط نمبر ۷)

بیعت ایک ہی مرتبہ ہوتی ہے۔ نہ اس میں نظرثانی کی گنجائش ہوتی ہے اور نہ اس سے پھرنے اور مکرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس سے منحرف ہونے والا نظام اسلامی میں خلل پیدا کرنے والا ہے اور تردد و تامل میں مبتلا ہونے والا منافق اور سازش کار ہے۔"

ایک جگہ آپؑ "زبیر ابن عوام" کے بیعت توڑنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یزعم انه قد بایع بیده ولم یبایع بقلبه فقد اقر بالبیعة وادعی الولیجة فلیأت علیها بامر یعرف والا فلیدخل فیما خرج منه" (خطبہ نمبر ۸)

وہ اس گمان میں ہے کہ اس نے صرف ہاتھ سے بیعت کی ہے دل سے نہیں، حالانکہ اس طرح وہ خود بیعت کا اقرار کرتا ہے اور اس بات کا مدعی ہے کہ دل سے وہ اس کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، لہٰذا اپنے دعوے کے ثبوت میں دلیل لائے ورنہ جس بیعت سے خارج ہوا ہے اسی کی طرف واپس پلٹ آئے۔

"مروان بن حکم" جب واقعۂ "جمل" میں اسیر ہوا اور امام حسینؑ کی سفارش پر آزاد کیا گیا تو لوگوں نے حضرتؑ سے عرض کی، کیا یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بیعت کرلے؟ تو آپؑ نے فرمایا:۔

"اولم یبایعنی بعد قتل عثمان؟ لاحاجة لی فی بیعته۔ انها کف یهودیة لو بایعنی بکفه لغدر بسبته" (خطبہ نمبر ۷۳)

کیا اس نے عثمان کے قتل کے بعد میری بیعت نہیں کی تھی؟ مجھے اس کی بیعت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ یہودیوں کی خصلت و عادت رکھتا ہے۔ اگر وہ ہاتھ سے بیعت کرے گا تو دل میں خیانت و فساد کی فکر کرتا رہے گا۔

"عمرو ابن عاص" جس نے حضرتؑ سے کنارہ کش ہو کر معاویہ کی بیعت اختیار کرلی تھی، اس سلسلہ میں اس کے فاسد مقاصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"انه لم یبایع معاویة حتی شرط ان یؤتیه اتیة ویرضخ له علی ترک الدین رضیخة" (خطبہ نمبر ۸۴)

اس نے معاویہ کی بیعت صرف اس شرط پر کی ہے کہ اسے بھی اپنا حصہ دار بنائے اور اس کے لئے

بھی کچھ مال معین کرے تا کہ دین انھوں سے دینے کے بدلے میں کچھ دنیا اسے مل سکے۔

یہاں امامؑ ایک اور نکتہ کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ہر بیعت شرعی و قانونی حیثیت کی حامل نہیں ہوا کرتی کیونکہ اگر بیعت تلوار کے زور، زر و سیم کی لالچ یا زور زبردستی اور سازشی ماحول میں امت کے واقعی اور حقیقی رہبر کے مقابلہ میں حاصل کی جائے تو نہ صرف وہ شرعی اعتبار سے کوئی اہمیت نہیں رکھتی بلکہ اسلام میں جاری اجتماعی و سیاسی نظام میں خلل اور رخنہ کا باعث ہوتی ہے۔ چنانچہ چند دین فروش اور رشوت خور افراد کا امامؑ کو چھوڑ کر معاویہ کی بیعت کرنا اس کی بہترین مثال ہے جس کی طرف امامؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔

مختصر یہ کہ بیعت و انتخاب سے مربوط اس بحث میں حسب ذیل چند باتیں سامنے آتی ہیں:۔

① بیعت جو اسلامی حاکم و رہبر کے انتخاب کا ایک طریقہ ہے بذات خود ایک شرعی اور قانونی حیثیت کی حامل ہے۔

② بیعت ان ہی حالات میں اہمیت رکھتی ہے جب رہبر و امام کی تعیین کے سلسلہ میں کوئی صریح اور واضح نص موجود نہ ہو۔

③ بیعت پورے شعور و آگہی کے ساتھ ہونی چاہئے یعنی جس کی بیعت کی جا رہی ہے اسلامی معیار کے مطابق اس کی پوری معرفت اور شناخت ہونی چاہئے۔

④ بیعت آزادانہ ماحول میں انجام پانی چاہئے، کسی جبر و اکراہ زور و زبردستی اور گھٹن کے ماحول میں نہ ہونی چاہئے ورنہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہو جائے گی۔

⑤ بیعت ایک طرح کا عہد و پیمان ہے اور بغیر کسی معقول دلیل کے اسے توڑنا خلاف شرع اور غیر قانونی ہے۔

یعنی، آج کی دنیا میں رائج حکومت یا حاکم کے انتخاب کا طریقہ جو بیعت ہی کے مانند ہے اگر مندرجہ بالا شرائط اور نکات کو پیش نظر رکھ کر انجام دیا جائے تو یہ طریقہ بھی شرعی، قانونی عرفی اور عقلی حیثیت سے صحیح ہے۔ ہاں اس بات کی بھرپور کوشش ہونی چاہئے کہ اس میں دھوکہ بازی ظاہر سازی اور دکھاوے کو کوئی دخل نہ ہو۔ کیونکہ آجکل کسی فرد کو حاکم کی شکل میں انتخاب کرنے کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ راستہ ہے عوامی راستہ۔

پانچواں باب

شوریٰ

اسلام میں حاکم اور رہبر کے انتخاب کا ایک دوسرا طریقہ شوریٰ ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں عمومی انتخاب کی طرح شوریٰ کی ضرورت بھی وہیں پیش آتی ہے جہاں ولی امر کی طرف سے جو خود الٰہی منصب دار ہوتا ہے۔ کسی حاکم یا رہبر کے انتخاب کے لئے کوئی صریح اور واضح نص موجود نہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر شوریٰ اپنے تمام لازمی شرائط کے ساتھ عملی شکل اختیار کرے تو حکومت اور حاکم کی تعیین میں بہترین کردار ادا کر سکتی ہے۔ اور نص و وصایت کی موجودگی کی صورت میں شوریٰ اس کی تائید اور انتصاب کو مزید استحکام عطا کر سکتی ہے تاکہ دوسروں کے لئے پھر کسی بہانہ یا عذر کی گنجائش باقی نہ رہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ شوریٰ حرف آخر اور فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتی۔

اب اگر حضرت علیؑ کے ارشادات میں شوریٰ سے متعلق کچھ ذکر ملتا ہے تو وہ اسی اعتبار سے ہے جس کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں۔ شوریٰ کے معتبر ہونے کی اصل بنیاد اس کی ترکیب و تشکیل کا طریقہ اور اعضائے شوریٰ میں پائے جانے والے خصوصیات ہیں۔ یہ ایک فطری اور طبیعی بات ہے کہ وہی شوریٰ معتبر اور شرعی حیثیت کی حامل ہوگی جو "ارباب حل و عقد" کا مجموعہ ہو۔ یعنی اس میں معاشرہ کے صالح ترین افراد اور سماج کے امور کی نگہبانی سے متعلق عوام کے مورد اعتماد اشخاص موجود ہوں۔ شوریٰ کے افراد کو دین و دیانت، تدبر و بصیرت، عہد و پیمان کا پاس رکھنے والا اور زیور تقویٰ سے آراستہ ہونا چاہئے، انہیں عام طور سے عوام میں مقبولیت حاصل ہو اور صاحبان بصیرت

ان کے کردار پر مہر تائید ثبت کریں۔

قرآن کریم نے شوریٰ کو مسلمانوں کے لئے ایک کلی اور قانونی منبع اور سرچشمہ کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔ (وامرھم شوریٰ بینھم) یعنی مسلمان اپنے مسائل و امور کو مشوروں کے ذریعہ حل کرتے ہیں۔ اس آیت میں "امر" سے مراد کیا ہے؟ یہ ایک الگ موضوع بحث ہے۔ لیکن جو بات مسلم ہے وہ یہ کہ اگر کلمۂ امر اپنے وسیع مفہوم کے اعتبار سے حکومت کے مسئلہ کو بھی اپنے دامن میں رکھتا ہے تو مندرجہ بالا شرائط اس مسئلہ کا روشن و واضح حصہ قرار پائیں گے۔ حضرت علیؑ کے ارشادات میں جگہ جگہ شوریٰ سے متعلق اشارے ملتے ہیں، جن میں سے یہاں ہم چند موارد ذکر کر رہے ہیں۔

آپؑ نے اپنے مشہور خطبۂ "شقشقیہ" میں جہاں پیغمبر اسلامؐ کے بعد خلافت کی افسوس ناک روداد بیان کی ہے، وہیں شوریٰ کا ذکر بھی فرمایا ہے۔ یہ وہ موقع تھا جب عمر ابن خطاب بستر مرگ پر تھے اور اپنے بعد خلافت کے لئے چھ آدمیوں کی ایک شوریٰ معین کردی تھی کہ یہ لوگ بیٹھ کر فیصلہ کریں اور کسی ایک شخص کو خلافت کے لئے منتخب کرلیں چنانچہ مذکورہ خطبہ میں اس شوریٰ سے متعلق ملتا ہے کہ :-

(۱) "... حتیٰ اذا مضیٰ لسبیله جعلها فی جماعة زعم أنی احدهم فیاالله و للشوریٰ ! متی اعترض الریب فی مع الاول منهم حتیٰ صرت اقرن الیٰ هذه النظائر ..." (خطبہ نمبر ۳)

اور جب ان کا (خلیفۂ دوم کا) دور تمام ہونے لگا اور انہوں نے اپنی راہ اختیار کی تو خلافت کو چند افراد کے درمیان قرار دے دیا کہ ان کے خیال میں میں بھی ان میں سے ایک تھا۔ اس شوریٰ سے خدا کی پناہ !! ان میں سے نفر اول کے مقابلہ میں ہی میرے استحقاق میں کب کوئی شبہ تھا کہ آج میں اس طرح کے مذموم افراد میں بھی شامل کر دیا گیا ہوں ...؟"

حقیقی اور واقعی شوریٰ وہ ہے جس میں امور مسلمین کے حل و فصل کے لئے نیک اور صالح ترین افراد عوام کے ذریعہ منتخب کئے جائیں۔ آخر یہ کون سی شوریٰ ہے جس میں ایک خاص شخص اپنی مخصوص ترکیب و ترتیب کے تحت افراد کا تعین کرے اور پہلے ہی سے ان کی پالیسی اور

طریقۂ کار بھی معین کر دے؟ مورخین کے مطابق اس شوریٰ کی تشکیل کچھ اس طرح عمل میں آئی کہ:-

جب "عمر بن الخطاب" کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے امر خلافت کو ایک چھ رکنی کمیٹی (شوریٰ) کے حوالہ کر دیا۔ یہ چھ افراد وہ تھے جنہیں بقول ان کے پیغمبر اسلامؐ نے جنت کی بشارت دی تھی، آپ نے انھیں اس پر مقرر کر دیا کہ اپنے درمیان سے کسی ایک کو خلافت کے لئے چن لیں۔ یہ چھ افراد "حضرت علیؑ، عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف" تھے۔ عمر نے ان چھ آدمیوں کا نام لیا اور کہا کہ: "سعد ابن ابی وقاص درشت خو اور تیر کمان والے شخص یعنی جنگجو ہیں۔ عبدالرحمٰن بن عوف لوٹنے اور دولت ہیں، اور اگر عثمان کو خلافت مل جائے گی تو وہ "بنی امیہ" اور "بنی ابی معیط" کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دیں گے۔ طلحہ متکبر و خود خواہ، اور "زبیر" بخیل و خسیس ہیں۔ پھر علیؑ کی طرف رخ کر کے کہا:-

"للّٰہ انت لولا دعابۃ فیک، اما واللّٰہ لئن ولیتم لتحملنّہم علی الحق الواضح والمحجۃ البیضا"

اگر آپ میں شوخ طبعی نہ ہوتی تو خدا نے خلافت کی صلاحیت آپ کو عطا کی ہے۔ خدا کی قسم اگر آپ مسلمانوں کی زمام اپنے ہاتھ میں لے لیں تو ان کو حق کی شاہراہ اور نورانی جادہ کی طرف رہبری فرمائیں گے۔

مختصر یہ کہ اس کے بعد "عمر" نے "ابوطلحہ انصاری" کو مامور کیا کہ پچاس مسلح جوانوں کو لے کر اس شوریٰ پر نظر رکھو اور کسی کو ادھر ادھر نہ ہونے دو اگر ان لوگوں نے کسی مثبت اور مطلوب نقطہ پر اتفاق رائے کر لیا تو خیر ورنہ اختلاف کی صورت میں اگر ایک یا دو شخص مخالف رائے کا اظہار کریں تو انھیں قتل کر ڈالنا اور اگر تین افراد کسی ایک کے انتخاب پر متفق اور تین مخالف ہوں تو ان میں سے ان تین افراد کا نظریہ معتبر ہوگا جن میں عبدالرحمٰن بن عوف ہوں گے اور بقیہ تینوں کی گردنیں اڑا دینا!!

(شرح نہج البلاغہ، ابن ابی الحدید جلد ۱ صـ۶۳ و صـ۶۳ اور شرح فیض الاسلام)

اس شوریٰ کی حقیقت؟

۱۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضرت علیؑ کے حق میں پیغمبر اسلامؐ کی صریحی اور واضح نص موجود ہوتے ہوئے یہ شوریٰ کوئی اعتبار وحیثیت رکھتی تھی؟

۲۔ قانونی دائرہ میں رہتے ہوئے عوام کی رائے اور نظریات سے منتخب ہونے والی شوریٰ ہی صحیح اور معتبر شوریٰ ہوا کرتی ہے۔ جبکہ اس شوریٰ میں نہ تو عوام کو کوئی دخل تھا اور نہ اس کے ارکان عوامی نمائندے تھے بلکہ خلیفہ کی طرف سے منصوب کئے گئے تھے۔

۳۔ کیا خلیفہ کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنے بعد کے لئے خود اپنے ہاتھوں کوئی شوریٰ تشکیل دے؟ یہ مسئلہ بھی قابل سوال ہے۔

۴۔ آخر یہ کیسی شوریٰ ہے جس میں کسی نقطہ پر مخالف موافق آراء کی برابری کی صورت میں "عبدالرحمٰن بن عوف" جیسے کروڑپتی اور "قارون وقت" کو حقانیت کا معیار قرار دیا گیا؟ جبکہ یہ شخص خود خلیفہ کی تنقید کا نشانہ بھی بن چکا ہے۔ آخر عبدالرحمٰن ایک مالدار ہونے کے علاوہ اور کیا تھے؟

۵۔ جبکہ خود خلیفہ کی نگاہ میں شوریٰ میں شامل افراد نقائص اور خرابیوں سے پاک نہ تھے تو اولاً یہ لوگ پیغمبرؐ کی طرف سے جنّت کی بشارت کے حقدار کیسے ہوتے اور دوسرے یہ کہ ان تمام خرابیوں کے ہوتے ہوئے یہ لوگ اسلام اور امت اسلام کے اہم ترین مسئلہ کو حل کرنے کے مجاز کس طرح بن گئے؟

۶۔ جب خلیفہ کو خود اس کا اقرار تھا کہ ان میں صرف علیؑ ہی ایسے ہیں جو امت اسلام کی طوفان زدہ کشتی کو ساحل نجات سے ہمکنار کر سکتے ہیں اور انھیں صراط مستقیم اور شاہراہ حق کی ہدایت کر سکتے ہیں اس کے باوجود صرف اتنی سی بات پر کہ چونکہ علیؑ شوخ طبع ہیں، لہٰذا اسے ان کا عیب قرار دیا گیا!! سمجھ میں نہیں آتا کہ کس منطق، کس ثقافت و تمدن اور کس سماج و معاشرہ میں خندہ لبی اور مزاح کو نقص اور جرم قرار دیا گیا ہے؟

۷۔ وہ شوریٰ جو پچاس مسلح افراد کی تلواروں کے سایہ میں کسی مسئلہ کو حل کرنے پر مامور ہو

آخر کیسی شوریٰ ہوگی اور آخر وہ کس طرح آزادانہ طور پر کوئی فیصلہ کر سکتی ہے؟

۸۔ اگر پہلے سے طے شدہ ہدایات کی بنیاد پر شوریٰ میں شامل مخالف افراد یا گروہ کا خون بہا دیا جاتا تو خدائے عادل کی بارگاہ میں اس کا جواب دہ کون ہوتا؟ (مقتول تو پیغمبر کی بشارت کے تحت جنت کا حقدار ہوتا قاتل یا قتل کا حکم دینے والے کی منزل کیا ہوتی)

مختصر یہ کہ مذکورہ خصوصیات کے تحت یہ شوریٰ ایک ہنگامی اقدام تھا جس کی گنجائش کسی نظام یا کسی قانون میں نظر نہیں آتی۔

یہی مندرجہ بالا یا اس قسم کے دوسرے نکات تھے جن کے پیش نظر امامؑ نے۔ "یا للہ وللشوریٰ" (میں ایسی شوریٰ سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگتا ہوں) فرمایا تھا۔ اس کے بعد حضرت مزید فرماتے ہیں:۔

لکنی اسففت اذا سفوا وطرت اذ طاروا فصغا رجل منهم لضغنه
ومال الآخر لصهره مع هن وهن"۔ خطبہ نمبر ۳

اس کے باوجود میں ان کے قدم بہ قدم (نباہ کے طور پر ہر طرح کے) نشیب و فراز طے کرتا رہا چنانچہ ان میں سے ایک اپنے کینہ و عناد کے سبب حق سے منہ پھیر لیا (یعنی سعد ابن ابی وقاص جو عبدالرحمٰن بن عوف کا چچیرا بھائی ہے) اور دوسرا رشتہ دار اور بہنوئی ہونے کے سبب منحرف ہوگیا (یعنی عبدالرحمٰن بن عوف جو عثمان کا بہنوئی تھا) اور بقیہ بھی اسی طرح اپنے اپنے راستہ ہو لئے۔"

امامؑ پہلے سے ترتیب شدہ اس شوریٰ میں اس لئے شامل ہوئے کہ اسلام کو زوال و بربادی اور امت کو تفرقہ و پراگندگی سے محفوظ رکھ سکیں ساتھ ہی ان لوگوں کے سارے عذر اور بہانوں کا بھی منہ بند کر دیں جو ان کے مسلم حق کو ضائع کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ورنہ آپ خود اس شوریٰ کی حقیقت سے بے خبر نہیں تھے اور اس کے نتائج سے پہلے خبردار فرما چکے تھے۔

حق کا دفاع بہرحال لازم ہے۔ چاہے ان اصولوں کا ہی سہارا نہ لینا پڑے جنہیں طرف مقابل مانتا اور قبول کرتا ہو۔ اور طریقہ منطق میں فن صناعت "جدل" کے نام سے ایک مستقل باب

کی حیثیت رکھتا ہے۔ یعنی مقابل سے اس طرح گفتگو کی جائے کہ وہ لاجواب رہ جائے اور اس کی مغالطہ دینے یا سفسطہ میں ڈالنے کی ساری راہیں مسدود ہو جائیں، تاکہ پھر اسے بحث و مباحثہ کی ہمت نہ ہو۔

مذکورہ بالا نکتہ کو نظر میں رکھتے ہوئے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنی خلافت حقہ کو ثابت کرنے کے لئے معاویہ کو جو خط تحریر فرمایا اس میں (پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے نصوص اور جانشینی کے اعلان سے قطع نظر کرتے ہوئے ۔ کیونکہ دشمن انھیں تسلیم نہیں کرتا تھا ۔) آپ نے انھیں اصولوں سے استفادہ کیا ہے جنھیں بظاہر معاویہ بھی مانتا اور تسلیم کرتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؑ کی خلافت سے پہلے خلیفہ و رہبر کے انتخاب کے سلسلہ میں دو چیزیں بنیاد اور محور کی حیثیت رکھتی تھیں ۔ بیعت اور شوریٰ۔ لہٰذا قطع نظر اس سے کہ حضرت کی نگاہ میں ان دونوں طریقوں میں نقائص اور خرابیاں موجود تھیں اور حضرت نے دوسری جگہوں پر اس کا ذکر بھی فرمایا ہے، لیکن چونکہ امامؑ معاویہ سے مخاطب ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ کسی اصول کا پابند نہیں ہے۔ وہ عثمان کے قتل کو بہانہ بنا کر حضرتؑ کی حکومت میں خلل اندازی کرنے اور پوری اسلامی حکومت پر امویوں کو قبضہ اور اقتدار دلانے کا درپے ہے اور ایسا شخص کسی بھی صورت میں مسلمانوں کا حاکم نہیں ہو سکتا۔ اس لئے آپؑ نے معاویہ کے نام اپنے خط میں بیعت و شوریٰ کا سہارا لیتے ہوئے اس کی مذمت کی ہے کہ تو جن اصولوں کو مانتا ہے ان کے مطابق بھی حق سے روگرداں ہو چکا ہے اور تمام الٰہی سنتوں اور دینی و معاشرتی بنیادوں کے خلاف بغاوت کا پرچم بلند کئے ہوئے ہے۔ حضرت کا خط یہ ہے :-

انہ بایعنی القوم الذین بایعوا ابابکر و عمر و عثمان، علی ما بایعوھم علیہ، فلم یکن للشاھد ان یختار ولا للغائب ان یرد - وانما الشوریٰ للمھاجرین والانصار فاذا اجتمعوا علی رجل وسموہ اماماً کان ذالک للّٰہ رضیً، فان خرج عن امرھم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الیٰ ماخرج منہ فان ابیٰ قاتلوہ علیٰ اتباعہ غیر سبیل المؤمنین

وولاہ الله ما تولیٰ خطعہ

"حقیقت یہ ہے کہ لوگوں نے جس اصول کے مطابق ابوبکر و عمر و عثمان کی بیعت کی تھی اسی اصول کی بنا پر میری بیعت بھی کی۔ چنانچہ جو بیعت کے وقت موجود تھے نہ ان کو خودمختاری کا حق ہے اور نہ غائبین کو اس سے بغاوت و سرتابی کا اختیار۔ اور حقیقتاً شوریٰ مہاجرین اور انصار کی تھی پس جب وہ (اجتماعی طور پر) کسی شخص کو امامت و رہبری کے لئے منتخب کرلیں وہی اللہ کی رضا بھی قرار پائے گی۔ اب اگر کوئی اعتراض یا بدعت کے ذریعہ ان لوگوں کے طے شدہ فیصلے سے خارج ہوجائے تو مسلمان اسے عمومی فیصلہ کو تسلیم کرنے پر مجبور کریں گے اور اگر وہ اس سے انکار کرے گا تو اس سے جنگ کریں گے۔ کیونکہ اس نے امت کے خلاف راہ اختیار کی ہے اور اس نے جدھر کی راہ لی ہے، خدا بھی اسے اس کے نتیجہ تک پہنچا دے"

چند نکتوں کی وضاحت

(۱) یہاں مخاطب معاویہ ہے جس پر بیعت لازم کی جارہی ہے کیونکہ وہ ایک باغی اور آتش افروز عنصر ہے۔ اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو اس کے فساد کی آگ پوری دنیائے اسلام کو اپنی لپیٹ میں لے لیگی۔ لہٰذا معاویہ جیسے افراد کو چھوڑ دینا اور ان سے چشم پوشی کرنا بھی گویا سازشں و فساد کو بڑھاوا دینے میں دشمن کی مدد کرنا ہے۔ اسی لئے امام نے مضبوط و محکم دلائل کے ذریعہ بیعت سے اس کی خلاف ورزی اور انکار کو ناقابل معافی جرم قرار دیا ہے اور اس کے مقابلہ میں آئندہ اقدامات کے سلئے زمین فراہم کی ہے۔

(۲) ایسے مخاطب کے سامنے اسی طرح کی دلیلیں پیش کرنا چاہیں جنھیں مخاطب مانتا ہو یا انھیں قبول کرنے پر مجبور ہو۔ یہی وجہ ہے کہ امام بیعت کو گفتگو کا محور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: جس طرح لوگوں نے خلفائے ثلاثہ کی بیعت کی تھی اور تیرے جیسے لوگوں نے بھی اسے قبول کیا تھا یوں ہی لوگوں نے اس روش پر میری بیعت کی ہے۔ اب تیرے جیسے افراد ادھر ادھر کے جھوٹے بہانے تراش کر نہ اپنے کندھوں سے بیعت کا بار اتار سکتے اور نہ سازشیں ہی پھیلا سکتے ہیں۔

(۳) شوریٰ کا مطلب یہ ہے کہ مہاجرین و انصار کے ارباب حل و عقد کسی ایک بات پر

کامل اتفاق و اتحاد کریں۔ چنانچہ اگر سب مل کر کسی شخص کو خلافت کے لئے منتخب کریں تو تمام لوگوں پر اس کا اتباع اور پیروی لازم و واجب ہوگی اور اس سے انکار کسی صورت میں جائز نہ ہوگا۔ اور اسی مفروضہ کے تحت اگر واقعی مکمل اتفاق رائے ہو جائے تو یہی خدا کی رضا بھی قرار پائے گی۔

امام نے اپنے اس کلی بیان میں کسی مصداق کا تعین نہیں فرمایا ہے کہ یہ سوال پیدا ہو کہ کیا ہر شوریٰ کو خدا کی رضا حاصل ہے؟ بلکہ موضوع سخن چونکہ آپ کی خلافت اور عوام کی تائید ہے لہٰذا اقدار مسلم کے تحت اس سے مراد آپ ہی کی خلافت ہوگی۔ کیونکہ عمومی طور پر لوگوں کی بیعت کے علاوہ پیغمبر اسلامؐ کی طرف سے صریحی نصوص سے بھی آپ کی خلافت کو مضبوطی اور استحکام بخشی ہے۔ اور یہ بات تو واضح اور بدیہی ہے کہ جس شوریٰ یا انتخاب میں ارباب حل و عقد نہ ہوں اور امت اسلامیہ کے مشخص اور نمایاں چہرے اس میں شرکت نہ کریں، اس کو نہ تو قانونی حیثیت حاصل ہوگی اور نہ خدا کی رضا کا اس سے کوئی تعلق ہوگا۔

۴۔ اسلامی قانونی شوریٰ کے فیصلوں سے انکار اگر سازش، خلل اندازی یا بدعت پھیلانے کی غرض سے کیا جائے تو یہ اقدام ہرگز قابل تحمل نہ ہوگا۔ ایسے مجرم سے پوری سختی کے ساتھ جنگ کی جائے گی، یہاں تک کہ وہ شوریٰ کے فیصلہ کو تسلیم کرلے یا پھر سر اٹھانے کے قابل نہ رہ جائے۔ یہ وہی معاویہ اور اس جیسے دوسرے افراد کی مثال ہے۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ بغاوت اور فتنہ و فساد پھیلانے نیز مقابلہ آرائی کے لئے نہ اٹھیں، ان کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوگا۔

شوریٰ کی قانونی حیثیت

امامؑ ایک اور مقام پر مخالفین کے خلاف اقدام کی نوعیت اور کسی رہبر یا امام کے انتخاب میں ارباب حل و عقد کی شرکت کا حقیقی و واقعی مفہوم واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایها الناس ! ان احق الناس بهذا الامر اقواهم علیه واعلمهم بامر الله فان شغب شاغب استعتب فان ابیٰ قوتل و لعمری لئن

کانت الامامة لا تنعقد حتی یحضرها عامة الناس فما الی ذلک سبیل ولکن اہلہا یحکمون علی من غاب عنہا. ثم لیس للشاہد ان یرجع ولا للغائب ان یختار۔ الا والی اقاتل رجلین، رجلا ادعی مالیس لہ وآخر منع الذی علیہ"
(خطبہ نمبر ۱۷۳)

سنو لوگو! تمام افراد میں اس امر (خلافت) کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو نظم ونسق قائم کرنے میں سب سے زیادہ قوی اور بغدا کے احکام کا سب سے زیادہ عالم ودانا ہے۔ اب اگر ایسے رہبر یا امام کے مقابلہ میں کوئی فتنہ پردازی یا طغیان سے کام لے تو پہلے اس سے توبہ کرنے اور حق کے آگے تسلیم ہونے کا مطالبہ کیا جائے گا اور اگر اس سے انکار کرے گا تو اس سے جنگ کی جائے گی۔ اپنی جان کی قسم! اگر یہ طے ہو کہ امامت ورہبری عمومی طور سے تمام لوگوں کی حاضری اور ان کی تائید کے علاوہ کسی طرح متحقق نہیں ہو پائے گی تو یہ ایسی چیز ہے جو محال اور ناقابل عمل ہے۔ لیکن اگر ارباب حل وعقد خلافت وامامت کے سلسلہ میں کوئی فیصلہ کریں تو ان کا فیصلہ غائب افراد کو بھی قبول کرنا چاہئے۔ اور ایسی صورت میں نہ حاضرین کے لئے اس سے انکار کی گنجائش باقی رہتی اور نہ غائبین کے لئے یہ روا ہے کہ اس کے خلاف اپنی من مانی کریں۔ یاد رکھو میں دو طرح کے افراد سے ضرور جنگ کروں گا: ایک وہ جو بلا استحقاق اس چیز کا دعوی کرے جس کا وہ مستحق نہ ہو اور دوسرا وہ جو حق سے انحراف کرے اور اپنے عہد وپیمان کا پابند نہ ہو۔

چند دیگر اہم باتیں

۱) رہبری وامامت کے شرائط جن میں حکومت کے نظم ونسق کی قوت وصلاحیت امامت کا سنگین بار اٹھانے کی طاقت ساتھ ہی دین کے مختلف پہلوؤں کا علم اور ان کی شناخت نیز قیادت کے اصولوں کو اہم شرائط کے عنوان سے ذکر کیا جا چکا ہے مذکورہ شرائط کے نہ ہونے کی صورت میں، کوئی شخص بھی رہبری کا سزاوار وحقدار نہیں ہو سکتا۔ چاہے اسے منتخب کرنے کے سلسلہ میں شوریٰ یا انتی ب سے کیوں نہ کام لیا گیا ہو۔ خصوصیت سے ایسے حالات میں اس منصب کے لئے معاشرہ میں ایک صالح ترین، عالم ترین، قوی ترین اور متقی ترین

شخص بھی موجود ہو۔

۲، خلافت اور حکومت کے خلاف فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کو پہلے مرحلہ میں پند و نصیحت کے ذریعہ حق کو قبول کرنے کی دعوت دی جائے گی لیکن اگر وہ اپنی فتنہ پردازی سے باز نہ آئیں تو ان سے جنگ کر کے انکا سر کچل دینا چاہئے۔ اور یہ اقدام ایسے لوگوں کے ساتھ ہونا چاہئے جو بلا استحقاق حاکمیت کا دعویٰ کریں، یا اس عہد و پیمان سے پھر جائیں جس میں عام مسلمانوں کی مصلحت و منفعت پوشیدہ ہو۔

۳، کسی کے انتخاب کے لئے عمومی شرکت کا مطلب ایک ایک فرد کی حاضری نہیں ہے کیونکہ ایسا ہونا قطعی ناممکن ہے۔ ایک ملت اور ایک قوم کے افراد مختلف علاقوں اور مختلف شہروں میں زندگی بسر کرتے ہیں اور کسی طرح بھی ممکن نہیں کہ قوم کی ایک ایک فرد کسی حاکم و رہبر کے انتخاب میں شریک ہو کر اپنی رائے پیش کرے۔ اس لئے انتخاب یا شوریٰ میں قوم کے نمایاں افراد اور وہ اشخاص جنھیں قوم کا اعتماد حاصل ہوتا ہے یا دوسرے لفظوں میں ارباب حل و عقد یا عوام کے نمائندوں کا حاضر ہونا اور ان کا تائید کرنا ہی کافی ہے۔ ایسی صورت میں اس شوریٰ کے فیصلے تمام لوگوں کے لئے قابل قبول ہونے چاہیں اور کسی کو ایسی حکومت کے خلاف صف آرائی کرنے اور اس سے ٹکرانے کا حق نہیں پہنچتا۔

حاکم کے انتخاب کی آزادی

گزشتہ بحثوں کے ذریعہ حکومت کے برسر کار آنے کے طریقے معلوم ہو گئے۔ اور نص، بیعت اور شوریٰ کی بحثیں ایک حد تک مشخص ہو گئیں۔ لیکن جو مسئلہ دوبارہ توجہ کا طالب ہے۔ حاکم و رہبر کے انتخاب کے سلسلہ میں عوام کی آزادی کا مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی حیات سے وابستہ اس مسئلہ میں بلا نعرہ، زبردستی کے پوری آزادی ہی مؤثر کردار ادا کر سکتی ہے۔ اگرچہ گزشتہ بحثوں میں اس مسئلہ پر روشنی پڑ چکی ہے لیکن ہم یہاں اسے مزید واضح و مکمل کرنے کے لئے چند دوسرے موارد کا ذکر بھی کرتے ہیں؛

ہم پہلے بھی یہ بات زور دیکر کہہ چکے ہیں کہ اسلام نے انسان کی بنیادی آزادی کو بڑی

بھی قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھئے یہ وہ اصل و قانون ہے جو قرآن و سنت، سیرت اور اسلام کی کھری سیاست میں اپنا ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ اسلام کی نگاہ میں انسان کسی بے جان آلہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ جو لے جسطرح چاہے استعمال کرلے۔ آزادی انسان کا ایک مخصوص امتیاز ہی نہیں بلکہ اس کا سب سے نمایاں اور ممتاز افتخار بھی ہے۔ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"لا تکن عبد غیرك وقد جعلك اللہ حراً" (خط نمبر ۳۱ اپنے فرزند امام حسن مجتبیٰ کو وصیت)

غیر کا بندہ نہ بن کیونکہ خدا نے تجھے آزاد خلق فرمایا ہے۔

اصولی طور پر انسان سے اس کی آزادی چھین لینے کا مطلب اس پر سب سے بڑا ظلم ہے۔ یہ ویسے ہی ہے گویا اس کی سب سے بیش قیمت شئے پر ڈاکہ ڈالا گیا ہو، اور اس کی عظمت و شرف اور اختیارات کو قدموں تلے روند ڈالا گیا ہو۔ اسی بنا پر ہم پیغمبر اکرمؐ اور ان کے اوصیاء کرام کی سیرت میں اس واقعیت کا عملی طور پر مشاہدہ کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ جو پوری امت میں اسلام سے سب سے زیادہ باخبر، پیغمبر اکرم سے سب سے زیادہ نزدیک اور تمام انسانوں میں انسانی معاشروں کی پوری تاریخ سے سب سے زیادہ آگاہ اور باعلم فرد کی حیثیت رکھتے ہیں، اپنے ارشادات میں بہت سے مقامات پر مذکورہ اصل و قانون کی اہمیت کا اظہار کرتے ہیں اور آزاد فکری کی منطق کے تحت لوگوں سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

چند مثالیں

جب آپؑ اصحاب جمل کا سر کچلنے کے لئے مدینہ سے بصرہ کی جانب عازم سفر تھے تو اہل کوفہ کو اپنے ایک خط میں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اما بعد فانی خرجت من حیی ھذا اما ظالماً و اما مظلوماً و اما باغیا و اما مبغیا علیه و انی اذکر اللہ من بلغه کتابی ھذا لما نفر الی فان کنت محسناً اعاننی و ان کنت مسیئاً استعتبنی"

(خط نمبر ۵۷)

اللہ کی حمد و ثنا کے بعد - میں اپنے دیار سے جہاد کے لئے نکل پڑا ہوں (اب غیروں کے خیال کے مطابق یا میں ظالم ہوں یا مظلوم، یا مجھ سے بغاوت کی گئی ہے یا میں خود باغی ہوں - جن لوگوں تک میرا یہ خط پہنچے میں ان سے چاہتا ہوں کہ خدا کو یاد رکھیں اور میری جانب تیزی کے ساتھ پیش قدمی کریں - چنانچہ اگر مجھے نیکوکار اور صحیح اقدام کرنے والا پائیں تو میری مدد کریں اور اگر مجھے گناہگار اور نااہل دیکھیں تو مجھ سے دوری اختیار کرلیں -"

حضرت علیؑ نے حقانیت پر پورے علم و یقین کے ساتھ جس راہ کا انتخاب فرمایا، فکر سلیم رکھنے والوں کو اس کے بارہ میں فیصلہ کی دعوت دی ہے کہ وہ غور و فکر سے کام لیں - امام کی روش کا جائزہ لیں اور مخالفوں کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں - اس کے بعد دیکھیں کہ ظالم کون ہے اور مظلوم کون؟ اور جب یہ فیصلہ کرلیں کہ حق کس کے ساتھ ہے تو اس کی نصرت کے لئے آگے بڑھیں - حضرت کا یہ بیان ڈیموکریسی، آزاد اندیشی اور فکری بیداری کے ساتھ انتخاب کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے - درحقیقت پوری بیداری و آزادی کے ساتھ، اور کسی مصنوعی فضا، دباؤ اور اندھی تقلید سے دور رہ کر خوب سوچ سمجھ کر کیا جانے والا انتخاب ہی عمل کی صحیح اساس و بنیاد ہے -

اہل بصرہ کی ایک جماعت نے "کلیب جرمی" نامی ایک شخص کو اپنا نمائندہ بنا کر حضرت علیؑ کی خدمت میں روانہ کیا - حضرتؑ اہل جمل کی سرکوبی کے لئے بصرہ کے قریب پہنچ چکے تھے - یہ شخص حضرتؑ کی خدمت میں اس لئے بھیجا گیا تھا کہ سارے حالات اور اس جنگ کے اسباب و مقاصد سے آگاہی حاصل کرے اس کے نتائج سے ان لوگوں کو باخبر کرے - حضرتؑ نے اس کے سامنے حقیقت حال کی وضاحت فرمائی - ان حالات کے پس منظر میں امام کی حقانیت اس شخص پر واضح ہوگئی - اس کے بعد امامؑ نے اس سے فرمایا کہ اب جبکہ ساری حقیقت تم پر روشن ہو چکی ہے میری بیعت کرلو - اس نے جواب دیا کہ میں کچھ لوگوں کا نمائندہ بن کر آیا ہوں، اور ان سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاؤں گا - امام نے اس کے جواب میں فرمایا :-

ارأیت لو انّ الّذین ورائک بعثوک رائداً تبتغی لھم مساقط

الغيث فرجعت اليهم واخبرتهم عن الكلاء والماء فخالفوا الى المعاطش والمجادب ما كنت صانعاً؟ قال كنت تاركهم ومخالفهم الى الكلاء والماء۔

فقال عليه السلام : فامدد اذاً يدك . فقال الرجل : فو الله ما استطعت ان امتنع عند قيام الحجة علي فبايعته عليه السلام

(خطبہ نمبر ۱۷۰)

"فرض کرو: جن لوگوں نے تمہیں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے کہ ان کے لئے بارش سے سیراب سرسبز وشاداب زمین تلاش کرو اور تم انھیں واپس جا کر آب اور سبزہ زار کا سراغ دیتے ہو لیکن وہ لوگ تمہاری اطلاع کے برخلاف ریگزار اور بنجر زمین کی طرف چلے جائیں۔ اس وقت تم کیا کروگے؟ اس شخص نے جواب دیا: میں یقیناً ان کی ہمراہی ترک کردوں گا اور آب و سبزہ زار کا رخ کروں گا۔ امامؑ نے فرمایا اگر ایسا ہے تو ہاتھ آگے بڑھاؤ اور بیعت کرو۔ اس شخص نے کہا: خدا کی قسم امامؑ کی طرف سے حجت قائم ہوجانے کے بعد میرے لئے تأمل اور انکار کی گنجائش نہ رہی اور میں نے حضرت کی بیعت کرلی۔"

یہ وہ بیعت ہے جو پوری آگاہی اور آزادی کے ساتھ عمل میں آئی ہے۔ امامؑ دلیل پیش کرتے ہیں کہ بیعت کا مسئلہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ دوسرے اس کے ذمہ دار وجواب دہ ہوں بلکہ اس سلسلہ میں آدمی خود اپنا ذمہ دار ہے، وہ اپنی خداداد عقل سے خوب سوچ سمجھ کر خود فیصلہ کرے۔ اپنی گفتگو کے دوران امام نے جو مثال پیش کی ہے اس میں ایک ص لطافت پائی جاتی ہے اور طرف مقابل کو بڑی سادگی اور آسانی سے مطلب کی طرف جہ اور حقیقت کی جانب مائل کردیتی ہے۔ ایک اور مثال۔ جب قتل عثمان کے بعد ل نے آپ کی بیعت کرنا چاہی تو فرمایا:-

دعوني والتمسوا غيري، فانا مستقبلون امراً له وجوه والوان لا تقوم له القلوب ولا تثبت عليه العقول، وان الآفاق قد اغامت والمحجة قد تنكرت واعلموا انى ان اجبتكم ركبت

بکم ما اعلم ولم اصغ الی قول القائل وعتب العاتب وان ترکتمونی
فانا کاحدکم ولعلّی اسمعکم واطوعکم لمن ولیتموہ امرکم
وانا لکم وزیراً خیر لکم منی امیراً" (خطبہ نمبر ۹۲)

لوگو! مجھے چھوڑ دو اور (اس امر خلافت کے لئے) کسی دوسرے کو راضی کرو۔ درحقیقت ہمارے سامنے ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے چہرے اور رنگ و روپ بدلتے رہتے ہیں۔ جس پر نہ دل قابو میں رہتے ہیں اور نہ عقلیں کسی فیصلے پر ثابت و استوار رہتی ہیں۔ پورے افق پر ظلمتوں کا ڈیرہ ہے اور یہ راہ بڑی کٹھن ہے۔ میں تمہیں آگاہ کئے دیتا ہوں کہ اگر میں نے تمہیں مثبت جواب دیا اور خلافت قبول کر لی تو اپنے علم کے مطابق عمل کروں گا اور کسی شخص کے اعتراض یا ملامت پر کان نہ دھروں گا۔ اور اگر تم نے مجھے چھوڑ دیا تو میں بھی تم میں کی ایک فرد بن کر رہوں گا۔ اور تم جس کو اپنا ولی و حاکم منتخب کرو گے، علی سب سے زیادہ اس کی بات سننے والا اور سب سے زیادہ اس کی بات پر عمل کرنے والا ہو گا۔ تمہارا حاکم و فرمانروا بننے سے بہتر ہے کہ میں تمہارا وزیر اور مددگار رہوں۔

سیاست و حکومت کی پوری تاریخ میں کبھی یہ بات دیکھی نہیں گئی کہ وہ حاکم جس کی بیعت کرنے اور جس کو اپنا فرمانروا بنانے کے لئے لوگ ٹوٹے پڑ رہے ہوں اسے اس طرح کی باتیں کرے۔ اور یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ کیونکہ خلافت و حکومت علیؑ کا اصل مقصد کبھی نہیں رہا، نہ ہی بنیادی طور پر اس میں انہیں کوئی جاذبیت اور کشش ہی نظر آئی۔ ان کے یہاں اسلام اور حریم اسلام کے تحفظ کی ذمہ داری کے سوا کوئی دوسرا تصور ہی نہیں پایا جاتا۔ ان کی عملی روش کا صرف ایک ہی محور و مقصد ہے اور وہ ہے رضائے پروردگار اور اللہ کے بندوں کی فلاح۔ مشورے دینے والوں، ملامت کرنے والوں یا باتیں بنانے والوں کی باتیں انہیں اس محور سے الگ نہیں کر سکتیں۔ بہرحال لوگوں کو پورا پورا اختیار ہے کہ جس کی چاہیں اس کی بیعت کریں۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ بیعت خوب سوچ سمجھ کر اور صحیح تشخیص کی بنیاد پر ہو۔ امامؑ نے اس نکتہ کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ اور یہ تمام باتیں ان کی صلاحیت اور ان کے مسلم حق سے قطع نظر

بھی امر خلافت میں ان کے استحقاق کو ثابت کرتی ہیں۔

حکومت کے سلسلہ میں یہ ہے وہ علوی سیاست ہے۔ جس پر آپ روز اول سے آخر تک عمل پیرا رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ روش اقتدار کے بھوکے حرفہ باز سیاست مداروں کی نگاہوں کو نہیں جچتی، کیونکہ وہ اقتدار و تسلط، مکر و فریب اور ڈکٹیٹر شپ کو حاکمیت کا محور قرار دیتے ہیں۔ لیکن جہاں آدمی ان تمام بندشوں سے آزاد ہو، وہاں یہ چیزیں عملی قوت و توانائی نہیں رکھتیں۔ جو لوگ دنیا کا ازلی و ابدی پہلوؤں سے مطالعہ کرتے ہیں اور حق کی حکومت کو بنیاد و اساس قرار دیتے ہیں اور جاودانی و ابدی حکومت کو فضیلتوں کا محور تسلیم کرتے ہیں ان کے لئے یہ چند روزہ حکومت نہ کوئی حیثیت رکھتی ہے نہ ہی ان کا اصل مقصد و محور بن سکتی ہے۔

افسوس تو یہ ہے کہ ان دو سیاسی خطوں کے درمیان خلافت و حکومت کو شطرنج کے مہرہ کی طرح ایسے لوگوں کے ہاتھوں کا کھلونا دیکھیں جو ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کے چکر میں کسی طرح کی مہرہ چینی، فریب کاری اور فساد و سازش سے دریغ نہ کرتے ہوں اور صالح و نیکو کار حکام کو گوشہ نشین بنا کر انھیں ان کے حق سے محروم کر دیں جس کا نتیجہ یہ ہو کر تمام اسلامی مقدسات پامال ہو کر رہ جائیں اور عوام، جنھوں نے ایسے حکام اور سیاستمداروں کو اپنے کاندھوں پر سوار کر لیا ہے خود اپنے ہی ہاتھوں تباہی و بربادی کا شکار ہو جائیں اور ان کے شب و روز پر اندھیروں کا راج ہو جائے! یہی وہ حالات تھے جو علیؑ کو ہمیشہ رنجیدہ خاطر رکھتے تھے۔ اور لوگوں کے ذریعہ ہر لچے برے انتخاب میں آزادی کا غلط فائدہ اٹھانے، نیز غیر مستقل مزاجی اور تزلزل و تذبذب کا شکار ہو کر نااہل اور غیر صالح افراد کے منتخب کرنے پر آپ برابر رنجیدہ و نالاں رہے۔ چنانچہ ایک خطبہ میں آپ نے مسئلہ حکومت کے سلسلہ میں اپنے دوستوں کی بے وفائی کا ذکر کرتے ہوئے انھیں اپنے لئے حسب دلخواہ راہ کے انتخاب کرنے کا اختیار دیتے ہوئے فرمایا:۔

ایها الناس: انه لم یزل امری معکم علی ما احب حتّٰی نھکتکم الحرب وقد واللّٰہ اخذت منکم و ترکت و ھی لعدوکم انھک۔

لقد کنت امس امیراً فاصبحت الیوم مأموراً وقد کنت امس ناہیا فاصبحت الیوم منہیا۔ وقد احببتم البقاء ولیس لی ان احملکم علی ما تکرھون۔ (خطبہ ۲۰۸)

"لوگو! جب تک تمہیں جنگ نے خستہ حال نہ کردیا اس وقت تک میرا اور تمہارا معاملہ میری پسند اور مرضی کے مطابق رہا۔ خدا کی قسم (جنگ) نے تم میں سے کچھ کو اپنی گرفت میں لے لیا اور کچھ کو چھوڑ دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں جنگ نے دشمنوں کو تم سے زیادہ ہی نڈھال کیا ہے (کاش اگر تم جمے رہتے!) (افسوس) کل تک میں (تمہارا) امیر تھا، اور آج تم لوگوں کا حکم ماننے پر مجبور ہوں۔ کل تک میں حاکم و فرمانروا تھا لیکن آج میں محکوم اور تابع فرمان ہوگیا ہوں۔ اب تم یقینی طور پر زندگی کو دوست رکھنے لگے ہو۔ اور ظاہر ہے مجھے کوئی حق حاصل نہیں کہ جس چیز سے تم بیزار ہو اس پر تمہیں مجبور کروں۔"

بہرحال اپنے واجب الاطاعت امام کی اس بہترین عملی روش سے لوگوں کی ــــ تاریخ کی عدالت اور آزمائش گاہ حیات میں بے جواب نہ رہے گی۔ اور جیسا کہ ہم برابر عرض کرچکے ہیں کہ امامؑ کے بعد زمانہ کے جابر و ظالم حکام نے اسلامی امت کی تقدیر اپنے ہاتھ میں لے کر عوام کو ظلم و بربریت کے وہ افسوس ناک دن دکھائے جس پر انسانیت آج بھی لرزہ براندام ہے۔ اور یہ بذات خود ایک طرح کا عذاب الٰہی اور عوام کے من مانے اقدام کا نتیجہ رہا ہے اور بس۔

چھٹا باب

اسلام کی سیاسی روش

آج عام طور پر ذہنوں میں لفظ سیاست اور سیاست داں سے ماضی کے تلخ تجربوں کی روشنی میں مکر و فریب جعل سازی، انسانی فضل و شرف کی رسوائی اور نوامیس الٰہی کی پامالی کا تصور ابھرتا ہے اور آج یہ مفہوم گویا سیاست کی "الف" "ب" میں شمار ہوتا ہے۔ عمومی افکار میں ان معانی کا پیدا ہونا کوئی ناقابل انتظار بات بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس فکر و نتیجے کی بنیاد ان حکام کا کردار اور سیاست بنی ہے جو آج تک عالم بشریت پر حکمرانی کرتے رہے ہیں۔ اور اس کلی تصویر سے صرف گنتی کے ان چند عادل اور خدا پرست حکام کو الگ کیا جاسکتا ہے، جن کی اساس آسمانی مکتب فکر اور الٰہی پیغامات رہے ہیں۔

بلاشبہ علیؑ ابن ابی طالبؑ ان ہی چند استثنائی شخصیتوں میں سے ایک ہیں، جن کا آئین سیاست الٰہی مکتب فکر، علم و عرفان، انسانی فضائل و کمالات پر استوار رہا ہے۔ اگرچہ سیاست کی یہ سیرت و روش خود ان کی ذات کے لئے گراں ثابت ہوئی اور اس دور کے بہت سارے موقع پرستوں، سرکشوں اور فسادیوں کو ان کے مقابلہ پر لا کھڑا کیا جس کا نتیجہ بے شمار مشکلات، جنگوں اور روحی و مادی اذیتوں کی شکل میں برآمد ہوا لیکن دوسری طرف علیؑ کی یہی روش بشری فضل و کمال کی ایسی راہ معین کر رہی تھی، جو تاریخ سیاست میں عالم انسانیت کے لئے ایک معیار و نمونہ بن جائے۔ جس کے لئے طبعی طور پر بڑی سے بڑی قربانیاں ضروری ہیں۔ ایسے افراد بھی تھے جو حقانیت اور فضل و شرف پر مبنی اس سیاسی روش کی پیدا کردہ مشکلات سے گھبرا کر امامؑ سے شاکی ہوتے تھے۔ اور اکثر غیر صالح قوتوں کو

جذب کرنے یا دوسری سیاسی روش اپنانے کا مشورہ دیا کرتے تھے لیکن جس (الٰہی فکر) کو امامؑ نے اپنی سیاست کی اصل اور بنیاد قرار دیا تھا اور جس کے مطابق لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے، اس قسم کے مشورے اور مصلحت اندیشیاں اس میں کوئی تغیر یا تبدیلی پیدا نہیں کر پاتی تھیں۔ مندرجہ بالا مطلب امامؑ کے اس ارشاد سے بخوبی واضح ہوتا ہے ملاحظہ فرمائیں:۔

سیاست کی فکری اساس

واللہ ما معاویۃ بادھی منّی ولکنّہ یغدر و یفجر ولولا کراھیۃ الغدر لکنت من ادھی الناس، ولکن کل غدرۃ فجرۃ و کل فجرۃ کفرۃ ولکل غادر لواء یعرف بہ یوم القیامۃ واللہ ما استغفل بالمکیدۃ ولا استغمز بالشدیدۃ (خطبہ / ۲۰۰)

خدا کی قسم، معاویہ مجھ سے زیادہ زیرک نہیں ہے، لیکن وہ مکر و فریب اور فسق و فجور سے کام لیتا ہے۔ اور اگر مجھے مکر و فجور سے نفرت نہ ہوتی تو میں لوگوں میں سب سے زیادہ زیرک ہوتا۔ لیکن ہر طرح کا مکر و فریب ایک فاجرانہ عمل ہے اور ہر فاجرانہ عمل کفر ہے اور قیامت میں ہر ایک فریب کار کے لئے ایک علامت اور پرچم ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا۔ خدا کی قسم مجھے عیاری اور فریب سے غفلت میں نہیں ڈالا جا سکتا اور نہ حالات کی سختیوں کے ذریعہ دبایا جا سکتا ہے۔

ظاہر بین اور مفاد پرست افراد کی نگاہوں میں معاویہ کی سیاسی روش (آج کا میکاولیزم) وہ چیز ہے جو دنیائے سیاست کے لئے ضروری اور ناگزیر بن گئی ہے۔ اور اگر کوئی اس پر عمل نہ کرے تو سیاست کے لئے نااہل، بیوقوف اور بدّھو سمجھا جاتا ہے۔ جبکہ حقیقت و حقائق کے دائرہ میں جہاں قدروں کو انسانی فضائل کے پیمانہ میں دیکھا جاتا ہے، یہ روش بالکل مذموم اور غلط ہے۔ کیونکہ اس گندی سیاست کی بنیاد مکر و فریب اور غداری پر ہے اور یہ چیزیں امامؑ کے قول کے مطابق انسان کو کفر کی سرحد تک کھینچ لے جاتی ہیں۔ اب ایسی صورت میں اس سیاسی روش کا کوئی معقول صحیح اور شرعی حل کیسے تصور کیا جا سکتا ہے؟

اس کے علاوہ ہمیں قبول کرنا چاہیے جیسا کہ اسلامی روایات بتاتی ہیں کہ "الحیلة فی ترك الحیلة" یعنی کسی مسئلہ کا حل یہ ہے کہ حیلہ گری یا بہانہ سازی کو ترک کر دیا جائے اور "المؤمن کیس فطن" مومن ہوشیار اور زیرک ہوتا ہے۔ یا قرآن میں ہے "ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ" برا حیلہ و مکر صرف اس کے اہل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ان تعلیمات کی روشنی میں وہ صحیح اور پائدار سیاست جو مطلوب واقعی تک پہنچاتی ہے وہی ہے جس میں آگاہی، ہوشیاری اور زیرکی سے کام لئے جانے کے باوجود مکر و فریب اور عیاری و غداری سے پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ الٰہی سیاست کے علم برداروں کا اصل مقصد الٰہی مکتب فکر کو دوام و استحکام بخشنا اور انسانوں کی فلاح و بہبود کا سامان فراہم کرنا ہے اور یہ وہ چیز ہے جو راہ راست اختیار کئے بغیر اور طہارت و تقویٰ اور صداقت و حسن عمل سے کام لئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔

طمع اور رشوت میں ڈوبی ہوئی سیاست

امامؑ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"اتامرونی ان اطلب النصر بالجور فیمن ولیت علیہ! واللہ لا اطور بہ ما سمر سمیر وما ام نجم فی السماء نجما لو کان المال لی لسویت بینھم، فکیف وانما المال مال اللہ! الا وان اعطاء المال فی غیر حقہ تبذیر واسراف، وھو یرفع صاحبہ فی الدنیا ویضعہ فی الآخرة ویکرمہ فی الناس ویھینہ عند اللہ" (خطبہ نمبر ۱۲۶)

"تم لوگ مجھ سے یہ چاہتے ہو کہ ملت پر ظلم و ستم کر کے فتح و کامرانی کی راہ تلاش کروں؟ خدا کی قسم جب تک ایک ستارہ دوسرے ستارہ کے پیچھے چل رہا ہے (یعنی یہ دنیا برقرار ہے) میں اس کام کے قریب بھی نہ جاؤں گا۔ اگر یہ مال خود میرا ہوتا تب بھی میں اسے لوگوں میں برابر تقسیم کرتا چہ جائیکہ یہ اللہ کا مال ہے۔ یاد رکھو! ناحق امور میں مال صرف کرنا اسراف اور فضول خرچی ہے۔ یہ کام اپنے مرتکبین کو دنیا میں تو بلند کر دیتا ہے لیکن آخرت میں پستی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے۔ اس سے لوگوں میں تو اس کی عزت بڑھ جاتی ہے لیکن

اللہ کے نزدیک ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔"

امامؑ نے یہ بات ان لوگوں کے جواب میں فرمائی جو حضرتؑ کے اسلامی عدل و مساوات پر عمل کرنے اور بیت المال کی تقسیم میں تفریق سے کام نہ لینے کے سبب آپ سے کبیدہ خاطر تھے اور آپ کو مشورہ دیتے تھے کہ ریاست و حکومت بخشش و انعام اور پیسے خرچ کرنے پر ہی برقرار رہتی ہے۔ کیونکہ بہت سے افراد ایسے ہیں جو پیسوں کے بندے ہوتے ہیں، لہٰذا، حکومت کو مستحکم کرنے کے لئے ان کو اپنی طرف ضرور کھینچنا چاہئے۔ اور بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کو اگر کوئی عہدہ اور منصب دیدیا جائے تو وہ خاموش رہیں گے اور حکومت کے کاموں میں ٹانگ نہ اڑائیں گے، ان لوگوں کو بھی کسی صورت اپنا بنانا چاہئے دوسری طرف سچے مخلص اور دیندار افراد بہت ہی گنے چنے اور محدود ہیں۔ اکثریت پہلے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔ لہٰذا ایک سیاست داں کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان غیر صالح عناصر کو کسی بھی طرح حقوق یا ذاتی اموال سے بخشش و عنایت کے ذریعہ اپنا ہمنوا بنائے تاکہ اس طرح عوام میں نسبتاً زیادہ حمایت و مقبولیت حاصل کرے۔

امامؑ ان تمام مشوروں اور نصیحتوں پر خطِ بطلان کھینچتے ہوئے اپنی سیاسی حکمت عملی کو صرف اور صرف لیاقت و واقعیت اور خدا کی راہ میں اخلاص عمل کے آئینہ میں مرتب فرماتے ہیں اور لوگوں کو اس نکتہ سے خبردار کرتے ہیں کہ بالفرض حق پر عمل کرنے کے نتیجہ میں پیش آنے والی اڑچنوں، دشواریوں اور ناکامیوں کو اس دنیا میں تحمل کر لینا آخرت میں پیش خدا عقوبت اور ذلت و رسوائی کا سامنا کرنے سے کہیں زیادہ آسان ہے۔

"اتامرونی ان اطلب النصر بالجور" "کیا تم لوگ مجھ سے یہ امید رکھتے ہو کہ لوگوں پر ظلم کر کے میں نصرت و کامرانی حاصل کروں؟" آپ کا یہ جملہ ان لوگوں کے فکری منصوبہ پر پانی پھیر دیتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ مقصد کے لئے ہر طرح کا وسیلہ اختیار کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اسلامی سیاست کی کامیابی کے لئے جور و ستم کو ہرگز وسیلہ نہیں بنایا جا سکتا۔ دوسرے لفظوں میں، خون کو خون سے نہیں دھویا جا سکتا۔ اور غیر شرعی وسائل و مقدمات کی بنیاد پر شرعی مقاصد حاصل نہیں کئے جا سکتے۔

سیاسی اخلاق

ایک خطبہ میں امامؑ نے لوگوں کو خوشامد و چاپلوسی کی سیاست سے بچنے اور دور رہنے کی

تاکید فرمائی ہے۔ تاکہ احساسات کی گہرائیوں میں بیٹھی ہوئی ان مذموم خصلتوں سے انسانی دل و دماغ کو نجات دلائی جاسکے جن کے تحت رعایا خود کو ذلت و حقارت کے سپرد کر دیتی ہے اور حاکم غرور و تمکنت میں مبتلا ہو کر خود کو غیر معمولی شخصیت کے عنوان سے ظاہر کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ آپ نے اس سلسلہ میں "صفین" میں ایک خطبہ کے دوران فرمایا:-

"فلا تكلموني بما تكلم به الجبابرة ولا تتحفظوا مني بما يتحفظ به عند اهل البادرة ولا تخالطوني بالمصانعة ولا تظنوا بي استثقالاً في حق قيل لي ولا التماس اعظام لنفسي فانه من استثقل الحق ان يقال له او العدل ان يعرض عليه كان العمل بهما اثقل عليه فلا تكفوا عن مقالة بحق، اومشورة بعدل، فاني لست في نفسي بفوق ان اخطئ ولا آمن ذالك من فعلي، الا ان يكفي الله من نفسي ماهو املك به مني فانما انا وانتم عبيد مملوكون لرب لا رب غيره۔" (خطبہ نمبر ۲۱۶)

"مجھ سے اس طرح کی (ڈرے اور سہمے انداز میں) باتیں نہ کیا کرو جیسی جابر و سرکش حاکموں سے کی جاتی ہیں اور نہ ہی اس طرح ملا کرو جیسے کسی غضب ناک سردار سے محتاط انداز میں ملا جاتا ہے۔ مجھ سے رابطہ قائم کرنے کے سلسلہ میں چاپلوسی اور خوشامد کا طریقہ اپنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ نہ سوچو کہ اگر میرے سامنے کوئی حق بات کہی جائے گی تو مجھے بری لگے گی یا میں کسی کی تعظیم و تکریم کا محتاج ہوں، کیونکہ ہر وہ شخص کہ جس سے حق کی بات کہی جائے یا عدل و انصاف کی فریاد کی جائے اور اسے گراں گزرے، تو یقینی طور پر حق اور عدل پر عمل کرنا اس کے لئے کہیں زیادہ دشوار ہو گا۔

لہٰذا تم حق کہنے یا عدل و انصاف پر مبنی مشورہ دینے سے دریغ نہ کیا کرو، کیونکہ میں اپنے نفس کو لغزشوں سے مبرا اور شبہات سے ماورا نہیں سمجھتا مگر یہ کہ خدا مجھے اس سے محفوظ رکھے جس پر وہ مجھ سے زیادہ اختیار رکھتا ہے۔ میں اور تم ایک ہی رب کے

بند سے ہیں اس رب کے جس کے علاوہ کوئی اور رب نہیں ہے۔"

امامؑ نے اپنے اس بیان میں جو اصول پیش کئے ہیں ان کو مختصر طور پر یوں ذکر کیا جا سکتا ہے۔

(۱) قوم وملت، حکومت کے تئیں ذلت وحقارت، تملق وچاپلوسی، ساز باز یا احتیاط پسندی کی روش سے پرہیز کرے۔ اور یہ وہ چیزیں ہیں جنھیں حکومت کو اپنے سیاسی وثقافتی پروگراموں میں شامل رکھنا چاہئے اور اس کی زیادہ سے زیادہ ترویج کرنا چاہئے۔

(۲) حکومت کو خیر اندیش اور مفید مشورہ دینے والوں کی باتوں کو کھلے دل سے قبول کرنا چاہئے اور لوگوں کو مفید اور تعمیری نقد وتبصرہ کے لئے آمادہ کرنا چاہئے۔

(۳) حق وانصاف کو ماننا اور اس پر عمل کرنا حکومت کا بنیادی اور اوّلین کام ہونا چاہئے۔ ایسا نہ ہو کہ حق وعدالت کی باتیں اس پر گراں گزرتی ہوں۔

(۴) حکام کو ہرگز یہ نہ سوچنا چاہئے کہ وہ خطا یا اشتباہ سے محفوظ ہیں اور ان کی رائے ہی آخری رائے ہے۔ کیونکہ انسان کسی بھی عالم میں خطاؤں اور غلطیوں سے محفوظ نہیں ہے۔ لہٰذا پورے تذلل وزاری کے ساتھ خدا سے مدد طلب کرنا چاہئے اور لوگوں سے بھی تعاون اور رہنمائی کی درخواست کرنا چاہئے تاکہ ذمہ داری کے اس سنگین بوجھ کو آسانی سے منزل مقصود تک پہنچایا جا سکے اور یہی امامؑ کی سیاست تھی۔

مذموم سیاست

دوسری طرف یہ صورت حال تھی کہ معاویہ نے مکر وشیطنت کا سہارا لے کر کسی بھی قسم کی عیاری اور فریب نیز ملت کی تحقیر وتذلیل میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔ اس کے ساتھی بھی دین فروش، چاپلوس اور ذلیل افراد تھے، جنھوں نے اس دھوکہ باز طاغوتِ وقت کے اہداف ومقاصد پر اپنی انسانی شرافت وعظمت اور آخرت وعاقبت سب کچھ قربان کر رکھا تھا۔

"عمرو ابن عاص" جو اس جابر وغاصب اموی حکومت میں دوسرے نمبر کی فرد شمار کیا جاتا تھا اور معاویہ کا معاون ومشاور اور دست راست تھا۔ امامؑ نے اسے ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

فانّک قد جعلت دینک تبعاً لدنیا امرئٍ ظاھرٍ غیّہ، مھتوکٍ سترہ، یشین الکریم بمجلسہ، ویسفّہ الحلیم بخلطتہ، فاتبعت اثرہ وطلبت فضلہ، اتباع الکلب للضرغام یلوذ بمخالبہ وینتظر ما یلقیٰ الیہ من فضل فریستہ، فاذھبت دنیاک وآخرتک، ولو بالحقّ اخذت ادرکت ما طلبت

(خط نمبر ۳۹)

"اس میں کوئی شک نہیں کہ تو نے اپنا دین ایسے شخص کی دنیا کے تابع کر دیا جس کی گمراہی آشکار اور جس کا پردہ چاک ہو چکا ہے۔ جو اپنی بزم میں بزرگ اور محترم شخصیتوں کی تحقیر کرتا ہے اور حلیم و بردبار افراد کو پاس بٹھا کر بیوقوف بناتا ہے، تم بھی اس کے پیچھے ہو لئے اور اپنی حریص نگاہیں اس کی بخشش پر اس طرح گاڑ دیں جیسے کتا شیر کے پیچھے ہو لیتا ہے اور اپنے پنجے پھیلائے اس کا منتظر رہتا ہے کہ شاید شیر اپنے شکار کا کچھ بچا کچھا اس کے سامنے بھی ڈال دے۔

آخرکار تم نے اپنی دنیا و آخرت دونوں تباہ کر ڈالی جبکہ اگر تم نے حق کا ساتھ دیا ہوتا تو اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل کر لیتے۔"

امام ؑ کے اس خط کی روشنی میں مادی سیاست کے درج ذیل چند آثار سامنے آتے ہیں۔

- لاابالی پن، بے پروائی، بے دینی اور دین فروشی۔
- گمراہی اور بے حیائی۔
- انسانوں کی تحقیر کرنا، شخصیتوں کو داغدار کرنا اور غلامی کو بڑھاوا دینا۔
- انسانی فضائل کو نیست و نابود کرنا، لغزشوں، گناہوں اور خطاؤں کو بڑھاوا دینا اور شخصیت فروشی کے رجحان کو تقویت پہنچانا۔

- اور آخرکار اپنی اور دوسروں کی دنیا و آخرت کی سعادت کو تباہ و برباد کرنا۔

مختصر یہ کہ اسلامی سیاست میں خدا اور آخرت پر ایمان، دین اور انسانی فضائل، صداقت اور حسن نیت خلوص اور خدمت اور حقیقت و واقعیت اصل محور ہوتے ہیں جبکہ اس کے علاوہ دوسرے تمام سیاسی طریقوں میں مادی جوڑ توڑ خود خواہی، ریاکاری، بے اعتقادی اور دورنگی کی پالیسی کو محور قرار دیا جاتا ہے۔ ایک سیاسی نظام اسی وقت خالص اسلامی نظام ہو سکتا ہے جب وہ صرف اسلامی بنیادوں پر عمل پیرا ہو۔ ورنہ اس کو اسلامی سیاست کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

ساتواں باب

نظم و سیاست کے اصول

اسلامی سیاست کی روشن اور اس کے شرائط صرف وہی نہیں ہیں جن کا ہم گزشتہ مقالے میں ذکر کر چکے ہیں، بلکہ اس ذیل میں اور بھی بہت سے شرائط ہیں جو خود ایک مستقل باب کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض نظم و ضبط سے متعلق سیاست کو روشن کرتے ہیں، بعض اخلاقی مسائل سے مربوط ہیں اور بعض اقتصادی مسائل وغیرہ سے متعلق ہیں، جن کا آئندہ ہم تفصیل سے جائزہ لیں گے۔ یہاں ہم مذکورہ بالا مسائل کے سلسلے میں امامؑ کے ارشادات کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱) ایک خط ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ نے ایک گورنر کو تحریر فرماتے ہیں:۔

اما بعد فانک ممّن استظهر به علی اقامة الدین واقمع
به نخوة الاثیم واسدّ به لهاة الثغر المخوف فاستعن بالله
علی ما اهمّک واخلط الشدّة بضغثٍ من اللین وارفق ما
کان الرفق ارفق، واعتزم بالشدّة حین لا تغنی عنک الّا
الشدّة واخفض للرعیة جناحک، وابسط لهم وجهک
والن لهم جانبک وآس بینهم فی اللحظة والنظرة
والاشارة والتحیة، حتّی لا یطمع العظماء فی حیفک ولا ییأس
الضعفاء من عدلک والسّلام"

(خط نمبر ۴۶)

"حمد و ثنائے پروردگار کے بعد، درحقیقت تم ان لوگوں میں سے ہو جن سے میں دین کو استحکام بخشنے کے لئے سہارا لیتا ہوں اور جن کے ذریعہ مفسدوں اور مجرموں کے شر و فساد کو کچلنے میں مدد لیتا ہوں اور دشمن کے نفوذ کی راہوں کو بند کرتا ہوں۔ لہٰذا اپنے اہم امور میں خدا سے مدد طلب کرتے رہو اور اپنی سختی میں ملائمت و نرمی کو بھی شامل رکھو۔ جہاں مصلحت دیکھو نرمی اور درگزر سے پیش آؤ، اور جہاں سختی کے بغیر کام نہ چلے وہاں پوری قاطعیت اور سختی سے کام لو۔ رعایا سے جھک کر ملو اور ان سے کشادہ روئی خوش خلقی اور نرمی و ملائمت سے پیش آؤ۔ ان پر نگاہ کرنے، اشاروں سے کام لینے اور تکلفات برتنے میں مساوات کا خیال رکھو تاکہ مغرور افراد تم سے بے انصافی کی آرزو نہ کریں اور کمزور افراد تمہارے عدل سے ناامید نہ ہو جائیں ..... والسلام"

اس خط میں سب سے پہلے اسلامی حکومت کے اہداف و مقاصد بیان کئے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں :۔

الف) دین اور الٰہی احکام کی بنیادوں کو مستحکم کرنا۔

ب) بندوں کے حقوق اور حدود الٰہیہ سے تجاوز کرنے والوں اور فسق و فساد پھیلانے والوں کا قلع قمع کرنا۔

ج) جغرافیائی، اعتقادی، سیاسی وغیرہ ہر اعتبار سے اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرنا۔

اس کے بعد آپ نے ان باتوں کا ذکر فرمایا ہے جن پر اسلامی معاشرہ کے ذمہ دار اور مسئول افراد کو عمل پیرا ہونا چاہئے۔ ملاحظہ فرمائیں :۔

د) نرمی اور مہربانی، سختی اور شدت، ان سب کیفیتوں کا اظہار اپنی اپنی جگہ پر حالات و تقاضے کے تحت ہونا چاہئے۔

ھ) لوگوں سے خندہ پیشانی، کشادہ روئی اور ملائمت کا برتاؤ کرنا چاہئے۔

و) ملت کی ہر فرد کے ساتھ عدل و مساوات کا برتاؤ کرنا چاہئے اور یہ مساوات لوگوں پر نگاہیں کرنے اور ان سے تکلفات برتنے سے لے کر اسلام کے تمام اجتماعی اور انسانی بنیادی حقوق تک قائم رہنا چاہئے۔

۲) "آلۃ الریاسۃ سعۃ الصدر" (حکم نمبر ۱۷۶)

"کشادہ قلبی حکومت وریاست کا وسیلہ ہے"

معاشرہ کے حاکم اور ذمہ دار کو باحوصلہ، صاحب تحمل اور بردبار ہونا چاہیئے تاکہ وہ حکومت اور عوام کے امور کی صحیح دیکھ بھال کر سکے۔ کیونکہ حکومت کے امور میں، مختلف قسم کی توقعات اور ذمہ داریوں کے تحت اکثر ایسی مشکلات پیش آتی ہیں جنھیں کشادہ قلبی اور عالی ظرفی سے ہی حل کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ غصہ ور، غضب ناک، کم حوصلہ اور زود رنج افراد اس ذمہ داری کا بوجھ نہیں سنبھال سکتے۔

۲) استعمل العدل، واحذر العسف والحیف، فان العسف یعود بالجلاء والحیف یدعوا الی السیف" (مجلد نمبر ۴۷۶)

عدل و داد سے کام لو، مطلق العنانی اور ظلم و ستم سے پرہیز کرو، کیونکہ مطلق العنانی کا انجام آوارہ وطنی اور پراگندگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور ظلم وستم کا نتیجہ تلوار تک پہنچتا ہے"

یہ بات آپؑ نے " زیاد ابن ابیہؓ سے اس وقت فرمائی جب اسے عبداللہ بن عباسؓ کی جگہ پر فارس کے علاقہ کا عامل و گورنر مقرر فرمایا۔ ایک طویل گفتگو کے دوران جب آپ نے اسے قبل از وقت مالیات کے وصول کرنے سے منع فرمایا تھا، تین اہم نکتوں کی طرف متوجہ کیا ہے۔

۱، عدل و انصاف قائم کرو تاکہ ملت کی ہر ہر فرد حکومت سے خوش اور مطمئن رہے۔

۲، ڈکیٹیٹرشپ اور غیر قانونی حرکتوں سے پرہیز کرو کیونکہ مطلق العنانی ظلم و زیادتی عوام کی آوارہ وطنی، شہروں کی ویرانی اور معاشرہ کی پراگندگی کا باعث ہوگی جبکہ ایک حکومت کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام اس میں دلچسپی لیں اور ملک آباد رہے اور بغیر اس کے ملک چلایا نہیں جا سکتا۔

۳، ظلم وستم سے پرہیز کرو کیونکہ ظلم وستم انسان کی فطرت اور اس کی آرزوں کے خلاف ہے چنانچہ جس طرح بھی ان سے ہو سکے گا اسے دفع کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ اگر آج کامیاب نہ ہوں گے تو کل پھر ہتھیار اٹھالیں گے اور فساد اور ظلم و استبداد کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے۔ اور ظالم حاکم کسی وقت بھی لوگوں کی بغاوت سے محفوظ نہ رہ سکے گا۔

۴) ایاک والعجلة بالامور قبل اوانها، او التسقط فیها عند امکانها او اللجاجة فیها اذا تنکرت او الوهن عنها اذا استوضحت، فضع کل امر موضعه واوقع کل امر

موقعہ *

(خط نمبر ۵۳)

"امور معاملات میں اس کے وقت سے پہلے جلدی نہ کرو اور تیزی نہ دکھاؤ ۔ اور حتی الامکان کاہلی سے پرہیز کرو جو بات مبہم ہو اس پر اصرار نہ کرو ۔ اور جو بات واضح و روشن ہو اس میں ضعف اور کمزوری سے کام نہ لو ۔ ہر چیز کو اس کی جگہ رکھو اور ہر عمل کو اس کے وقت پر انجام دو ۔"

اس عبارت میں جس بنیادی نکتہ کی طرف امام توجہ دلانا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ حاکم کو زمان و مکان اور حالات و شرائط کے اعتبار سے موقع شناس ہونا چاہئے ۔ اور اسی کے موافق عمل کرنا چاہئے ۔ کیونکہ ہر کام اپنے موقع و محل کے اعتبار سے درست ہوتا ہے ۔ اور اس کے خلاف کئے جانے والے اقدام کا نتیجہ خاطر خواہ حاصل نہ ہوگا ۔

نظم و ضبط

(۵) اوصیکما و جمیع ولدی و اھلی و من بلغہ کتابی، بتقوی اللہ و نظم امرکم و صلاح ذات بینکم " (مکتوب ۴۷ وصیت امام)

"میں تم دونوں (حسن و حسین) اور اپنے تمام فرزندوں اور خاندان والوں نیز ان تمام افراد کو جن تک میرا یہ خط پہنچے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ، پرہیزگار رہو اپنے امور کو منظم کرو اور آپس میں صلح و صفا کا برتاؤ کرو ۔"

نظم و ضبط ، ایک معاشرہ کی بہتر تشکیل و تنظیم کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔ اسی نظم کے تحت ذمہ داریاں تقسیم ہو جاتی ہیں ، امور صالح افراد کے سپرد کئے جاتے ہیں ۔ اوقات قابو میں رہتے ہیں اور حرج و مرج کا خاتمہ ہو جاتا ہے ۔

ظاہر ہے کہ جب امور منظم و مرتب ہو جاتے ہیں تو کامیابیاں بھی کئی گنا بڑھ جاتی ہیں ۔ یہ چیز ہے جس سے نہ معاشرہ کی کوئی فرد مستغنی ہے نہ خود معاشرہ اس سے بے نیاز ہوتا ہے ۔ حکومت کے ذمہ دار افراد کو تو سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے کہ ان کے امور و معاملات ہوں اور حالات ان کے کنٹرول اور قابو میں رہیں ۔

ذمہ داریوں کی تقسیم

امام نے ایک خط میں اپنے فرزند امام حسن کو جو گرانقدر ۔

تحریر فرمائی ہیں ان میں ذمہ داریوں کی تقسیم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

"واجعل لکل انسان من خدمك عملاً تأخذه به، فانه احریٰ الّا یتواکلوا فی خدمتك واکرم عشیرتك، فانهم جناحك الذی به تطیر واصلك الذی الیه تصیر ویدك التی بها تصول" (خط نمبر ۳۱)

"اپنے ہر خدمت گزار اور کارکن کے فریضہ کو مشخص و معین کر دو تاکہ اس ذمہ داری کے تحت اس سے کام لے سکو کیونکہ یہ ایک بہترین اقدام ہے، اس طرح وہ اپنی ذمہ داری کو دوسرے کے کاندھے پر نہیں ڈالیں گے اور اپنے اہل خاندان کا احترام کرو کیونکہ وہ تمہارے لئے ایسے پر و بال کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے تم پرواز کرتے ہو اور ایسی اصل و بنیاد ہیں جن کی طرف تم پلٹتے ہو اور تمہارے ایسے ہاتھ ہیں جن سے تم کام لیتے ہو۔"

یہ ایک بہت باریک اور اہم نکتہ ہے کہ ایک حاکم و ذمہ دار شخص، امور اور ذمہ داریوں کی تقسیم کے سلسلہ میں مناسب افراد کا انتخاب کرے اور پھر معین و مشخص طور پر ان میں ہر ایک کو الگ الگ کام سونپے پھر ہر ایک سے ان کی ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلہ میں جواب طلب کرے اور اگر کام انجام نہ پائے یا صحیح طور سے انجام نہ پائے تو اس کا سبب تلاش کرے۔ کاموں کی بے ضابطگی اور ذمہ داریوں کا مشخص نہ ہونا طاقت کے بلاوجہ ضائع ہونے، کاموں کے پڑے رہ جانے اور نظام میں گڑبڑی اور خسارہ کا باعث بنے گا۔ اس سے ہر ایک کو پرہیز کرنا چاہیے خصوصاً ان کو جو پورے معاشرہ کے امور کی ذمہ داری رکھتے ہیں اور ایک پوری قوم و ملت کی قسمت جن کے ہاتھ میں ہے۔

اہل خاندان کا انتخاب

اگرچہ اسلام میں کسی بھی جگہ خاندان اور قبیلہ پر تکیہ نہیں کیا گیا ہے اور ہر دیار اور ہر نسل سے تعلق رکھنے والے نیک اور صالح انسان پر نہ صرف بھرپور اعتماد کیا جاتا ہے بلکہ اس کی حیثیتوں سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی مسلّم ہے کہ انسان اپنے خاندان کے افراد

کے عادات و کردار کو دوسروں سے زیادہ بہتر جانتا ہے اور ان کے صالح افراد پر ہر شخص سے زیادہ اعتماد کر سکتا ہے، چنانچہ امام کی وصیت بھی اسی بنیاد پر ہے کہ اس طرح کے قابل اعتماد اور صالح افراد کے ذریعہ امور کے حل و فصل میں کافی مدد لی جا سکتی ہے۔ اور قطعی طور پر سیاسی اور اجتماعی مسائل میں بھی اسی اصول پر عمل درآمد کیا جائے گا۔

سیاسی اخلاق اور امور کی نگرانی

مادی دنیا کی سیاست کے برخلاف، جس میں انسانی فضل و شرف اور اخلاق کوئی حیثیت نہیں رکھتے، اسلامی سیاست میں اخلاق و فضائل کو بنیادی اور اصلی حیثیت حاصل ہے۔ دینی رہبروں کی سیرت و سیاست اور ان بزرگوں کے سیاسی آئین نامے نہ صرف اس حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ اس روش کے لئے بہترین راہنما ہیں۔ اخلاقی اصول کی رعایت چاہے اس کا تعلق خصوصیت سے حاکم کی ذات سے ہو یا پوری قوم و ملت کی عزت و آبرو سے متعلق ہو ایک بنیادی اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت علیؑ اپنے عہد نامہ میں "مالک اشتر" کو یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ولیکن ابعد رعیّتک منک واشنأھم عندک اطلبھم لمعائب الناس فانّ فی الناس عیوباً الوالی احقّ من سترھا۔ فلا تکشفنّ عمّا غاب عنک منھا فانّما علیک تطھیر ما ظھر لک واللہ یحکم علیٰ ما غاب عنک فاستر العورۃ ما استطعت یستر اللہ منک ما تحبّ سترہ من رعیّتک۔ اطلق عن الناس عقدۃ کلّ حقد واقطع عنک سبب کلّ وتر وتغاب عن کلّ ما لا یضح لک ولا تعجلنّ الیٰ تصدیق ساعٍ فانّ الساعی غاشّ وان تشبّہ بالناصحین"

(مکتوب نمبر ۵۳ - عہد نامہ)

اور رعایا کے درمیان تمہاری نظر میں سب سے زیادہ ناپسند اور سب سے زیادہ دور اس شخص کو

ہونا چاہئے جو برابر لوگوں کی عیب جوئی کیا کرتا ہے اور ان کے برملا کرنے پر اصرار کرتا ہے کیونکہ لوگوں میں عیب تو پائے ہی جاتے ہیں اور سب سے زیادہ حاکم کا حق ہے کہ ان کی پردہ پوشی کرے۔ لہٰذا پوشیدہ عیوب کو آشکار نہ کرو اور جو کچھ ظاہر ہو گیا ہو اس کی صفائی اور توجیہ کرو اور جو عیوب پوشیدہ ہیں ان کا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ جہاں تک ہوسکے دوسروں کے اسرار و رموز پر پردہ ڈالو تاکہ تمہارے رموز جن کو تم رعایا سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہو خدا انہیں پوشیدہ رکھے۔ لوگوں سے کینے کی ہر گرہ کو کھول دو اور انتقام کی ہر رسی کاٹ ڈالو۔ ہر وہ چیز جو تمہارے لئے مناسب نہیں اس سے لاتعلق بن جاؤ۔ ہر چغل خور کی باتوں کی جلد بازی سے تصدیق نہ کرو کیونکہ وہ فریب کار ہوتا ہے اگرچہ خیر خواہ بن کر سامنے آتا ہے۔"

امامؑ کے فرمان کے اس حصے سے چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں :-

(۱) حکومت کے ذمہ دار افراد کا فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی بدگوئی و چغل خوری نیز اس بدخلقی کے جراثیم کی روک تھام کے لئے کمربستہ رہیں، باتیں بنانے والے اور چغل خوری کرنے والے افراد کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں تاکہ یہ اخلاقی مرض معاشرے سے ختم ہو جائے۔

(۲) حکومت کے ذمہ دار لوگوں پر لازم ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اور اگر خرابیاں نہ پیدا ہوں، عیوب کی پردہ پوشی کے ذریعہ فحشاء اور فساد کو عام ہونے سے روکیں جن کی قرآن میں صریحی طور سے ممانعت کی گئی ہے۔

(۳) صاحبان حکومت کینہ پروری، انتقام جوئی اور قلبی کدورت سے پرہیز کریں۔ اپنے دل کو رعایا کے لئے مہر و محبت سے لبریز رکھیں کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور محبتیں تعلقات کو مستحکم بناتی ہیں

(۴) حکومت کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ باتوں پر جلدی سے یقین نہ کر لیا کریں کیونکہ نہ ہر سفید عبارت کی کہی ہے اور نہ ہر بات حسن نیت سے کہی جاتی ہے چاہے ناصحانہ لب و لہجہ میں کیوں نہ کہی جائے، بلکہ ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں کافی تحقیق، عینی شواہد اور قلبی اطمینان پیدا کر لیا جائے یہاں تک کہ دشمنوں اور تہمت زدہ افراد سے مل کر حقیقت معلوم کر لی جائے تاکہ حق تلفی اور خلاف ورزی

سے محفوظ رہیں۔

ظلم و ستم اور فریب تباہی کے اسباب

حضرت علیؑ، ایک خط میں معاویہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"وان البغي والزور يوتغان المرء في دينه ودنياه ويبديان خلله عند من يعيبه وقد علمت انك غير مدرك ما قضي فواته - وقد رام اقوام امراً بغير الحق فتألوا على الله فاكذبهم، فاحذر يوماً يغتبط فيه من احمد عاقبة عمله ويندم من امكن الشيطان من قياده فلم يجاذبه"

(مکتوب نمبر ۴۸)

"حقیقتاً ظلم و ستم، طغیان، جھوٹ اور فریب انسان کو دین و دنیا دونوں کی تباہی اور ہلاکت کی طرف کھینچ لے جاتے ہیں اور اس کی کمزوریوں کو نکتہ چینوں کے سامنے آشکار کر دیتے ہیں۔ اور تم اچھی طرح جانتے ہو کہ جس چیز کا تمہارے ہاتھ سے چلا جانا مقدر ہو چکا ہے اس تک تم نہیں پہنچ سکتے۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جنہوں نے اپنے ناحق مقاصد کے حصول پانے کے لئے خدا پر ناحق جھوٹ باندھا اور اس کے لئے تاویل کی راہیں اختیار کیں اور خدا نے ان کی دروغگوئی پر انہیں رسوا کر دیا۔ پس اس دن سے ڈرو جب نیکوکار افراد اپنے اعمال کے انجام پر خوش ہوں گے اور شیطان کے پھندے میں آکر بے لگام ہو جانے والے نادم اور پشیمان ہوں گے۔"

گویا امامؑ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ظلم اور فریب نہ صرف انسان کی آخرت تباہ کرتے ہیں بلکہ بدکرداری اور بے اعتباری ظالم و فریب کار کے پیچھے پیچھے لگی رہے گی اور دوسروں کو موقع فراہم کرے گی کہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اسے نیست و نابود کر دیں۔ سیاسی نظام میں یہ ایسا عبرت انگیز اخلاقی درس ہے جس پر کاربند ہونا چاہئے۔ دنیا کی ظالم و حیلہ گر استعماری حکومتیں قوموں اور ملتوں کی نظر میں کوئی عزت و آبرو نہیں رکھتیں۔ وہ قوموں اور ملتوں کو ظلم کے خلاف آواز بلند کرنے اور ان سے پیکار و مقابلہ کرنے کے سامان خود اپنے ہاتھوں سے فراہم کرتی ہیں۔ بنابریں ایک اسلامی

سیاسی حاکم کو چاہیئے کہ اسلام کے سیاسی اخلاق کو اپنا شعار بنائیں تاکہ خدا اور بندگان خدا کے درمیان اس کی حیثیت و آبرو بنی رہے اور حکومت کو دوام حاصل ہو۔

خودستائی حاکم کے لئے زہر

"وایاک والاعجاب بنفسک والثقۃ بما یعجبک منہا وحب الاطراء فان ذالک من اوثق فرص الشیطان فی نفسہ لیمحق مایکون من احسان المحسنین" (خط نمبر ۵۳)

امام مالک اشتر کے نام تحریر کردہ عہدنامہ میں فرماتے ہیں: "دیکھو خود پسندی سے پرہیز کرو اور تمہیں جو چیز خودستائی کی طرف مائل کرے اس پر تکیہ نہ کرو، چاپلوسی اور اپنی بڑائی کا اظہار کرنے سے ہمیشہ دور رہو کیونکہ یہی لمحے شیطان کے نفوذ کرنے کے حساس ترین مواقع ہوتے ہیں تاکہ اس طرح وہ نیک بندوں کے اچھے کاموں کو ضائع کردے"

اقتدار و سطوت میں کھیلنے والے ایک سیاست مدار اور حاکم کے لئے خود بینی، تملق پسندی، چاپلوسی اور فرعونیت کا شمار اخلاقی آفات میں ہوتا ہے۔ یہ آگ اس وقت اور زیادہ بھڑک اٹھتی ہے جب غلامانہ ذہنیت کے افراد اپنی مدح و ستائش اور چاپلوسی کے ذریعہ حکام کے کبر و نخوت اور غرور کو بڑھانے لگتے ہیں۔

لہٰذا اسلامی اخلاقی تعلیمات میں ایک طرف تو ملت کی ہر فرد کو خبردار کیا گیا ہے کہ ایسی خادمانہ روش، بے جا تعریفوں اور چاپلوسی سے پرہیز کریں جو خود ان کو ذلیل و رسوا اور ان کے بڑوں اور حاکموں کو غرور و نخوت میں مبتلا کر دے۔ اور دوسری طرف صاحبان اقتدار کو چونکایا اور ہوشیار کیا گیا ہے کہ خدا کی عظمت و بندگی کو پیش نظر رکھیں اپنے آپ کو بڑا اور عظیم تصور نہ کریں اور اپنی رعایا کو غلامی و حقارت سے محفوظ رکھیں۔ اسلامی روایات میں پیغمبر اکرمؐ سے منقول ہے کہ "احثوا التراب فی وجوہ المدّاحین" بے جا مدح سرائی اور چاپلوسی کرنے والوں کے منہ پر خاک ڈال دو۔ حضرت علیؑ گھوڑے پر سوار کہیں تشریف لے جا رہے تھے، ایک شخص آپ کے پیچھے پیچھے پیادہ روانہ ہوا تاکہ اپنی کارگزاری حضرتؑ سے بیان کردے۔ امامؑ نے اس سے فرمایا واپس پلٹ جاؤ؛

کیونکہ تمہارا یہ انداز مومن کے لئے ذلت کا نمونہ اور حاکم و والی کے لئے فتنہ کا سبب ہے۔

ارجع فان مشی مثلک مع مثلی فتنہ للوالی ومذلۃ للمؤمن" (کلمات قصار۔ کلمہ نمبر ۳۱۴)

آپؑ مالک اشتر کو لکھے ہوئے عہد نامہ میں ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

واذا احدث لک ما انت فیہ من سلطانک ابھۃ اومخیلۃ فانظر الی عظم ملک اللہ فوقک وقدرتہ منک علی مالا تقدر علیہ من نفسک فان ذالک یطامن الیک من طماحک ویکف عنک من غربک ویفئ الیک بما عزب عنک من عقلک۔

"جب بھی حکومت تمہیں کبر و نخوت میں مبتلا کرے تو ملک خدا یعنی کائنات کی عظمت پر غور کرو جو تم سے کہیں وسیع اور بڑی ہے۔ اور اللہ کی قدرت پر غور کرو جو ہر اس شئے پر قادر ہے جس میں تم عاجز ہو۔ اور جب تم اس پر غور کروگے تو یہ فکر تمہاری خود سری اور غرور و تکبر کو دور کر دے گی، تمہیں تندروئی سے محفوظ رکھے گی اور تمہیں پھر سے عقل سلیم عطا کر دے گی" خط / ۵۳

"ایاک ومساماۃ اللہ فی عظمتہ والتشبہ بہ فی جبروتہ فان اللہ یذل کل جبار ویھین کل مختال۔ خط/۵۳

"دیکھو (تخت حکومت پر بیٹھنے کے بعد) کبھی اپنے کو بڑا ہرگز تصور نہ کرنا اور اللہ کی عظمت کی برابری اور اس کے جلال و جبروت کی مماثلت و ہمسری کا خیال خام ذہن میں نہ لانا، کیونکہ خدائے بزرگ و برتر ہر جبار اور متکبر کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔"

نفس کی حاکمیت سے رہائی

امامؑ نے اپنی فوج کے ایک سردار "اسود بن قطبہ" کو ایک خط میں تحریر فرمایا:۔

اما بعد فان الوالی اذا اختلف ھواہ منعہ ذالک

کثیرا من العدل، فلیکن امور الناس عندک فی الحق سواء فانہ لیس فی الجور عوض من العدل فاجتنب ما تنکر امثالہ وابتذل نفسک فیما افترض اللہ علیک راجیا ثوابہ ومتخوفا عقابہ"

(مکتوب نمبر ۵۹)

"خدا کی حمد و ثنا کے بعد، حاکم جب بھی نفسانی ہوا و ہوس میں گرفتار ہو جاتا ہے تو اس کا نفس اسے بہت سارے امور میں عادلانہ اقدام کرنے سے روک دیتا ہے۔ پس لوگوں کے امور و معاملات، تمہاری نظر میں، حق کی میزان پر برابر ہونا چاہئے۔ کیونکہ ظلم و ستم حق کا مد مقابل اور اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس طرح کی غلطیوں سے پرہیز کرو اور اپنے نفس کو فرائض الٰہی کی انجام دہی کے لئے رام اور آمادہ کرو۔ ثواب کی امید رکھو اور اس کے عذاب سے ڈرتے رہو۔"

گوناگوں خواہشات و میلانات، اور حق و انصاف کے محور سے گریز و فرار، حاکم کے دل میں بہت سی گرہیں اور رکاوٹوں کو جنم دیتے ہیں جن کی وجہ سے وہ حق و حقیقت کے مرکزی نقطے سے دور ہوتا جاتا ہے اور اس پر توجہ نہیں کر پاتا۔ ان تمام فسادات کی جڑ نفس ہے لہٰذا اپنے نفس کو قابو میں رکھنا چاہئے اور اس کی خواہشوں کو خدا کی رضا اور خوشنودی کی راہ میں، ذلیل و حقیر بنا دینا چاہئے۔ ایک حاکم کے لئے ریاضت و سلوک کا تازیانہ بہت ضروری ہے جس سے وہ اپنے نفس کو ہمیشہ مؤدب کرتا رہے۔ خدا کے عذاب کا خوف اور ثواب آخرت کی امید ہی اس کے لئے سب سے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔

بندۂ خدا بھی، شمشیر خدا بھی

اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر امامؑ نے پوری تاکید فرمائی ہے۔

حضرتؑ نے اہل مصر کو ایک خط تحریر فرمایا ہے جس میں "مالک ابن حارث اشتر" کو اپنی طرف سے مصر والوں کا حاکم و والی مقرر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

اما بعد فقد بعثت علیکم عبداً من عباد اللہ لا ینام ایام الخوف ولا ینکل علی الاعداء ساعات الروع ، اشد علی الفجار من حریق النار وھو مالک ابن حارث اخو مذحج فاسمعوا لہ واطیعوا امرہ فیما طابق الحق ، فانہ سیف من سیوف اللہ . لا کلیل الظبۃ ولا نابی الضریبۃ ... " (مکتوب نمبر ۳۸)

"...... میں نے بندگان خدا میں سے ایک ایسا شخص تم لوگوں کی طرف روانہ کیا ہے جو نہ خوف کے دنوں میں سوتا ہے اور نہ وحشت کی گھڑیوں میں دشمن کے مقابل سست پڑتا ہے۔ جو فسادیوں اور تباہ کاروں کے لئے آگ کے شعلوں سے کہیں زیادہ آتش بار ہے وہ مالک ابن حارث مذحجی ہیں۔ اس کی باتیں سنو اور جہاں تک وہ حق کے مطابق ہو، اس کی اطاعت کرو۔ یقیناً وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک ایسی تلوار ہے جو نہ کاٹ میں کند ہوتی ہے اور نہ وار میں بے اثر۔"

یہاں قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ امامؑ نے مالک اشترؓ کی تعریف و تمجید کرنے کے باوجود اس بات کا ذکر بھی ضروری سمجھا کہ میرے نمائندہ یعنی "مالک اشترؓ" کی اطاعت فقط حق کے دائرہ میں لازم و واجب ہے۔ اسلام حق کی پیروی سکھاتا ہے۔ شخصیت پرستی نہیں، شخصیتیں بھی حق کی بنیاد پر قابل قدر ہوتی ہیں۔ بنابراین ہر شخص چاہے وہ کسی بھی عہدہ یا درجہ پر فائز ہو صرف حق کے معیار پر فوقیت پاتا ہے۔ شخصیتوں کے تقدس کے فریب میں آکر لوگوں کو حق کا معیار نہ بھولنا چاہئے اور نہ شخصیتوں کا شکار ہونا چاہئے ورنہ لوگ اس سے غلط فائدہ اٹھانے لگیں گے اور حق، شخصیتوں کے سایہ میں گم ہو کر رہ جائے گا یا ان کے قدموں تلے پامال ہو جائے گا۔

آٹھواں باب

سیاسی رہنماؤں کے خصوصیات

حاکمان بے تخت و تاج

گذشتہ مباحث میں ہم اسلام میں دینی وسیاسی رہبر کے خصوصیات وصفات سے متعلق کچھ باتیں اشارۃً عرض کرچکے ہیں لیکن اس بنیادی اور زندہ مسئلہ کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ چنانچہ اس مقالہ میں حضرت علیؑ کے اقوال کی روشنی میں اس موضوع کا جائزہ لیتے ہیں۔

چونکہ انسانی معاشرہ کی سرپرستی ورہبری دنیا کا سب سے اہم اور گراں قدر عہدہ ہے جس پر ایک انسان سرفراز ہوتا ہے لہٰذا اس ذمہ داری کے عہدہ دار افراد کو علم، تقویٰ، اخلاق حسنہ، بصیرت اور دیگر انسانی فضائل کے علاوہ سیاست وحسن نظم، شجاعت وشہامت اور دوسرے صفات عالیہ سے تمام انسانوں میں سب سے زیادہ برتر اور افضل ہونا چاہیئے۔ طبیعی طور پر سب سے پہلے اس عظیم ذمہ داری کے عہدہ دار انبیاء کرامؑ ہیں ان کے بعد ائمہ اطہارؑ اور ان کے بعد ان ہی کے نقش قدم پر چلنے والے اللہ کے نیک اور صالح بندے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ دنیا اور یہ سیاسی روش موجودہ دنیا کی سیاسی روش سے ایک دم جدا ہے۔ کیونکہ دیگر عالمی سیاستیں

رذیل ترین افراد کو بھی مسند حکومت پر بٹھا دیا کرتی ہیں۔

حاکمیت کی ان دو جدا جدا سیاسی روشوں کا تاریخی جائزہ لینے کے لئے صرف قرآن حکیم کی سیاسی تاریخ کا قوموں ملتوں اور شخصیتوں کی داستانوں میں گہری نظر سے مطالعہ کافی ہے۔

اس کے علاوہ حضرت علیؑ کے خطبہ "قاصعہ" میں بھی ان دو جداگانہ روشوں کو صاف اور واضح طور سے دیکھا اور مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ حضرتؑ نے اپنے اس خطبہ کے ایک حصہ میں انبیاء کرام کے حالات کا ذکر فرمایا ہے جو انسانی معاشرہ کے سب سے پہلے شرعی و قانونی حکمران اور حاکم رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت نے جناب موسیٰؑ و ہارونؑ کے ذکر کے دوران جو پشمینہ کا بہت سستا اور غریبوں جیسا لباس زیب تن کئے تھے فرعون جیسے طاغوت وقت کے جابرانہ دربار میں آنے اور اسے دعوت حق دینے اور اللہ کی اطاعت کی طرف بلانے کا ذکر فرمایا ہے۔ ساتھ ہی فرعون نے ان دونوں بزرگواروں کو جو جواب دیا اور زر و جواہر کو شخصیت کا معیار بنا کر ان کی جو تحقیر کی ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"وَلَوْ أَرَادَ اللهُ سُبْحَانَهُ لِأَنْبِيَائِهِ حَيْثُ بَعَثَهُمْ أَنْ يَفْتَحَ لَهُمْ كُنُوزَ الذِّهْبَانِ وَمَعَادِنَ الْعِقْيَانِ وَمَغَارِسَ الْجِنَانِ وَأَنْ يَحْشُرَ مَعَهُمْ طُيُورَ السَّمَاءِ وَوُحُوشَ الْأَرَضِينَ لَفَعَلَ وَلَوْ فَعَلَ لَسَقَطَ الْبَلَاءُ وَبَطَلَ الْجَزَاءُ وَاضْمَحَلَّتِ الْأَنْبَاءُ وَلَمَا وَجَبَ لِلْقَابِلِينَ أُجُورُ الْمُبْتَلِينَ وَلَا اسْتَحَقَّ الْمُؤْمِنُونَ ثَوَابَ الْمُحْسِنِينَ وَلَا لَزِمَتِ الْأَسْمَاءُ مَعَانِيَهَا۔ وَلَكِنَّ اللهَ سُبْحَانَهُ جَعَلَ رُسُلَهُ أُولِي قُوَّةٍ فِي عَزَائِمِهِمْ وَضَعَفَةً فِيمَا تَرَى الْأَعْيُنُ مِنْ حَالَاتِهِمْ۔ مَعَ قَنَاعَةٍ تَمْلَأُ الْقُلُوبَ

وَالْعُیُونَ غِنیً وَخَصَاصَةً تَمْلَأُ الْاَبْصَارَ وَالْاَسْمَاعَ اَذیً ۔"(۱)

"اگر خدائے سبحانہ زر و جواہر کے خزانوں اور سرسبز باغات کو انبیاء کرام کے زیر نگیں کرنا چاہتا اور آسمان کے پرندوں اور زمین کے درندوں کو ان کا مطیع و منقاد بنانا چاہتا تو سب کچھ کرسکتا تھا لیکن ایسی صورت میں آزمائش ساقط ہو جاتی ۔ جزاو سزا کا سوال ہی نہ اٹھتا اور آسمانی خبریں رائگاں ہوجاتیں ۔ دعوت قبول کرنے والوں کو آزمائش سے گزرنے والوں کا اجر دینا لازم نہ ہوتا اور مومنین ، نیکو کاروں کے ثواب کے مستحق نہ قرار پاتے اور الفاظ کے مفاہیم بے معنی ہو کر رہ جاتے لیکن (ایسا نہیں ہے ۔ بلکہ) خداوند عالم نے پیغمبروں کو ارادہ اور فیصلہ میں صاحبان قوت و قدرت قرار دیا جبکہ ان کے (ظاہری) حالات ان کے ضعف و کمزوری کا اظہار کرتے ہیں ، نیز انھیں قناعت عطا کی ہے جس سے ایسی بے نیازی اور عزت ظاہر ہوتی ہے جو دلوں اور نگاہوں کو پُر کردے اور انہیں ایسی عسرت و رنج کا نمونہ بنایا ہے جو آنکھوں اور کانوں کو لبریز کر دیتی ہے ۔"

انبیاء کرامؑ ایسے بے تخت و تاج حکام تھے ، جو کمزور اور غریب خاندانوں سے بلند ہوئے ، مستضعفین کے ہمدرد و ہمدم بنے رہے ، کمزوروں اور بے کسوں کے خدا کے آگے سجدہ ریز رہے اور تاریخ کے مستکبروں کے سامنے سینہ تان کر کھڑے ہو گئے ان کے نخوت و جبروت کے محلوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۔ خلفاء الٰہی کو کبر و غرور و نخوت سے کیا سروکار ۔ یہ تو مستکبروں کی پہچان ہے ۔ ان کی زندگی میں اسراف ، فضول خرچی

۱۔ خطبہ ۱۹۲ ۔ نہج البلاغہ

شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ، اور تن آسانی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت موسیٰؑ

حضرت علیؑ نے اپنے ایک خطبہ میں روئے زمین پر انسانوں کے واقعی اور حقیقی حاکم و رہبر یعنی انبیاء کرامؑ کی سیرتوں کا جائزہ لیا ہے اور اس میں جناب موسیٰ کلیم اللہؑ کے زہد کے سلسلہ میں یوں فرماتے ہیں :-

"وَاِنْ شِئْتَ ثَنَّیْتُ بِمُوسیٰ کَلِیْمِ اللّٰہِ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَیْثُ یَقُوْلُ : «رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ» وَاللّٰہِ مَا سَاَلَہٗ اِلَّا خُبْزًا یَاْکُلُہٗ ، لِاَنَّہٗ کَانَ یَاْکُلُ بَقْلَۃَ الْاَرْضِ وَلَقَدْ کَانَتْ خُضْرَۃُ الْبَقْلِ تُرٰی مِنْ شَفِیْفِ صِفَاقِ بَطْنِہٖ لِھُزَالِہٖ وَتَشَذُّبِ لَحْمِہٖ" خطبہ/۱۶۰

«اگر جناب موسیٰ کو دوبارہ دیکھنا چاہیے ہو، جو فرماتے تھے کہ (اے میرے پروردگار! مجھ پر جو کچھ تو نے نازل فرما دیا میں اس کا سخت محتاج ہوں) خدا کی قسم انہوں نے اللہ سے ایک روٹی جو ان کی بھوک مٹا سکے ____ کے علاوہ کسی اور چیز کی آرزو نہیں کی کیونکہ وہ تو زمین پر آزاد روئیدہ ہونے والی سبزیوں سے بھی اپنا شکم پُر کرتے تھے جن کا رنگ ان کی کمزوری و ناتوانی اور جسم کی لاغری کے سبب شکم کی جلد سے ظاہر ہوتا تھا۔

حضرت داؤدؑ

امامؑ حضرت داؤدؑ کے زہد و ورع کے بارے میں فرماتے ہیں :-

"وَاِنْ شِئْتَ ثَلَّثْتُ بِدَاوُدَ - صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - صَاحِبِ الْمَزَامِیْرِ وَقَارِیْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ فَلَقَدْ کَانَ یَعْمَلُ سَفَائِفَ

اَلْخُوصِ بِيَدِهِ وَيَقُولُ لِجُلَسَائِهِ: أَيُّكُمْ يَكْفِينِي بَيْعَهَا؟
وَيَأْكُلُ قُرْصَ الشَّعِيرِ مِنْ ثَمَنِهَا" خطبہ/۱۶۰

"اور جناب داؤد جو ملکوتی لحن کے مالک اور قاریانِ اہل جنت میں سے تھے ان کے بارے میں غور کرو، کہ اپنے ہاتھوں سے لیفِ خرما سے زنبیل تیار کرتے تھے اور اپنے ہم نشیں رفقا اور دوستوں سے فرماتے تھے: تم میں کون ہے جو اسے بازار میں فروخت کر آئے؟ اسی پیسہ سے اپنے لئے جو کی ایک روٹی مہیا کرتے تھے"

حضرت عیسیٰؑ

امامؑ، حضرت عیسیٰ کی زاہدانہ زندگی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

"وَإِنْ شِئْتَ قُلْتَ فِي عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ـ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَلَقَدْ كَانَ يَتَوَسَّدُ الْحَجَرَ وَيَلْبَسُ الْخَشِنَ وَيَأْكُلُ الْجَشِبَ، وَكَانَ إِدَامُهُ الْجُوعَ وَسِرَاجُهُ بِاللَّيْلِ الْقَمَرَ وَظِلَالُهُ فِي الشِّتَاءِ مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا وَفَاكِهَتُهُ وَرَيْحَانُهُ مَا تُنْبِتُ الْأَرْضُ لِلْبَهَائِمِ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ زَوْجَةٌ تَفْتِنُهُ، وَلَا وَلَدٌ يَحْزُنُهُ وَلَا مَالٌ يَلْفِتُهُ وَلَا طَمَعٌ يُذِلُّهُ. دَابَّتُهُ رِجْلَاهُ وَخَادِمُهُ يَدَاهُ" خطبہ/۱۶۰

اگر تم جناب عیسیٰؑ کے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہو تو سنو کہ وہ پتھر کو اپنا تکیہ بناتے تھے۔ موٹا اور کھردرا لباس زیب تن کرتے تھے اور ناخوش گوار غذا تناول فرماتے تھے۔ آپ کی غذا فاقہ اور بھوک تھی۔ شب میں ماہتاب آپ کا چراغ ہوتا تھا اور سردیوں میں آپ کا سائبان زمین کے مشرق و مغرب

ہوا کرتے تھے۔ آپ کے گل وریحان وہ سبزے تھے جو زمین سے جانوروں کے لئے روئیدہ ہوتے تھے۔ آپ کی کوئی بیوی نہ تھی جس پر فریفتہ ہوتے نہ اولاد تھی جس کے لئے مضطرب ہوتے نہ مال تھا جو آپ کو مشغول رکھتا۔ نہ حرص و ہوس کی عادت تھی جو ذلیل و خوار بنائے۔ آپ کی سواری آپ کے دونوں پاؤں تھے اور خدمت گذار آپ کے دونوں ہاتھ۔"

پیغمبر اسلام کا زہد و ورع

اس کے بعد امام نے پیغمبر اکرم کی سیرت طیبہ کی پیروی کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے فرمایا:

"وَلَقَدْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ — صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ — يَأْكُلُ عَلَى الْأَرْضِ، وَيَجْلِسُ جِلْسَةَ الْعَبْدِ وَيَخْصِفُ بِيَدِهٖ نَعْلَهٗ وَيَرْقَعُ بِيَدِهٖ ثَوْبَهٗ وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ الْعَارِيَ وَيُرْدِفُ خَلْفَهٗ"

"پیغمبر اسلام فرشِ زمین پر بیٹھ کر غذا نوش فرماتے تھے، غلاموں کے انداز میں بیٹھتے تھے اپنی جوتیوں کو اپنے ہاتھ سے سلتے اور لباس میں اپنے دست مبارک سے پیوند لگاتے تھے۔ گدھے کی کھری پیٹھ پر سوار ہوتے تھے اور اس کے پیچھے دوسرے کو بھی اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے"

حضرت علیؑ کا زہد و تقویٰ

پھر آپ نے تفصیل کے ساتھ پیغمبر اسلام (ص) کے زہد اور دنیا سے ان کی بے نیازی اور بے توجہی پر روشنی ڈالی ہے اور آخر میں پیغمبر اسلام کی اطاعت و پیروی

پر فخر و مباہات کرتے ہوئے اپنے زہد و تقویٰ کا ذکر یوں فرمایا ہے:

وَاللهِ لَقَدْ رَقَعْتُ مِدْرَعَتِي هٰذِهِ حَتَّى اسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَاقِعِهَا، وَلَقَدْ قَالَ لِي قَائِلٌ: أَلَا تَنْبِذُهَا عَنْكَ؟ فَقُلْتُ، اُغْرُبْ عَنِّي! فَعِنْدَ الصَّبَاحِ يَحْمَدُ الْقَوْمُ السُّرَى "(۱)

"خدا کی قسم یہ کپڑا جو میں پہنے ہوئے ہوں اس میں میں نے اس قدر پیوند لگائے ہیں کہ اب پیوند لگانے والے سے مجھے شرم آتی ہے۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا: آپ اسے اتار کیوں نہیں دیتے؟ میں نے جواب دیا: میری نظروں سے دور ہو جاؤ: کیونکہ رات کے چلنے والوں کی ہی صبح کے وقت تعریف کی جاتی ہے:"

یہ انبیاء کرام ہیں جن کی شان و شوکت اور عظمت و جلالت چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہے، جبکہ ان کے مقابلہ میں وقت کی بڑی بڑی حکومتیں اور مصر و روم و ایران نیز دنیا کے دوسرے علاقوں کے طاقتور سیاست مدار، فرعونوں، قیصروں، خسروں، شاہوں اور شاہزادوں یہاں تک کہ معاویہ نما اشخاص کے بھیس میں آئے جو قوموں اور ملتوں کے خون اور گوشت سے شراب و کباب درست کرتے اور غریبوں اور بے کسوں کے سروں پر کبر و نخوت کے بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے تھے۔ اہرام مصر سے لے کر ایوان مدائن اور شام کے افسانوی قصروں و محلوں تک تاریخ کے صفحات ان کے ظلم و ستم کی زندہ مثالیں ہیں۔ یہ بالکل فطری امر تھا کہ ان حکام و سلاطین کی اسراف پسند، مستکبرانہ اور شیطانی فریب والی روش کے مقابلہ میں انبیاء کرام ایک دوسری راہ کا انتخاب کرتے، وہی راہ جس کا ذکر حضرت علیؑ نے نہ صرف

۱۔ خطبہ ۱۶۰ نہج البلاغہ

اپنے خطبہ میں فرمایا ہے بلکہ اسی پر گامزن رہے ہیں۔ یہ انبیائے کرام عالم بشریت کو آگاہ کرنا چاہتے تھے کہ انسانوں کی رہبری و رہنمائی کس طرح کرنی چاہیئے اور لوگوں کی فلاح اور محروموں کی نجات کی سیاست کا راز کس چیز میں مضمر ہے۔

لیکن افسوس کہ ابھی پیغمبر اکرمؐ کی رحلت کو آدھی صدی بھی نہ گزری تھی کہ اسلامی معاشرہ کی سیاست کا رخ ایک دم پلٹ گیا۔ ذلتیں اور بدعتیں عزت و سرفرازی میں بدل گئیں، شام اور بغداد کے سبز و سرخ الف لیلوی قصر و محل، حضرت محمدؐ اور حضرت علیؑ کے معمولی اور مستضعفانہ حجروں کی جگہ لے چکے تھے۔ قیصروں، خسروں اور عرب و عجم کے بادشاہوں نے خود کو خلیفہ کہلانا شروع کر دیا۔ اور اپنی جابرانہ و ظالمانہ سیرت و سیاست کے ذریعہ ہر میدان میں فرعونوں، قیصروں اور خسروں کے دفتروں کو دھو کر پاک کر ڈالا اور آج بھی دنیا پر حاکم سیاست مدارحتیٰ عالم اسلام پر آمرانہ حکومت کرنے والے اپنے اسلاف سے ایک قدم بھی پیچھے نہیں ہیں۔ چاہے وہ حضرت عیسیٰ کے پیرو اور حضرت موسیٰ کے ماننے والے ہوں یا امتِ حضرت محمدؐ میں اپنا شمار کرانے والے۔

آج ظلم و ستم، جہالت و بربریت کی صدیوں طویل اس رات کی تاریکی کو چیر کر شہاب کی مانند درخشندگی اور روشنی بکھیرنے والا ایک اکیلا اسلامی انقلاب ہے جو سرزمین ایران یعنی محمدؐ و علیؑ اور اہل بیتؑ کے حقیقی گھر سے رونما ہوا ہے اور روئے زمین پر بسنے والے تمام مستضعفین کے لئے امید کی کرن بنا ہوا ہے۔

ضرورت ہے کہ روئے زمین پر بسنے والے تمام مستضعف اور کمزور افراد اس اسلامی اسوہ اور اسلامی سیرت کو اپنا شعار بنا کر دنیا بھر کی غیر قانونی سیاستوں، حکومتوں اور تمام جرائم پیشہ حکام کے مقابلہ پر کھڑے ہو جائیں اور ان پیدائشی خونخواروں سے ان کے سارے اختیارات چھین لیں کیونکہ قرآن کے مطابق اس زمین کی وراثت مستضعف مومنین کو عطا کی گئی ہے۔ یہ ظالم اسے آسانی کے ساتھ چھوڑنے والے نہیں ہیں بلکہ اس کے لئے جہاد و فداکاری اور ایثار و قربانی ضروری ہے اور یہی ایک ناقابل تبدیل سنت

البتہ ہے۔

سیاسی زہد

ہم پھر اپنے اصل موضوع کی طرف آتے ہیں یعنی حضرت علیؑ کی نگاہ میں ایک اسلامی حاکم کے کیا خصوصیات ہیں۔

خطبۂ شقشقیہ میں آپ نے حکومت قبول کرنے کے سلسلہ میں اپنا مقصد مظلوموں کا دفاع اور ستم پیشہ افراد کی سرکوبی بتاتے ہوئے اپنے زہد و تقویٰ کا ذکر یوں فرمایا ہے:

"لَا لَفَیْتُمْ دُنْیَاکُمْ هٰذِهِ اَزْهَدَ عِنْدِیْ مِنْ عَفْطَةِ عَنْزٍ" (۱)

"تم سب نے اچھی طرح جان لیا ہے کہ تمہاری دنیا کی قدر و قیمت میری نظر میں بکری کے بچے کی ناک سے بہنے والے پانی سے بھی کمتر اور بے حقیقت ہے۔

اور یہ حقیقت نہ صرف حضرت علیؑ کے اقوال میں نظر آتی ہیں بلکہ آپ کے کردار و عمل میں بھی پایۂ ثبوت کو پہنچی ہوئی ہے۔ دوست و دشمن کسی نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے، اور اسلام کی راہ پر چلنے والوں خصوصاً حکام اور ذمہ دار افراد کو یہی روش اختیار کرنی چاہیئے۔

دنیا اور حکومت سے متعلق یہ زاہدانہ موقف دراصل حیاتِ دنیا، مبدأ اور معاد سے متعلق پائے جانے والے تصورِ کائنات اور اس نقطۂ نظر کا نتیجہ ہے جو ہماری آسمانی تہذیب و ثقافت میں موجود ہے۔

اور حضرت علیؑ جو بذاتِ خود اس مکتبِ فکر کے ایک عظیم ترین معلم ہیں اپنے ایک خطبہ میں معاویہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ خطبہ ۳۔ نہج البلاغہ

"اَمَّا بَعْدُ، فَاِنَّ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ قَدْ جَعَلَ الدُّنْیَا لِمَا بَعْدَهَا، وَابْتَلٰی فِیْهَا اَهْلَهَا، لِیَعْلَمَ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً، وَلَسْنَا لِلدُّنْیَا خُلِقْنَا وَلَا بِالسَّعْیِ فِیْهَا اُمِرْنَا، وَاِنَّمَا وُضِعْنَا فِیْهَا لِنُبْتَلٰی بِهَا وَقَدِ ابْتَلَانِی اللّٰهُ بِكَ وَابْتَلَاكَ بِیْ فَجَعَلَ اَحَدَنَا حُجَّةً عَلَی الْآخَرِ ... فَاتَّقِ اللّٰهَ فِیْ نَفْسِكَ وَنَازِعِ الشَّیْطَانَ قِیَادَكَ وَاصْرِفْ اِلَی الْآخِرَةِ وَجْهَكَ فَهِیَ طَرِیْقُنَا وَطَرِیْقُكَ" (۱)

"... خداوند عالم نے دنیا کو آخرت کے لئے راستہ قرار دیا ہے اور اس میں انسان کو آزمائش میں مبتلا کیا ہے تاکہ جان لے کہ ان میں کون بہترین عمل انجام دینے والا ہے۔ ہم دنیا کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہیں اور نہ دنیا کے امور میں ہی الجھے رہنے پر مامور کئے گئے ہیں بلکہ ہم دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ آزمائے جائیں اور حقیقتاً خدا نے مجھے تیرے ذریعہ اور تجھے میرے ذریعہ آزمائش میں مبتلا کیا ہے اور ہم میں سے ایک کو دوسرے پر حجت قرار دیا ہے" (گویا علیؑ کی روش معاویہ اور معاویہ جیسے لوگوں پر حجت ہے کہ وہ اس ذریعہ سے قیادت و سیاست کے طور طریقے سمجھیں اور معاویہ جیسے لوگ رہبران حق کی راہ میں جو مشکلات پیدا کرتے ہیں اور حق کی راہ پر چلنے والے خدا کے بندوں کو ان سے جو رنج پہنچتے ہیں ان کے لئے آزمائشیں ہیں

---

(۱) خطوط ۵۵ - نہج البلاغہ

کر وہ انہیں برداشت کرتے ہوئے صبر و استقامت کے ساتھ
اپنے فرائض انجام دیتے رہیں)... پس اے معاویہ!
خدا سے ڈرتے رہو اور اپنی مہار شیطان کے پنجہ سے کھینچ
لو اور آخرت کا رُخ کرو کہ ہماری اور تمہاری راہ اسی سمت ہے"

امامؑ نے مالک اشتر کے نام ایک خط میں جس میں حضرت نے ان کو سیاست و حکومت کے آئین تعلیم دیئے ہیں، بار بار سیاسی روش کے تحت تقویٰ و زہد، خدا ترسی اور پرہیزگاری کی طرف متوجہ کیا ہے۔ چند نمونے ملاحظہ فرمائیں:

"اَمَرَہٗ بِتَقْوَی اللّٰہِ وَاِیْثَارِ طَاعَتِہٖ وَاتِّبَاعِ مَا اَمَرَ بِہٖ فِی کِتَابِہٖ مِنْ فَرَائِضِہٖ وَسُنَنِہٖ الَّتِیْ لَا یَسْعَدُ اَحَدٌ اِلَّا بِاتِّبَاعِھَا وَلَا یَشْقٰی اِلَّا مَعَ جُحُوْدِھَا وَاِضَاعَتِھَا وَاَنْ یَنْصُرَ اللّٰہَ سُبْحَانَہٗ بِقَلْبِہٖ وَیَدِہٖ وَلِسَانِہٖ فَاِنَّہٗ جَلَّ اسْمُہٗ قَدْ تَکَفَّلَ بِنَصْرِ مَنْ نَصَرَہٗ وَاِعْزَازِ مَنْ اَعَزَّہٗ۔ وَاَمَرَہٗ اَنْ یَکْسِرَ نَفْسَہٗ مِنَ الشَّھَوَاتِ وَیَزَعَھَا عِنْدَ الْجَمَحَاتِ، فَاِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَۃٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ اللّٰہُ" خط/۵۳

امامؑ، مالک اشتر کو اس خط (عہدنامہ) کے ذریعہ حکم دیتے ہیں کہ ہر حال میں تقوائے پروردگار اور اس کی اطاعت و پیروی کو اپنا شعار بنائے رہو اور جو کچھ اس نے اپنی کتاب یعنی قرآن حکیم میں واجبات یا سنت کی شکل میں حکم دیا ہے اس پر عمل کرتے رہو کیونکہ کوئی بھی انھیں اپنائے بغیر سعادت مند اور خوش بخت اور ان سے انکار یا انھیں ضائع کئے بغیر بدبخت نہیں ہوتا۔
خدا کی نصرت قلب و زبان اور ہاتھ سب سے کی جانی چاہیئے کیونکہ خدائے ذوالجلال اسی کی نصرت کرتا ہے جو اس کی نصرت

کرے اور اسی کو بزرگی و عظمت عطا کرتا ہے جو خدا کو عزیز و
بزرگ جانے۔ نفسانی شہوتوں سے جنگ کے لئے ہمیشہ
تیار رہو ـــــ اور اس کی سرکشی کو قابو میں کئے رہو۔ کیونکہ
نفس برائیوں کی طرف بہت زیادہ بلانے والا ہے اور اس سے
بس وہی شخص محفوظ ہے جس پر خدا کا رحم و کرم ہو"

یہ امام کی وہ تاکیدی فرمائشات ہیں جنہیں آپ نے عہد نامہ کی ابتدا میں ہی ذکر فرمایا ہے، کیونکہ تقوائے پروردگار اور اطاعتِ خدا ایسی چیز ہے جو آئینِ حکومت میں سب سے اہم اور مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی جذبہ نہ صرف خدا اس کے دین اور اس کے بندوں کی نصرت و مدد کے لئے آمادہ کرتا ہے بلکہ نفس کو سرکشی سے باز رکھنے اور اس فرس بے لگام کو جو اپنے سوار کو ضلالت و گمراہی کی گہری کھائی میں پھینک دیتا ہے، قابو میں رکھنے کی قوت عطا کرتا ہے۔

امام ع، اسی عہد نامہ میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"... فَامْلِكْ هَوَاكَ وَشُحَّ بِنَفْسِكَ عَمَّا لَا يَحِلُّ
لَكَ، فَإِنَّ الشُّحَّ بِالنَّفْسِ الْإِنْصَافُ مِنْهَا فِيمَا أَحَبَّتْ
أَوْ كَرِهَتْ"

"پس ہوائے نفس کی مہار اپنے ہاتھ میں رکھو اور جو کچھ تمہارے
لئے حلال نہیں ہے اس کے لئے اپنے نفس کے حق میں بخیل
اور سخت گیر بن جاؤ کیونکہ نفس جس چیز کو پسند یا ناپسند
کرتا ہے دونوں صورتوں میں اپنے نفس کو بخیل بنا دینا عین
انصاف ہے۔"

فوجی طاقت کے حصول اور اپنے ظاہری و خارجی دشمن پر تسلط حاصل کرنا، غرض کہ وہ تمام چیزیں جن کی ایک حاکم کو ضرورت ہوتی ہے، ان سب سے زیادہ اہم خود اپنے نفس پر تسلط حاصل کرنا اور اس کی سرکشی کو قابو میں کرنا ہے

یہ اقدام خود بخود ظاہری دشمن پر قابو پانے کی راہ ہموار کرتا ہے۔ کیونکہ جو شخص خود اپنے نفس پر حاکم ہوگا وہ دوسروں پر بھی حاکم ہو سکتا ہے۔ اور جو شخص اپنے نفس کے ہاتھوں ہار جائے لامحالہ اپنے دشمن سے بھی بری طرح شکست کھا جائے گا۔

ایک اور مقام پر تحریر فرمایا ہے:-

"وَلَا تَنْصِبَنَّ نَفْسَكَ لِحَرْبِ اللّٰهِ فَإِنَّهُ لَا يَدَ لَكَ بِنِقْمَتِهِ وَلَا غِنىٰ بِكَ عَنْ عَفْوِهِ وَرَحْمَتِهِ"

"خدا سے جنگ اور محاذ آرائی مت اختیار کرو اور اس سے مقابلہ کی ہمت نہ کرو کیونکہ تم میں اس کے انتقام کو دفع کرنے اور اس سے مقابلہ کرنے کا یارا نہیں ہے تم کسی بھی حال میں اس کے عفو اور اس کی رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے۔

"وَلَا تَنْدَمَنَّ عَلىٰ عَفْوٍ وَلَا تَبْجَحَنَّ بِعُقُوبَةٍ وَلَا تُسْرِعَنَّ إِلىٰ بَادِرَةٍ وَجَدْتَ مِنْهَا مَنْدُوحَةً"

"عفو و درگذر پر پشیمان مت ہو اور نہ عقوبت و سزا دینے پر خوش ہو۔ ایسی سزا دینے میں جلدی نہ کرو جو راہ حل رکھتی ہو"

"وَلَا تَقُولَنَّ إِنِّي مُؤَمَّرٌ آمُرُ فَأُطَاعُ. فَإِنَّ ذٰلِكَ إِدْغَالٌ فِي الْقَلْبِ وَمَنْهَكَةٌ لِلدِّينِ وَتَقَرُّبٌ مِنَ الْغِيَرِ"

"یہ مت کہو کہ میں حاکم و فرماں روا ہوں اور جو کہتا ہوں اس پر بے چون و چرا عمل کیا جائے ۔ کیونکہ یہ احساس قلب کو تباہ و برباد اور دین کو کمزور بنا دیتا ہے اور انسان کو خدا سے موڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ کر دیتا ہے"۔

"وَإِذَا أَحْدَثَ لَكَ مَا أَنْتَ فِيهِ مِنْ سُلْطَانِكَ أُبَّهَةً أَوْ مَخِيلَةً فَانْظُرْ إِلىٰ عِظَمِ مُلْكِ اللّٰهِ فَوْقَكَ وَقُدْرَتِهِ مِنْكَ عَلىٰ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ مِنْ نَفْسِكَ، فَإِنَّ ذٰلِكَ

يُطَامِنُ اِلَيْكَ مِنْ طِمَاحِكَ وَيَكُفُّ عَنْكَ مِنْ غَرْبِكَ وَيَفِيئُ اِلَيْكَ بِمَا عَزَبَ عَنْكَ مِنْ عَقْلِكَ ۔۔

"جب بھی حکومت تمہارے سر میں کبر و غرور کا سودا پیدا کرے تو خدا کے ملک کی عظمت اور اس کی بالادستی کو پیش نظر رکھو اور اس پر غور کرو کہ وہ تمہارے اوپر بھی قدرت و اختیار رکھتا ہے ۔ اور وہ تمام امور جن کی ادائیگی میں تم اپنے آپ کو معذور اور عاجز پاتے ہو انہیں پیش نظر رکھو ، یہ عمل تمہاری خودسری اور غرور کو کم کر دے گا ۔ تمہاری تند مزاجی کو زائل کر دے گا اور تمہاری زائل شدہ عقل و ہوش کو صحیح راہ پر لگا دے گا ۔"

"اِيَّاكَ وَمُسَامَاتَ اللّٰهِ فِي عَظَمَتِهٖ وَالتَّشَبُّهَ بِهٖ فِي جَبَرُوْتِهٖ فَاِنَّ اللّٰهَ يُذِلُّ كُلَّ جَبَّارٍ وَيُهِيْنُ كُلَّ مُخْتَالٍ"

"دیکھو خبردار اپنے آپ کو بڑا تصور نہ کرنا اور خود کو خدا کی بزرگی و عظمت کے مقابل نہ لانا اور نہ جبروت و جلال میں خود کو اس کا مشابہ خیال کرنا کیوں کہ خداوندِ عالم ہر جبار و متکبر کو ذلیل و خوار کر کے رکھ دے گا ۔"

اسی عہدنامہ میں ایک جگہ تحریر ہے :۔

"وَلَيْسَ يَخْرُجُ الْوَالِيْ مِنْ حَقِيْقَةِ مَا اَلْزَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْاِهْتِمَامِ وَالْاِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ وَتَوْطِيْنِ نَفْسِهٖ عَلٰى لُزُوْمِ الْحَقِّ وَالصَّبْرِ عَلَيْهِ فِيْمَا خَفَّ اَوْ ثَقُلَ"

حاکم و فرمانروا ، الٰہی فرائض کی انجام دہی سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کے عزم و ارادہ میں استحکام نہ ہو ، اور نصرت خدا اس کے شامل حال نہ ہو ۔ اسے چاہیے

کہ ہر حال میں خود کو حق پر ثابت و برقرار رکھے اور اس پر صبر کرے چاہے وہ اس کے لئے آسان ہو یا دشوار "۔

امام ؑ ایک دوسرے خطبہ میں حکومتوں کے قابل مذمت صفات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" وَاِنَّ مِنْ اَسْخَفِ حَالَاتِ الْوُلَاةِ عِنْدَ صَالِحِ النَّاسِ اَنْ يُظَنَّ بِهِمْ حُبُّ الْفَخْرِ وَيُوضَعَ اَمْرُهُمْ عَلَى الْكِبْرِ، وَقَدْ كَرِهْتُ اَنْ يَكُونَ جَالَ فِي ظَنِّكُمْ اَنِّي اُحِبُّ الْاِطْرَاءَ وَاسْتِمَاعَ الثَّنَاءِ وَلَسْتُ بِحَمْدِ اللهِ كَذٰلِكَ. وَلَوْ كُنْتُ اُحِبُّ اَنْ يُقَالَ ذٰلِكَ لَتَرَكْتُهُ اِنْحِطَاطًا لِلّٰهِ سُبْحَانَهُ عَنْ تَنَاوُلِ مَا هُوَ اَحَقُّ بِهِ مِنَ الْعَظَمَةِ وَالْكِبْرِيَاءِ۔ " (۱)

" حکام کے پست ترین اور رسوا کن حالات میں سے ایک کیفیت یہ بھی ہے کہ ان کے لئے گمان کیا جانے کہ وہ غرور و فخر کو دوست رکھتے ہیں اور ان کے کام تکبر و خودسری پر محمول کئے جائیں، اور میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تمہارے ذہنوں میں یہ بات خطور بھی کرے کہ میں مدح و ثنا اور خوشامد و چاپلوسی کو اچھی نگاہوں سے دیکھتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ میں ایسا نہیں ہوں، اور اگر میں ان چیزوں کو پسند بھی کرتا تو خدائے بزرگ و برتر کے مقابلہ میں اپنی بے مائگی اور عاجزی کا احساس کر کے اسے کب کا چھوڑ چکا ہوتا۔ کیونکہ خدا ہی عظمت و کبریائی کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ "

۱۔ خطبہ ۲۱٦ ۔ نہج البلاغہ

بلند پروازی اور خود پسندی انسان کی خصلتوں میں شامل ہے۔ خاص طور سے جب وہ حکومت و اقتدار کا مالک ہو تو اس حالت میں اس کی نشو ونما کا انداز ہی اور ہوتا ہے۔ اس خصلت نے وہ غضب ڈھائے ہیں کہ ہمیشہ تاریخ کے صفحات کو اپنے کارناموں سے سیاہ اور داغدار بنایا ہے۔ صاحبان اقتدار اور تسلط پسند حکام ہمیشہ یہ چاہا کئے کہ خوشامدی اور چاپلوس افراد ان کی مدح سرائی اور خوشامدیں کرتے رہیں اور ان کے مکروہ چہروں کو کاذبانہ طور پر خوبصورت اور بداعمالیوں کو خوش کرداری ثابت کریں۔ یہ لوگ خود اپنے عیوب پر نگاہ نہیں کرتے اور ان پر توجہ دینا بھی نہیں چاہتے۔ اور مثل مشہور ہے کہ: "جو عیب بھی سلطان کو پسند آئے ہنر ہے" یہ ایک ایسا تصور ہے گویا اہلِ زور و زر اکسیر کی مانند ساری برائیوں کو اچھائیوں میں اور تمام عیوب کو ہنر میں تبدیل کر دیتے ہیں! حضرت علیؑ نے اپنے اس خطبہ کے مندرجہ بالا اقتباس میں چند حسب ذیل بنیادی چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے:-

۱ــــ اللہ کے نیک بندوں کی نگاہ میں حکام کی سب سے بُری عادت و خصلت یہ ہے کہ ان میں غرور و نخوت پائی جاتی ہو، اپنی مدح و ستائش بہت زیادہ عزیز ہو، وہ خوشامد و چاپلوسی کو پسند کرتے ہوں۔ لہٰذا ایک صالح حاکم اور اسلامی سیاست مدار پر لازم ہے کہ ان عیوب سے پرہیز کرے۔

۲ــــ حضرت علیؑ جو خود مکتبِ وحی کے تربیت یافتہ اور الٰہی سیاست و حاکمیت کے سب سے نمایاں نمونہ و معیار ہیں اپنے آپ کو نہ صرف ان ناپسندیدہ عادات و خصائل سے دور رکھتے ہیں بلکہ وہ اس بات سے بھی نفرت کرتے ہیں کہ کسی کے خیال میں یہ بات آئے کہ علیؑ کو تعریف اور خوشامد پسند ہے۔

۳ــــ ایک حاکم کے لئے ضروری ہے کہ خداوند عالم کی عظمت و کبریائی کو ہمیشہ

پیش نظر رکھے تاکہ اس شیطانی دیوار کو منہدم کر سکے جو انسان اور حقیقت و واقعیت کے درمیان حجاب کا کام کرتی ہے وہ خدا کی عظمت و جلالت کے مقابل اپنے آپ کو ہمیشہ حقیر و ذلیل سمجھے اور اسی کو اپنا نصب العین بنا لے ، تاکہ اس حقیقت کو درک کر سکے کہ حکومت خدمت کے لئے ہے نہ کہ فوقیت اور عظمت کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے ۔

امام نمونۂ عمل

حاکمیت اور رہبری کے شرائط و خصوصیات میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی ان قوانین کا عملی طور سے پابند اور وفادار ہو جو ملک اور قوم و ملت کی فلاح و بہبود کے لئے مقرر کئے گئے ہیں ۔ امام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :

"یَا اَیُّهَا النَّاسُ ! اِنِّیْ وَاللهِ مَا اَحُثُّکُمْ عَلٰی طَاعَةٍ اِلَّا وَاَسْبِقُکُمْ اِلَیْهَا وَلَا اَنْهَاکُمْ عَنْ مَعْصِیَةٍ اِلَّا وَاَتَنَاهٰی قَبْلَکُمْ عَنْهَا" (۱)

"اے لوگو! خدا کی قسم میں اس وقت تک تمہیں کسی نیک عمل کی تشویق و ترغیب نہیں دلاتا جب تک میں پہلے اس پر عمل نہ کر لوں اور کسی گناہ سے نہیں روکتا مگر یہ کہ میں پہلے اس سے خود کو محفوظ رکھوں ۔"

سیاست میں اخلاق کے جلوے

اخلاق اور انسانیت کے عالی ترین صفات کی تربیت کرنا اور انہیں اپنانا نیز ان تمام بدخلقیوں اور بُرے صفات سے پرہیز کرنا ، جو دشمن سے مقابلہ آرائی کے دوران انسان کو بُرے اور نامناسب اقدامات پر مجبور کرتے ہیں ، یہ ایسے امور ہیں جن کا امام ہمیشہ خیال

۱۔ خطبہ/۱۷۵ نہج البلاغہ

رکھتے تھے یہاں تک کہ جنگ کے حساس ترین لمحات میں بھی جب انتقام کی آگ آدمی کو ہر طرح کے اقدام پر آمادہ کر دیتی ہے امام نے وہاں بھی ان باتوں کا پورا پورا خیال رکھا ہے۔ مثال کے طور پر جنگ صفین کے ایک واقعہ کو لے لیجیئے کہ جب معاویہ اور اس کے شامی فوجیوں نے علیؑ اور ان کے لشکر پر پانی بند کر دیا تو امامؑ نے حکم دیا کہ گھاٹ سے دشمنوں کا قبضہ ہٹا دیا جائے چاہے ان اُدمیں قتل کر دیا قتل کئے جاؤ کیونکہ وہ زندگی حق کی فتح میں مضمر ہے چاہے شہادت سے ہم کنار ہونا پڑے اور موت شکست اور ذلت قبول کرنے میں ہے چاہے انسان زندہ ہی کیوں نہ رہے "۔

اس فرمان کے ملتے ہی دشمن سے اس کی نقل و حرکت سلب کر لی گئی۔ علیؑ اور ان کے جانباز ساتھی گھاٹ پر قابض ہو گئے۔ بعض اصحاب نے رائے پیش کی کہ معاویہ اور اس کے قریب خوردہ فوجیوں کے ساتھ بھی ویسا ہی سلوک کیا جائے اور انہیں بھی پانی سے محروم کر دیا جائے۔ امامؑ نے اس رائے کو صاف طور سے رد کرتے ہوئے فرمایا:۔

"مَا الْمُجَاهِدُ الشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ بِأَعْظَمَ أَجْراً مِمَّنْ قَدَرَ فَعَفَّ - لَكَادَ الْعَفِيفُ أَنْ يَكُونَ مَلَكاً مِنَ الْمَلَائِكَةِ" (۱)

"جو شخص انتقام کی قدرت رکھتے ہوئے ضبط نفس اور عفو و بخشش سے کام لیتا ہے وہ خدا کی راہ میں شہید ہونے والے مجاہد سے کہیں زیادہ اجر و ثواب رکھتا ہے اور عجب نہیں کہ شخص عفیف خدا کے مقرب فرشتوں میں سے ایک فرشتہ بن جائے۔

اس کے علاوہ اسی جنگ صفین کا واقعہ ہے کہ جب امام نے سنا کہ آپ کے سپاہیوں میں سے کچھ لوگ شام کے لوگوں کو برا بھلا کہہ رہے ہیں، تو آپ نے فرمایا:

"إِنِّي أَكْرَهُ لَكُمْ أَنْ تَكُونُوا سَبَّابِينَ، وَلٰكِنَّكُمْ لَوْ وَصَفْتُمْ

۱۔ پند و نصیحت، نمبر ۲۶۶ از نہج البلاغہ۔

اَعْمَالَهُمْ وَذَكَرْتُمْ حَالَهُمْ كَانَ اَصْوَبَ فِي الْقَوْلِ وَاَبْلَغَ فِي الْعُذْرِ، وَقُلْتُمْ مَكَانَ سَبِّكُمْ اِيَّاهُمْ: اَللّٰهُمَّ احْقِنْ دِمَائَنَا وَدِمَائَهُمْ وَاَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِنَا وَبَيْنِهِمْ وَاهْدِهِمْ مِنْ ضَلَالَتِهِمْ حَتّٰى يَعْرِفَ الْحَقَّ مَنْ جَهِلَهُ وَيَرْعَوِيَ عَنِ الْغَيِّ وَالْعُدْوَانِ مَنْ لَهِجَ بِهٖ"۔ (۱)

"میں اسے پسند نہیں کرتا کہ تم گالیاں دینے والے اور برا بھلا کہنے والے بن جاؤ۔ اگر تم ان کے اعمال و کردار پر اعتراض کرتے اور انہیں ان کی بداعمالیوں کی طرف متوجہ کرتے تو بھلائی اور صواب سے زیادہ نزدیک ہوتے اور تمہارا اعتراض بھی بجا ہوتا۔ تم لوگ بجائے انہیں گالیاں دینے کے یہ کہتے:

"خداوندا! ہماری اور ان کی جانوں کی حفاظت فرما اور ہمارے اور ان کے درمیان صلح وصفا برقرار کر۔ انہیں گمراہی سے نکال کر ہدایت کی راہ پر گامزن کردے تاکہ جو حق کو نہیں پہچانتے، پہچان لیں اور عداوت و گمراہی سے باز آجائیں"۔

کیا دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا سیاسی رہنما اور سپہ سالار بھی دیکھا یا سنا گیا ہے جو اپنے پست اور ذلیل دشمن کے ساتھ ایسا برتاؤ کرے؟ دشمن سے انتقام لینے اور اسے نقصان پہنچانے کا جذبہ ایسی چیز ہے جو ارباب اقتدار کے نظریہ کے مطابق خصوصاً میدان جنگ میں، ہلکی سی نرمی کی بھی اجازت نہیں دیتا۔ کائنات میں صرف علیؑ ہی جیسی شخصیتیں ان حالات میں بھی اخلاقی اصول کی پابند رہ سکتی ہیں۔

سیاست اور اخلاق؟! جنگ اور اخلاق؟! ان کا باور کرنا کس قدر مشکل ہے!، لیکن جہاں ایمان حاکم ہوتا ہے اور اقتدار کی باگ ڈور مومن کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہاں

۱۔ باب خطب/ کلام ۲۰۶ ۔ نہج البلاغہ

یہ سب آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

اس سیاسی روش کا انتخاب اور اس پر عمل ممکن ہے خساروں سے دوچار کرے اور اس راہ میں نقصانات اٹھانا پڑیں، یا یہ طرز دشمن کو اور زیادہ جری وجسور بنا دے۔ لیکن ایک دیرپا اثر اور ایک مستقل مکتب فکر کے اعتبار سے جس چیز پر خصوصیت سے تکیہ کرنا چاہئیے، وہ انسان کی با فضیلت زندگی اور بہترین انسانی صفات کی بقا ہی ہے اور یہ ایسی چیز ہے کہ انسان کے وجود اور اس کی حیات کا فلسفہ بھی اسی پر منحصر ہے نیز موت وحیات کا انحصار بھی اسی فلسفہ پر ہے (خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا) (۱) اسی نے موت وحیات کو پیدا کیا تاکہ آزمائے کہ تم میں بہترین عمل کرنے والا کون ہے۔

آج اسلامی جمہوریہ کا نظام اسی سیاسی اور فوجی منطق پر عمل پیرا ہے اور تمام جہات میں اپنے دشمنوں کے ساتھ یہی روش اپنائے ہوئے ہے۔ خاص طور پر بڑی طاقتوں کی طرف سے تھوپی گئی جنگ کے دوران محاذ پر جنگی اسیروں اور مجروح دشمنوں کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ دیکھنے میں آتا ہے۔ اور یہ بذات خود ہمارے اسلامی انقلاب کی ثقافت وتمدن کا ایک خاص حصہ ہے کہ اس میں قدروں کو ظاہری تسلط وغلبہ اور مکر وفریب سے الگ ہٹ کر انسانی معیاروں کی بنیاد پر پرکھا گیا ہے۔

سیاسی آگاہی

کلمۂ سیاست کے حقیقی مفہوم کے مطابق سیاسی مسائل میں بصیرت وآگاہی حاصل کرنے کے معنی یہ بھی ہیں کہ: حاکم، اسلامی مسائل پر گہری نظر رکھتے ہوئے اسلامی معاشرہ کے مصالح ومنافع کے پیش نظر دشمن کے مدمقابل ایسا رویہ اختیار کرے جو شریعت کی بنیادی حدود سے خارج نہ ہو، ساتھ ہی دین کی بقا اور امت کی فلاح وبہبود کا ضامن بھی ہو۔

۱۔ سورہ ملک آیت ۲

یہ سیاسی بصیرت، دوسرے سوداگرانہ مادّی سیاسی افکار سے بہت بڑا فرق رکھتی ہے۔ حضرت علیؑ نے اپنے ارشادات میں بار بار اس نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ جو روش میں نے اختیار کی ہے وہ بصیرت کی اور واقعیت کی بنیاد پر استوار ہے۔ اشتباہ، دھوکہ اور مکروفریب کا نتیجہ نہیں ہے۔

ایک مقام پر آپ نے طلحہ و زبیر کے بیعت کرنے اور پھر ان کے بیعت توڑنے اور روگردانی اختیار کرنے کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّ مَعِی لَبَصِیْرَتِی مَا لَبَسْتُ وَلَا لُبِسَ عَلَیَّ. وَاِنَّهَا لَلْفِئَةُ الْبَاغِیَةُ فِیْهَا الْحَمَاُ وَالْحُمَةُ وَالشُّبْهَةُ الْمُغْدِفَةُ وَاِنَّ الْاَمْرَ لَوَاضِحٌ وَقَدْ زَاحَ الْبَاطِلُ عَنْ نِصَابِهِ وَانْقَطَعَ لِسَانُهُ عَنْ شَغْبِهِ۔"[1]

درحقیقت میرے ساتھ میری بصیرت کی روشنی ہے۔ نہ میں نے خود کبھی دھوکہ دیا ہے اور نہ مجھے کسی معاملہ میں دھوکہ ہوا ہے۔ بلاشبہ یہی وہ باغی گروہ ہے جس میں ایک ہمارا اپنا ہے جو بچھو کے ڈنک کے ہمراہ ہے ساتھ ہی حق پر پردہ ڈالنے والے شبہوں کے سیاہ پردے ہیں اور گمراہ کرنے والے ہیں جنہوں نے "قتل عثمان کا بہانہ" ڈھونڈ لیا ہے۔ حالانکہ بات کھل چکی ہے، باطل کی جڑیں اکھڑ چکی ہیں اور اب اس میں شرانگیزی کے لئے زبان درازی کی طاقت و ہمت نہیں رہی"۔

ساتھ ہی امامؑ اپنی سیاست سے معاویہ کی سیاست کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ/ ۱۳۷

"وَاللّٰهِ مَا مُعَاوِيَةُ بِأَدْهىٰ مِنِّي وَلٰكِنَّهُ يَغْدِرُ وَ يَفْجُرُ وَلَوْلَا كَرَاهِيَةُ الْغَدْرِ لَكُنْتُ مِنْ أَدْهَى النَّاسِ وَلٰكِنْ كُلُّ غُدَرَةٍ فُجَرَةٌ ، وَكُلُّ فُجَرَةٍ كُفَرَةٌ ، وَلِكُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ يُعْرَفُ بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاللّٰهِ مَا أُسْتَغْفَلُ بِالْمَكِيدَةِ وَلَا أُسْتَغْمَزُ بِالشَّدِيدَةِ" (۱)

" خدا کی قسم معاویہ مجھ سے زیادہ باہوش اور عقلمند نہیں ہے لیکن اصل میں وہ چال بازی، مکروفریب اور فسق و فجور سے کام لیتا ہے اور اگر مجھے مکر و زور اور گناہ سے نفرت نہ ہوتی تو میں دنیا کا سب سے زیادہ چالاک انسان ہوتا۔ لیکن درحقیقت ہر طرح کی چال بازی، فسق و فجور اور تباہی و بربادی کا سامان فتنج ہے اور ہر تباہ کاری کفر ہے اور قیامت میں ہر چالباز و فریب کار کے ہاتھ میں ایک پرچم ہوگا جس سے وہ پہچانا جائے گا خدا کی قسم مجھے مکر و فریب سے کبھی غافل نہیں کیا جا سکتا، اور نہ پے در پے حملوں سے جھکایا جا سکتا ہے۔ (۲)

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ / ۲۰۰

۲۔ یہاں اسلامی سیاسی آگاہی و بصیرت سے متعلق ایک وضاحت ضروری ہے اور وہ یہ کہ ایک طرف تو ان رہبروں کو جو لوگوں پر حاکم ہیں سیاسی طور پر آگاہ و بصیر ہونا چاہیئے اور اسی کے مطابق عمل کرنا چاہیئے، دوسری طرف عوام کو بھی ضروری حد تک فکری طور سے پختہ اور اس سیاست سے آگاہ ہونا چاہیئے۔ امام نے ان دونوں پہلوؤں پر رہنمائی فرمائی ہے چنانچہ اس بحث کی تکمیل کے لئے قارئین کرام " عوام اور حکومت " کے عنوان سے آئندہ باب کو مزید پیش نظر رکھیں

نواں باب

حکومت کے ارکان

کسی معاشرہ پر حاکم نظام میں فرائض کی تقسیم کے ذیل میں تین طاقتوں کی بات سامنے آتی ہے " مقننہ " یعنی قانون ساز طاقت ، " عدلیہ " یعنی قانونی امور میں رجوع ، اور حالات کے مطابق احکام اصادر کرنے والی طاقت ، اور " مجریہ " یعنی احکام کا اجرا کرنے والی طاقت ہم اس ڈھانچہ کے تحت اسلامی نظام کے ارکان کو مشخص کرنا چاہیں تو یہ کہیں گے کہ اس ڈھانچہ کی سب سے پہلی طاقت یعنی قانون ساز طاقت تو جس طرح دوسرے تمام سیاسی نظام اس کی تعریف بیان کرتے ہیں اسلام میں سرے سے اس کا وجود ہی نہیں ہے ۔ کیونکہ دوسرے سیاسی نظام عوامی نمائندوں کی آراء کو ہی مطلق طور سے قانون کا سرچشمہ تصور کرتے ہیں جو قانونی طور پر اکثریت کی منظوری کے بعد ہی قابل اجراء ہوتا ہے ۔ جبکہ اسلام کے سیاسی نظام میں قوانین کا سرچشمہ پہلے سے مشخص کیا جا چکا ہے اور اس کے تمام اصول و کلیات وحی اور باقی رہنے والی الٰہی شریعت سے ماخوذ ہیں ۔

اسلامی شوریٰ یا پارلیمنٹ میں جس بات پر بحث و گفتگو ہوتی ہے وہ موجودہ دور میں پیش آنے والے روزمرہ کے مسائل ہوتے ہیں تاکہ دیکھا جائے کہ اسلام کے کلی قوانین میں ان کی کہاں تک گنجائش ہے ۔ اور ان ہی کی بنیاد پر موجودہ قوانین مرتب کئے جائیں یا دائرہ

آراء بھی اسی بنیاد پر ہے۔ ورنہ آراء و اکثریت کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ کوئی قانون وضع کیا جائے اور اسلامی قانون کی روح کے خلاف اس پر عمل کیا جائے۔
حکومتی اداروں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ الٰہی احکام و سنن اور قوانین کی پورے طور سے حفاظت کرتے ہوئے حکومت کی کلی سیاست کے تحت انھیں پیش کئے جانے اور ان کا اجرا کرنے کے سلسلہ میں پوری توجہ سے کام لیں۔

کتاب و سنت قانون کا سرچشمہ

حضرت علیؑ، مالک اشتر کے نام تحریر کردہ عہدنامہ میں فرماتے ہیں:۔

"وَارْدُدْ اِلَى اللّٰهِ مَا يُضْلِعُكَ مِنَ الْخُطُوبِ وَيَشْتَبِهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاُمُورِ فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِقَوْمٍ اَحَبَّ اِرْشَادَهُمْ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ، فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ، فَالرَّدُّ اِلَى اللّٰهِ الْاَخْذُ بِمُحْكَمِ كِتَابِهِ وَالرَّدُّ اِلَى الرَّسُوْلِ، الْاَخْذُ بِسُنَّتِهِ الْجَامِعَةِ غَيْرِ الْمُفَرِّقَةِ"

(خط نمبر ۵۳)

"جس کام میں بھی تم سنگینی اور الجھاؤ کا احساس کرتے ہو یا جن امور میں تردد کا شکار ہو جاتے ہو انھیں خدا اور اس کے رسولؐ کے حوالہ کر دو کیونکہ خداوند عالم جن لوگوں کی ہدایت کرنا پسند کرتا ہے ان کے لئے فرماتا ہے " اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو، پیغمبرؐ اکرم نیز جو لوگ تم میں ولی امر ہیں ان کی پیروی کرو، لہٰذا اگر کوئی کام نزاع کی حد تک پہنچ جائے تو اسے خدا اور اس کے پیغمبر (ص) کے حوالہ کر دو "۔ خدا کے حوالہ کرنے کا مطلب اس کی روشن اور واضح آیتوں کی طرف رجوع کرنا اور ان کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اور پیغمبرؐ کے حوالہ کرنے کا مطلب آنحضرتؐ کی وسیع و جامع اور غیر اختلافی سنت کی پیروی ہے۔"

اور اسی خط میں دوسری جگہ رہنمائی کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"وَلَا تَنْقُضْ سُنَّةً صَالِحَةً عَمِلَ بِهَا صُدُورُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ وَاجْتَمَعَتْ بِهَا الْأُلْفَةُ وَصَلَحَتْ عَلَيْهَا الرَّعِيَّةُ ۔ وَلَا تُحْدِثَنَّ سُنَّةً تَضُرُّ بِشَيْءٍ مِنْ مَاضِي تِلْكَ السُّنَنِ ، فَيَكُونَ الْأَجْرُ لِمَنْ سَنَّهَا وَالْوِزْرُ عَلَيْكَ بِمَا نَقَضْتَ مِنْهَا"

"ان اچھی اور نیک سنتوں اور رسموں کو مت توڑو جن پر اس امت کے بزرگ افراد عمل پیرا رہے ہیں اور جو ملت و قوم کے درمیان اتحاد و دوستی اور اس کی مصلحتوں کے حق میں مددگار ثابت ہوتی ہیں ۔ اور ایسی رسم جاری نہ کرو جو ماضی کی ان سنتوں اور رسموں کو نقصان پہنچانے والی ہو ۔ کیونکہ نتیجہ میں ان صالح اور بہترین رسموں کے بانیوں کو تو اس کی جزائے خیر ملے گی اور تمہارے کاندھوں پر ان رسموں کے توڑنے کے عوض گناہوں کا بوجھ ہوگا۔

علمائے دین کا کردار

امام اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے مالک اشتر کو صالح علماء اور نیک نفس حکماء کی ہم نشینی کی نصیحت فرماتے ہیں ۔ اور یہ نصیحت بذات خود اس بات کی تاکید ہے کہ حکومت کے ذمہ دار افراد کو رسم و رواج اور قواعد و قوانین کو علماء دین اور حکماء الٰہی کی مفید رہنمائیوں ان کے گراں قدر مشوروں کے مطابق مقرر کرنا چاہیے ۔ کیونکہ یہ افراد کتاب خدا اور اس کے احکام سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں ۔ ایسا نہ ہو کہ حکومت کے ذمہ دار علماء کی آراء کے برخلاف اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق عمل کرنے لگیں ۔ امام اس سلسلہ میں فرماتے ہیں :۔

"وَأَكْثِرْ مُدَارَسَةَ الْعُلَمَاءِ وَمُنَاقَشَةَ الْحُكَمَاءِ فِي تَثْبِيتِ مَا صَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ بِلَادِكَ وَإِقَامَةِ مَا اسْتَقَامَ بِهِ النَّاسُ قَبْلَكَ"

"مذاکرہ اور بحث و گفتگو کے لئے علماء و حکماء کی ہمنشینی زیادہ اختیار کرو اور تاکہ تم ملک کی مصلحتوں اور رفاہ کے کاموں کو قائم و پائدار کر سکو اور قوم کے

اگلے لوگوں کی طرح ملت کے حالات و امور میں استحکام اور مضبوطی لاؤ۔"

یہ فطری امر ہے کہ اگر کسی حکومت کے ذمہ دار افراد قوانینِ الٰہی کو اپنا محور بنالیں اور اس سلسلہ میں علماء و حکماء سے برابر مشورے کیا کریں تو ملک و قوم نہ صرف یہ کہ گمراہی کا شکار نہ ہوگی بلکہ ملت و حکومت کو روز بروز استقلالی اور پائداری حاصل ہوتی جائے گی۔ امامؑ نے اپنے ایک اور خطبہ میں الٰہی سنن و شریعت کا احیاء، ان کی حفاظت و نگہبانی اور بدعتوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے کے سلسلہ میں حکام کی ذمہ داریوں کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:-

"فَاعْلَمْ اَنَّ اَفْضَلَ عِبَادِ اللّٰهِ اِمَامٌ عَادِلٌ هُدِيَ وَهَدٰى فَاَقَامَ سُنَّةً مَعْلُوْمَةً وَاَمَاتَ بِدْعَةً مَجْهُوْلَةً ۔ وَاِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ اِمَامٌ جَائِرٌ ضَلَّ وَضُلَّ بِهٖ فَاَمَاتَ سُنَّةً مَاْخُوْذَةً وَاَحْيٰى بِدْعَةً مَتْرُوْكَةً" (خطبہ نمبر ۱۶۴)

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خدا کے نزدیک بہترین بندہ وہ حاکم عادل ہے جو خود ہدایت یافتہ ہے اور دوسروں کی بھی ہدایت کرتا ہے جانی بوجھی اور اچھی سنتوں کو قائم کرتا ہے اور جہالت کی پیدا کردہ مجہول بدعتوں کو توڑتا اور ان کا خاتمہ کرتا ہے۔ اور بلاشبہ اللہ کی نگاہ میں بدترین بندہ وہ ظالم حاکم ہے جو خود گمراہ ہے اور دوسروں کو بھی گمراہی کی طرف کھینچتا ہے (پیغمبر اکرمؐ) کی قائم کردہ سنتوں کا خاتمہ کرتا ہے اور متروکہ بدعتوں کو زندہ کرتا جاتا ہے"

اب اس سلسلہ میں مزید وضاحت کی ضرورت نہیں کہ قوانین و احکام کا مرجع و مرکز کسے ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر معیار کتاب و سنت ہو۔ اور پارلیمنٹ میں باصلاحیت افراد موجود ہوں نیز "ولایت فقیہ" کے اصول کے مطابق حکومت کا کام ایک صالح ولی فقیہ کی نگرانی اور سرپرستی میں آگے بڑھے تو کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی۔

اصل میں تمام مشکلات کی بنیاد یہ ہے کہ حکومت کا نظام غیر صالح، جاہل اور اقتدار پسند افراد کے ہاتھوں میں چلا جائے جو خود اپنی مرضی کے مطابق من موجی طریقہ پر جو چاہیں کریں اور الٰہی احکام و قوانین کو قدموں تلے روند ڈالیں۔

اور یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے جو پوری تاریخ میں حتی ملت اسلام پر حاکم موجودہ سیاستوں کی شکل میں صدیوں سے انسانی معاشرہ کو دامن گیر رہا ہے۔ لہٰذا اس بات کی کوشش ہونا چاہیئے کہ کسی طرح اس عظیم مصیبت سے نجات حاصل کی جائے۔ اسلام سے آگاہ صالح افراد حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لیں۔ ساتھ ہی اس بات سے بھی ہوشیار رہنا چاہیئے کہ اسلام دشمن عناصر یا دین سے لاتعلق افراد اسلام کے نام پر حاکم نہ بن بیٹھیں کہ اسلام ہی کے نام پر اسے مٹانے کی کوششیں کرنے لگیں نتیجے کے طور پر وہی خطرہ جو گذشتہ زمانہ سے لے کر آج تک مسلمانوں کی آبرو اور دین کی اصالت و حقانیت سے کھیلتا رہا ہے پھر در پیش ہو جائے۔ یہ نکتہ بہرحال ذہن میں رہنا چاہیئے کہ حق کی شناخت کا معیار افراد نہیں ہیں بلکہ حق خود افراد کی شناخت کا معیار ہے اور حق کی راہ و روش، کتاب و سنت اور اسلام کے حقیقی رہبروں کی سیرت و سیاست کے ذریعہ معین و مشخص ہو چکی ہے۔

عدالتی مسائل اور قاضیوں کی خصوصیات

قضاوت کی اہمیت اور ایک قاضی کے خصوصیات و شرائط کیا ہیں، قضاوت کی اساس و بنیاد، اس کے مختلف پہلو، اس کا دائرہ کار، اور اس امر سے متعلق و مربوط دیگر مسائل اسلام کی بنیادی کتابوں میں پوری وضاحت کے ساتھ جامع طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں۔ حضرت علیؑ نے بھی اپنے ارشادات میں اس موضوع پر خاص تاکید فرمائی ہے۔ امامؑ نے مالک اشترؒ کو جو خط تحریر فرمایا ہے اس میں قاضیوں کے شرائط اور ان کی خصوصیات پر یوں روشنی ڈالی ہے:-

"ثُمَّ اخْتَرْ لِلْحُكْمِ بَيْنَ النَّاسِ أَفْضَلَ رَعِيَّتِكَ فِي نَفْسِكَ مِمَّنْ لَا تَضِيقُ بِهِ الْأُمُورُ وَلَا تُمَحِّكُهُ الْخُصُومُ وَلَا يَتَمَادَى فِي الزَّلَّةِ وَلَا يَحْصَرُ مِنَ الْفَيْءِ إِلَى الْحَقِّ إِذَا عَرَفَهُ وَلَا تُشْرِفُ نَفْسُهُ عَلَى طَمَعٍ وَلَا يَكْتَفِي بِأَدْنَى فَهْمٍ دُونَ أَقْصَاهُ وَأَوْقَفَهُمْ فِي الشُّبُهَاتِ وَآخَذَهُمْ بِالْحُجَجِ وَأَقَلَّهُمْ تَبَرُّماً بِمُرَاجَعَةِ الْخَصْمِ وَأَصْبَرَهُمْ عَلَى تَكَشُّفِ الْأُمُورِ وَأَصْرَمَهُمْ عِنْدَ

اتضاح الحکم ممن لا تزدهیہ اطراء ولا یستمیلہ اغراء واولئک قلیل ۔

"لوگوں کے درمیان قضاوت اور فیصلے کے لئے ایسے شخص کا انتخاب کرو جو تمہاری نگاہ میں رعایا میں سب سے بہتر ہو، ایسا شخص جو اس کام میں عاجز و مجبور نہ ہوتا ہو، اور طرفین کے رویہ سے غصہ میں نہ آتا ہو۔ اپنے اشتباہ اور لغزش پر اصرار و ہٹ دھرمی کا اظہار نہ کرتا ہو اور حق کو پہچان کر اس کی طرف رجوع کرنے اور اسے اختیار کرنے میں تأمل یا طبیعت پر بوجھ نہ محسوس کرتا ہو۔ اس کا نفس طمع و لالچ کا شکار نہ ہوتا ہو اور بغیر پوری چھان بین کیے سرسری طور پر کسی معاملہ کو سمجھنے پر اکتفا نہ کرتا ہو۔ شبہ کے مقامات پر احتیاط سے کام لیتا ہو کافی اور اطمینان بخش دلائل کی بنیاد پر ہی فیصلہ کرتا ہو۔ شکایت کرنے والوں کے بار بار رجوع کرنے سے تھکتا اور دل تنگ نہ ہوتا ہو۔ معاملات کی تحقیق اور گتھیوں کو سلجھانے میں بڑے صبر و تحمل سے کام لیتا ہو اور حق کو پہچان لینے کے بعد اس کے مطابق بے دھڑک فیصلہ سنا دیتا ہو۔ خوشامد و چاپلوسی اسے مغرور نہ بنا دے اور فریب اسے گمراہ نہ کر دے۔ البتہ ایسے لوگ بہت کم ہیں۔"

قاضیوں کی نگرانی اور زندگی کے مسائل سے مستغنی رکھنا

مذکورہ بالا شرائط کے علاوہ خصوصیت سے قاضیوں اور عدالتی امور کے ذمہ دار افراد کے سلسلہ میں مسلمانوں کے ولی امر یعنی حاکم کا فریضہ ہے کہ وہ قاضیوں پر پوری نگاہ رکھے رہے ان کے مسائل و مشکلات کو حل کرتا رہے۔ ان کے کام کی دیکھ بھال کرتا رہے اور اس اہم ترین گروہ کی نگرانی سے تھوڑی دیر کے لئے بھی چشم پوشی نہ کرے۔ بلکہ ہمیشہ انھیں زیر نظر رکھے۔

چنانچہ امام اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"ثم اکثر تعاھد قضائہ وافسح لہ فی البذل ما یزیل علتہ وتقل معہ حاجتہ الی الناس واعطہ من المنزلۃ

لَدَیۡكَ مَا لَا یَطۡمَعُ فِیهِ غَیۡرُكَ مِنۡ خَاصَّتِكَ. لِیَأمَنَ بِذٰلِكَ اغۡتِیَالَ الرِّجَالِ لَهُ عِنۡدَكَ ۔ فَانۡظُرۡ فِی ذٰلِكَ نَظَرًا بَلِیۡغًا. فَاِنَّ هٰذَا الدِّیۡنَ قَدۡ كَانَ اَسِیۡرًا فِی اَیۡدِی الۡاَشۡرَارِ یُعۡمَلُ فِیهِ بِالۡهَوٰی وَتُطۡلَبُ بِهِ الدُّنۡیَا"

"مزید یہ کہ اس (قاضی) کے فیصلوں کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہا کرو اور اس کو بقدر کافی مال بخشو کہ وہ خلاف ورزی کے سلسلہ میں کوئی بہانہ تلاش نہ کر سکے اور لوگوں کا محتاج بن کر نہ رہے ما سے اپنے نزدیک معزز و مقرب قرار دو تاکہ تمہارے دوسرے قریبی افراد اسے لالچ دینے یا ضرر پہنچانے کی ہمت نہ کر سکیں اور وہ تمہاری توجہ کی وجہ سے لوگوں کے فریب و سازش سے خود کو محفوظ سمجھے۔ دیکھو اس سلسلہ میں کافی بالغ نظری سے کام لینا۔ کیونکہ (اس سے) پہلے یہ دین شر پسند عناصر کے پنجوں میں اسیر رہ چکا ہے اور انہوں نے اسے اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل اور دنیا طلبی کا ذریعہ بنا رکھا تھا۔"

امامؑ کے اس قیمتی کلام میں بہت سے لطیف و ظریف نکتے موجود ہیں جن پر غور کیے بغیر سادگی سے گزر جانا ناانصافی ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(الف) نگرانی

ولی امر یعنی اسلامی نظام میں سب سے بلند مقام شخص کو قضاوت کے ذمہ دار افراد سے نہ صرف ہمیشہ رابطہ رکھنا چاہیئے بلکہ ان کے کاموں پر پوری نظر رکھنا چاہیئے اور ان کے سلسلہ میں صرف اطمینان و اعتماد پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ انسان خطاؤں سے محفوظ نہیں ہے اور چند لمحوں کی معمولی سی غفلت بھی بہت بڑے اور ناقابل تلافی نقصان کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی ہے۔

(ب) ضرورتوں کی تکمیل

قاضیوں اور حکومت کے دوسرے ذمہ دار افراد کی مادی و اقتصادی ضرورتوں اور زندگی کی دوسری احتیاجات کو پورا کرنا بڑی حساس اہمیت کا حامل ہے۔ بعض لوگ جذبات و احساسات

کے اعتبار سے ضعیف و کمزور ہوتے ہیں اور ممکن ہے کہ وہ اپنے مالی مشکلات، احتیاجات اور تنگیوں میں گرفتار ہو کر گمراہی کی طرف کھینچ لئے جائیں لہٰذا ایسے لوگوں کے امور کی دیکھ بھال اور ان کے مادی مشکلات کو دور کر کے ان کی گمراہی اور انحراف کی راہوں کو بند کیا جا سکتا ہے نیز رشوت اور غلط قسم کے لین دین اور حساب و کتاب سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

مزید یہ کہ اقتصادی ضرورتیں بذات خود ایک حقیقت رکھتی ہیں اور حکومت پورے طور سے اس کی ذمہ دار ہے۔

ج) قدردانی

بعض لوگوں کو چاپلوسی، بے جا تعریفوں یا چرب زبانی کے ذریعہ رام ہی نہیں بلکہ گمراہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ ایسے افراد اپنی ان کمزوریوں کی وجہ سے خود غرض اور فتنہ پرداز عناصر کی نظر میں رہتے ہیں اور بہت سے موقع پرست افراد محبت اور لگاوٹ کا جال بچھا کر ان کو اپنے آئینہ میں اتارتے ہیں جس کے نقصانات سے معاشرہ کا نظام محفوظ نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا مافوق ذمہ داروں یا افسران بالا کو چاہیئے کہ اپنے ان ماتحت افراد سے ایسے روابط رکھیں جن سے وہ حقارت اور غربت کا احساس نہ کرنے پائیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کی شخصیتوں کو اہمیت و عزت بخشیں تاکہ منصب قضاوت کی آزادی اور مستقل مزاجی مجروح نہ ہونے پائے۔ اس کے علاوہ اصولی طور پر لوگوں کی قدردانی اور ان کے کاموں کی ہمت افزائی اور تشویق خود ایک مستقل اصول ہے، کہ حدیث میں بھی ہے:

"مَنْ لَمْ يَشْكُرِ الْمَخْلُوقَ لَمْ يَشْكُرِ الْخَالِقَ"۔

"جو بندوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا، خالق کا شکر گزار بھی نہیں ہو سکتا۔"

حضرت علیؑ کے اقوال میں ایسے افراد کی قدردانی اور تعریف و توصیف کے نمونے موجود ہیں جنھوں نے خوش اسلوبی سے اپنے فرائض اور اپنی ذمہ داریاں انجام دی ہیں۔ اس سلسلہ میں مناسب موقع پر تفصیل سے تذکرہ ہوگا۔ بہر حال ان اقوال کو ملک کے ذمہ دار افراد کے لئے نمونۂ عمل ہونا چاہیئے۔

(د) عدالت کی آزادی

آخر میں امامؑ نے اپنے کلام میں اہل شر کی حکومت کے دوران دین کی اسیری اور قید و بند کا تذکرہ فرمایا ہے جو اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ملک کے ذمہ دار افراد منجملہ محکمۂ عدلیہ کے عہدے دار اگر مستقل اور خود مختار ہوں یا انھیں گمراہی و خلاف ورزی کی طرف کھینچا جا سکتا ہو اور اثر و رسوخ، سفارش و رشوت یا لالچ، تعریف و خوشامد اور ڈرانے اور دھمکانے والے عناصر ان پر اثر انداز ہو سکتے ہوں تو گویا دین ان لوگوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو کر رہ جائے گا اور ہر طرح کے قوانین و احکام کے اجرار کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی ہو جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ پوری ملت اسیری اور غلامی کا شکار ہو جائے گی۔ اس کی بہت سی مثالیں ظلم و استبداد کے زیر تسلط ممالک کے عدالتی نظاموں حتیٰ ان ہی طاقتوں کی اسیر نام نہاد بین الاقوامی حقوق کو عدالتوں میں بے شمار مواقع پر دیکھنے کو ملی ہے اور ملتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم قضاوت اور حقوق و قانون کے مسئلہ سے متعلق اسلام کی عمیق نظری اور باریک بینی کو پہلے سے زیادہ محسوس کر رہے ہیں۔ لہٰذا حکومت کے ذمہ دار افراد کا فریضہ ہے کہ جس طرح اسلام نے اس کی تاکید کی ہے حقوق و قضاوت کی خود مختاری اور سالمیت کی حفاظت کی پوری کوشش کریں، ساتھ میں اس کا بھی خیال رکھیں کہ عدالت کی اس آزادی میں گمراہ کن، غیر سالم اور نقصان دہ روشیں نفوذ نہ کر پائیں، کیونکہ یہ امر اسلام اور مسلمانوں کے لئے حیاتی قدر و قیمت کا حامل ہے۔

اجرائی رکن اور ملت کا کردار

نظام حکومت کے ارکان میں سے ایک قانون کو نافذ کرنے والا رکن بھی ہے جس میں وزرار، اس کے معاونین، نائبین، سکریٹری اور منشی سے لے کر معمولی خدمت گزاروں تک سیکڑوں، ہزاروں افراد حکومت کے معاون و مددگار ہوتے ہیں۔ ان افراد کا انتخاب و تقرر خود ایک مسئلہ ہے اور ان مختلف صنف کے افراد اور حکومت کے باہمی روابط اکثر ایک دوسرے پر اور خود معاشرہ پر ایک دوسرا مسئلہ۔ امام علیہ السلام نے تفصیل کے ساتھ ان دونوں پہلوؤں کی وضاحت فرمائی ہے ملاحظہ ہو ــــــــــ

وَاعْلَمْ اَنَّ الرَّعِيَّةَ طَبَقَاتٌ لَا يَصْلُحُ بَعْضُهَا اِلَّا بِبَعْضٍ، وَلَا غِنٰى بِبَعْضِهَا عَنْ بَعْضٍ فَمِنْهَا جُنُوْدُ اللّٰهِ، وَمِنْهَا كُتَّابُ الْعَامَّةِ وَالْخَاصَّةِ وَمِنْهَا قُضَاةُ الْعَدْلِ، وَمِنْهَا عُمَّالُ الْاِنْصَافِ وَالرِّفْقِ، وَمِنْهَا اَهْلُ الْجِزْيَةِ وَالْخَرَاجِ مِنْ اَهْلِ الذِّمَّةِ وَمُسْلِمَةِ النَّاسِ، وَمِنْهَا التُّجَّارُ وَاَهْلُ الصِّنَاعَاتِ وَمِنْهَا الطَّبَقَةُ السُّفْلٰى مِنْ ذَوِي الْحَاجَةِ وَالْمَسْكَنَةِ؛ وَكُلٌّ قَدْ سَمَّى اللّٰهُ لَهُ سَهْمَهُ وَوَضَعَ عَلٰى حَدِّهِ فَرِيْضَةً فِيْ كِتَابِهِ اَوْ سُنَّةِ نَبِيِّهِ - صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ - عَهْدًا مِنْهُ عِنْدَنَا مَحْفُوْظًا (خط نمبر ۵۳)

"تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ رعایا میں کئی طبقے ہوتے ہیں، جن کی فلاح و بہبود ایک دوسرے سے وابستہ ہے، اور وہ ایک دوسرے سے بے نیاز نہیں ہیں۔ یہ طبقے کچھ اس طرح ہیں؛ خدا کے سپاہی (لشکر)، عمومی و خصوصی شعبوں کے منشی، عدالتوں کے قاضی، امن و انصاف قائم کرنے پر مامور افراد، ذمی کفار اور مسلمانوں سے جزیہ خراج اور دیگر ٹیکس وصول کرنے والے، تجار اور اہل صنعت و حرفت اور معاشرہ کا غریب و محتاج اور نچلا طبقہ۔ خداوند عالم نے ہر ایک کا حق معین کر دیا ہے اور کتاب خدا و سنت پیغمبرؐ میں اس کی حد بندی کر دی ہے، جو ایک عہد اور آئین نامہ کی صورت میں ہمارے پاس محفوظ ہے۔"

چونکہ اسلام کے سیاسی نظام میں، حکومت، ملت سے الگ نہیں ہے اور رعایا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس سے معاشرہ کا پست اور محنت کش طبقہ ہی مراد لیا جائے۔ بلکہ معاشرہ کے پست طبقے بھی اس نظام میں ایک حساس جگہ رکھتے ہیں۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ کلام امامؑ میں بلا استثنا معاشرہ کے تمام طبقات کا ذکر موجود ہے اور جس طرح مسلح فوجوں نیز عدالتی حکام کا ذکر کیا گیا ہے یوں ہی کاریگروں، مزدوروں، کسانوں، تاجروں اور محروم و فقیر افراد کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی سب کے لئے مخصوص حدود و حقوق بھی معین کئے گئے ہیں۔ جس کی

تفصیل آئندہ سامنے آئے گی۔

امام علیہ السلام نے اپنے کلام کو جاری رکھتے ہوئے حکومت و مملکت کے نظام میں مذکورہ بالا تمام طبقوں کی معاشرہ میں حیثیت و اہمیت نیز ایک دوسرے کے ساتھ ان کے باہمی ارتباط کی طرف اشارہ فرمایا ہے:

الف) سپاہ یا فوج

"فَالجنودُ بِإِذْنِ اللهِ حصُونُ الرَّعِيَّةِ، وَزَيْنُ الْوُلَاةِ، وَعِزُّ الدِّيْنِ، وسبلُ الْأَمْنِ وَلَيْسَ تَقُوْمُ الرَّعِيَّةُ إِلَّا بِهِمْ"

"فوج خدا کے حکم سے ملت کا مستحکم اور ناقابل تسخیر قلعہ، حکام کی زینت و آبرو، دین کے لیے مایۂ عزت و افتخار اور معاشرہ میں امن و امان قائم رکھنے کا وسیلہ ہے۔ رعایا کو بغیر اس کے استقلال و استحکام نہیں حاصل ہو سکتا۔"

ب) دفاعی بجٹ

"ثُمَّ لا قوامَ لِلْجُنُودِ إِلا بِمَا يُخْرِجُ اللهُ لَهُمْ مِنَ الْخَرَاجِ الَّذِي يَقْوَوْنَ بِهِ عَلَى جِهَادِ عَدُوِّهِمْ وَيَعْتَمِدُونَ عَلَيْهِ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ وَيَكُونُ مِنْ وَرَاءِ حَاجَتِهِمْ"

"اور پھر فوج کا نظم و استحکام بھی ان مالیات یا ٹیکسوں اور آمدنیوں کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا جو خدا نے ان کے اختیار میں دے رکھے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ اپنے دشمن سے جہاد کریں اور خود کو قوی اور ساز و سامان سے آراستہ کریں نیز اپنی ضرورتیں پوری کریں۔"

ج) "قاضی اور دیگر کارکنان حکومت

"ثُمَّ لا قوامَ لِهٰذَيْنِ الصِّنْفَيْنِ إِلَّا بِالصِّنْفِ الثَّالِثِ مِنَ الْقُضَاةِ وَالْعُمَّالِ وَالْكُتَّابِ لِمَا يُحْكِمُونَ مِنَ الْمَعَاقِدِ وَيَجْمَعُوْنَ

مِنَ الْمَنَافِعِ وَيُؤْتَمَنُونَ عَلَيْهِ مِنْ خَوَاصِّ الْاُمُوْرِ وَعَوَامِّهَا"

"پھر مذکورہ بالا ان دو صنفوں یعنی فوج اور دفاعی بجٹ کے استحکام کا انحصار تیسرے گروہ پر ہے جس سے مراد قضاۃ، حکومت کے کارکنان اور منشی ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ باہمی معاہدوں کو محکم و استوار کرتے ہیں، منافع اور آمدنیوں کو جمع کرتے ہیں اور چھوٹے بڑے ہر طرح کے امور میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔"

(د) تجار اور اہلِ صنعت و حرفت

"وَلَا قِوَامَ لَهُمْ جَمِيْعًا اِلَّا بِالتُّجَّارِ وَذَوِي الصِّنَاعَاتِ فِيْمَا يَجْتَمِعُوْنَ عَلَيْهِ مِنْ مَرَافِقِهِمْ وَيُقِيْمُوْنَهُ مِنْ اَسْوَاقِهِمْ وَيَكْفُوْنَهُمْ مِنَ التَّرَفُّقِ بِاَيْدِيْهِمْ مَا لَا يَبْلُغُهُ رِفْقُ غَيْرِهِمْ"

"اور ان سب کا انحصار تاجروں اور اہلِ صنعت و حرفت پر ہے، جو کسب و کار کے بازاروں اور کارخانوں میں جمع ہوتے ہیں اور اپنی آمدنی و محنت و کاوش سے ان لوگوں کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں (اور انھیں آسودہ کر دیتے ہیں) کہ دوسروں کی آمدنی اس کی تلافی کے لئے کافی نہیں ہوتی"۔

(ہ) کمزور اور نچلا طبقہ

"ثُمَّ الطَّبَقَةُ السُّفْلٰى مِنْ اَهْلِ الْحَاجَةِ وَالْمَسْكَنَةِ الَّذِيْنَ يَحِقُّ رِفْدُهُمْ وَمَعُوْنَتُهُمْ وَفِي اللّٰهِ لِكُلٍّ سَعَةٌ وَلِكُلٍّ عَلَى الْوَالِيْ حَقٌّ بِقَدْرِ مَا يُصْلِحُهُ، وَلَيْسَ يَخْرُجُ الْوَالِيْ مِنْ حَقِيْقَةِ مَا اَلْزَمَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْاِهْتِمَامِ وَالْاِسْتِعَانَةِ بِاللّٰهِ وَتَوْطِيْنِ نَفْسِهِ عَلٰى لُزُوْمِ الْحَقِّ وَالصَّبْرِ عَلَيْهِ فِيْمَا خَفَّ عَلَيْهِ اَوْ ثَقُلَ"

"اور آخر میں معاشرہ کا وہ نچلا طبقہ ہے جو محتاج اور تہی دست افراد پر مشتمل ہے۔ اور جن کی ضرورتیں اعانت اور مالی امداد کے ذریعہ پوری کی جانی چاہیئے۔ خداوند عالم نے معاشرہ کے ان طبقوں میں ہر ایک کے لئے ایک نئی راہ کھول رکھی ہے اور ان

کی حیثیت کے مطابق سب کا حکومت اور والی پر حق مقرر فرمایا ہے۔
اور حاکم اپنے اس فریضہ سے اسی وقت عہدہ برآ ہو سکتا ہے جب اس سلسلہ میں عزم و حوصلہ کے ساتھ پوری جدوجہد سے کام لے، خداوند عالم سے نصرت کا طلبگار رہے حق پر اپنے آپ کو پوری طرح جمائے رہے اور صبر اختیار کرے چاہے اس کی یہ ذمہ داریاں سبک ہوں یا سنگین "۔

حکومت اور معاشرہ کے ان بنیادی ارکان کی اہمیت و حیثیت سے متعلق اس اجمالی اور جامع بیان کے بعد کلام امامؑ کی چند دوسری خصوصیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ہم یہاں ان میں سے بعض اہم نکات کا ذکر کرتے ہیں :۔

خراج اور مالیات (ٹیکس)

امام علیہ السلام نے بازاروں اور کارخانوں کی آمدنیوں کو جو حکومت کے مالی " اعتبار" کی حیثیت سے فوج کے بجٹ، عدالتی محکموں اور دیگر حکومتی اداروں میں کام کرنے والے افراد نیز معاشرہ کے محروم طبقہ کی ضرورتوں کی تکمیل کا ذریعہ قرار دیا ہے، اس پر غور کرنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ تاجروں اور صاحبانِ صنعت و حرفت کی آمدنی ہی حکومت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کا سب سے اہم ذریعہ ہے۔ اس نتیجہ سے دو بنیادی باتیں سامنے آتی ہیں جنھیں ہم حسبِ ذیل ذکر کرتے ہیں :۔

(۱) ــــــ جو آمدنیاں ملک کے روزمرہ میں حکومت کے اعتبار کی حیثیت رکھتی ہیں، قطعی طور پر وہ آمدنیاں نہیں ہیں جو صرف شرعی رقومات (مثلاً خمس و زکوٰۃ) کے ذریعہ حاصل ہوتی ہو، لہٰذا یہ لفظ " خراج " جو فقہ و حدیث کی عبارتوں، منجملہ امامؑ کے اسی منشور میں آیا ہے اس سے مراد شرعی رقومات سے بالاتر ہی کوئی چیز ہونی چاہیئے اور جسے آمدنی پر لگنے والا ٹیکس کہا جا سکتا ہے جو وقت کے تقاضوں، حکومت اسلامی کی صوابدید اور ملکی بجٹ کے مطابق ہونا چاہیئے۔
(البتہ) اگر قومی آمدنی اور ضرورت کے پیش نظر ولی فقیہ کی اجازت سے استعمال کی جانے والی شرعی رقومات بھی ملکی بجٹ کو پورا نہ کر سکیں تو مالیات اور خراج کی صورت میں ادا کئے جانے والے ٹیکس بجٹ کے خسارہ اور ملک کی ضرورت کے مطابق مقرر کئے جائیں گے، جس کی تفصیل بیان

کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے ۔)

(۲) ـــــ جس طرح حکومت ملکی مخارج کے ایک بڑے حصہ کا بوجھ ملت کے کاندھوں پر ڈالتی ہے اور تاجروں نیز اہل صنعت وحرفت پر خصوصی ٹیکس مقرر کرتی ہے تو حکومت کو چاہئے کہ اس کے عوض ہر ممکن طریقہ سے ان کی حمایت کی بھی کوشش کرے اور عمومی طور پر پیداوار کی سطح کو بلند کرنے کی غرض سے ان کے لئے آسانیاں اور ضروری وسائل وامکانات فراہم کرے ۔ دوسرے لفظوں میں یہ حکومت اور ملت کے افراد کا باہمی تعاون ہے جو اقتصادی اعتبار سے خود ملت اور حکومت کی بنیادی وحیاتی ضرورتوں کو پورا کرنے کا ضامن ہو سکتا ہے ۔ اور یہ حقیقت امام کی نگاہوں سے مخفی نہیں رہی ہے ۔ چنانچہ آپ کے مذکورہ خط میں دوسرے مقامات پر بھی ہمیں یہ نکات نظر آتے ہیں ۔

لائق اور نالائق وزراء

"إِنَّ شَرَّ وُزَرَائِكَ مَنْ كَانَ لِلْأَشْرَارِ قَبْلَكَ وَزِيراً وَمَنْ شَرِكَهُمْ فِي الْآثَامِ فَلَا يَكُونَنَّ لَكَ بِطَانَةً فَإِنَّهُمْ أَعْوَانُ الْأَثَمَةِ وَإِخْوَانُ الظَّلَمَةِ وَأَنْتَ وَاجِدٌ مِنْهُمْ خَيْرَ الْخَلَفِ مِمَّنْ لَهُ مِثْلُ آرَائِهِمْ وَنَفَاذِهِمْ وَلَيْسَ عَلَيْهِ مِثْلُ آصَارِهِمْ وَأَوْزَارِهِمْ آثَامِهِمْ مِمَّنْ لَمْ يُعَاوِنْ ظَالِماً عَلَى ظُلْمِهِ وَلَا آثِماً عَلَى إِثْمِهِ أُولَئِكَ أَخَفُّ عَلَيْكَ مَئُونَةً وَأَحْسَنُ لَكَ مَعُونَةً وَأَحْنَى عَلَيْكَ عَطْفاً، وَأَقَلُّ لِغَيْرِكَ إِلْفاً فَاتَّخِذْ أُولَئِكَ خَاصَّةً لِخَلَوَاتِكَ وَحَفَلَاتِكَ ۔"

" تمہارے بدترین وزراء وہ ہیں جو تم سے پہلے کے ظالم حکام کی وزارت میں رہ چکے ہیں اور ان کے جرائم میں شریک رہے ہیں ۔ پس خبردار ایسے لوگ تمہارے رازدار اور مقرب نہ ہونے چاہئیں ۔ کیونکہ یہ لوگ تباہ کاروں کے شریک کار اور ظالموں کے منہ بولے بھائی ہیں ۔ جبکہ تم یہ کر سکتے ہو کہ ان کی جگہ ایسے صالح افراد کو معین کرو جو اس منصب کے لائق ضروری آگاہی اور تجربہ رکھتے ہوں جن کے دامن گذشتہ لوگوں کی طرح جرائم، گناہوں اور گمراہیوں سے آلودہ نہ ہوں اور جنہوں نے ستمکاروں اور خطاکاروں کے

ساتھ تعاون بھی نہ کیا ہو۔ ایسے لوگ کم خرچ اور مختصر معاوضہ پر بہتر خدمت انجام دیتے ہیں، پوری دلجمعی اور گہرے احساسات کے ساتھ تم سے ملتے ہیں اور دوسروں سے کم ہی دل لگاتے ہیں۔ پس انہی لوگوں کو اپنے خفیہ و محرمانہ جلسوں اور مخصوص محفلوں کے لئے منتخب کرو۔

"ثُمَّ لْيَكُنْ آثَرُهُمْ عِنْدَكَ أَقْوَلَهُمْ بِمُرِّ الْحَقِّ لَكَ، وَأَقَلَّهُمْ مُسَاعَدَةً فِيمَا يَكُونُ مِنْكَ مِمَّا كَرِهَ اللهُ لِأَوْلِيَائِهِ، وَاقِعاً ذٰلِكَ مِنْ هَوَاكَ حَيْثُ وَقَعَ وَالْصَقْ بِأَهْلِ الْوَرَعِ وَالصِّدْقِ ثُمَّ رُضْهُمْ عَلٰى أَلَّا يُطْرُوكَ وَلَا يَبْجَحُوكَ بِبَاطِلٍ لَمْ تَفْعَلْهُ فَإِنَّ كَثْرَةَ الْإِطْرَاءِ تُحْدِثُ الزَّهْوَ وَتُدْنِي مِنَ الْعِزَّةِ"

"اور ان میں بھی اس شخص کو زیادہ ترجیح دو جو حق بات کو چاہے جتنی کڑوی ہو، تم سے کھل کر بیان کر دے۔ اور کسی ایسے کام میں تمہارے ساتھ تھوڑا سا بھی تعاون کرنے پر تیار نہ ہو، جسے اللہ اپنے اولیاء کے لئے پسند نہیں کرتا۔ اگرچہ وہ کام تمہاری خواہش کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ پرہیزگار اور سچے افراد سے گہرے روابط اور نزدیکی تعلقات رکھو اور انھیں اس کا عادی بناؤ کہ تمہاری بیجا تعریفیں کر کے اور تمہارے سر کسی ایسے کارنامہ کا سہرا باندھ کر تمہیں فریب نہ دیں کیونکہ بیجا چاپلوسی کی باتیں غرور و تکبر پیدا کرتی ہیں۔"

مذکورہ بالا کلام کی روشنی میں ایک اسلامی نظام کے لئے وزیروں کے انتخاب اور ان کے خصوصیات سے متعلق چند حسب ذیل نکات قابل غور اور لائق توجہ ہیں۔

عدم وابستگی اور بے داغ ماضی

وزراء اور حکومت کے دوسرے ذمہ دار افراد جو غیر صالح اور ناجائز حکومتوں سے وابستہ رہے ہیں، اسلامی حکومت میں وزارت یا دوسرے عہدوں پر کام کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ ایک طرف تو ان پر اس لئے اعتماد نہیں کیا جا سکتا کہ ظالموں کی مدد اور ان کے ساتھ تعاون ان کی عادت ثانیہ بن چکی ہے، اور ان کی اس دیرینہ عادت کو بمشکل ہی ان سے دور کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف چونکہ یہ لوگ ناقابل اعتبار رہ چکے ہیں لہٰذا ہمیشہ عوام کی آنکھوں

کا کانٹا اور ان کی روح میں گرہ بن کر کھٹکتے رہیں گے ۔ مزید یہ کہ یہ لوگ اپنے ساتھ کام کرنے کے لئے صالح افراد کو جذب بھی نہیں کر سکتے ۔ نتیجہ میں ملک کا کاروبار ٹھپ ہو کر رہ جائے گا اور گمراہی و کمزوری کا شکار ہو جائے گا ۔

وزیروں کا اخلاق

وزراء ، ان کے معاون اور حساس عہدوں کے ذمہ دار بلکہ حکومت کے تمام اہم عہدوں پر کام کرنے والے افراد ایسے ہوں جن کا ماضی خراب نہ ہو ، وہ کم توقع ، محنتی ، رحم دل اور باوفا ہوں کیونکہ یہ صفات حکومت کو استحکام بخشتی ۔ نظام کو پائیدار بنانے اور معاشرہ کے عمومی مصالح کے حق میں اہم کردار ادا کریں گے ۔ ان خصوصیات کے حامل افراد حکومت کے رازدار اور دشمنوں کے ساتھ ضرر رساں روابط کے خطرات سے محفوظ رہ سکتے ہیں ۔

صاف گوئی

حکومت کے کارکنان ، چاہے وہ وزراء ہوں یا دیگر عہدہ دار اور اسلامی نظام میں کام کرنے والے افراد ، ان کا دامن تملق و چاپلوسی کی عادت سے پاک ہونا چاہیئے ۔ وہ نہ صرف بیجا تعریفوں اور مدح سرائیوں سے پرہیز کریں بلکہ حق کو صاف صاف بیان کر دیں چاہے وہ تلخ ہی کیوں نہ ہو اپنے سے بڑے عہدہ دار یا افسر کا رعب و داب انھیں حق بات کہنے سے روک نہ دے ، کیونکہ حقائق کا بیان کرنا ایک فریضہ ہے ، خاص طور سے جبکہ اس سے ملک و قوم کی بھلائی اور بہتری بھی وابستہ ہو ۔

خوشامد سے پرہیز

اور آخری نکتہ یہ ہے کہ حاکم کا طرز عمل ایسا ہونا چاہیئے جس سے اس کے ساتھ کام کرنے والوں اور ماتحتوں میں خوشامد و چاپلوسی کی عادت پیدا نہ ہونے پائے ۔ اسے چاہیئے کہ سیاسی طور پر تقویٰ و پرہیز گاری کے ذریعہ اپنی خود خواہی اور خود پسندی کی عادت کا گلا گھونٹ دے اور خوشامد پسندی کی خو کو کچل ڈالے ، سازگار اور مفید تنقیدوں کے لئے ماحول پیدا کرے اور پوری ریاضت و جد و جہد کے ذریعہ خوشامد و چاپلوسی جیسی ذلیل خصلت سے مقابلہ کرتا رہے ، جو انسانوں کی

تباہی کا باعث ہوتی ہے۔

امام علیہ السلام کے کلام گہر بار میں جو بات بیان ہوئی ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے آپ نے اپنی حکومت میں عملی طور پر ثابت بھی کیا ہے۔ حکومت اور طاقت کے ہوتے ہوئے بھی آپ کی عظیم روح میں وہ خطرناک اثرات پیدا نہ ہو سکے۔ یہ وہ شان ہے جو خداوند عالم نے اپنے اولیاء کو عطا کی ہے اور حکومت کے ذمہ دار افراد کو اس تک رسائی حاصل کرنے کے لئے بارگاہ خداوندی میں دعا کرنا چاہیے۔

دیگر ملازمین کا انتخاب

اس عہدنامہ کے ایک دوسرے حصہ میں امام علیہ السلام نے حکومت کے دیگر عمال و ملازمین کے انتخاب کی جانب اشارہ فرمایا ہے، اور ان کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے لائق اور باصلاحیت افراد کے انتخاب کے سلسلہ میں یوں راہنمائی فرمائی ہے:۔

"ثُمَّ انْظُرْ فِي أُمُورِ عُمَّالِكَ فَاسْتَعْمِلْهُمْ اخْتِبَاراً وَلَا تُوَلِّهِمْ مُحَابَاةً وَأَثَرَةً فَإِنَّهُمَا جِمَاعٌ مِنْ شُعَبِ الْجَوْرِ وَالْخِيَانَةِ وَتَوَخَّ مِنْهُمْ أَهْلَ التَّجْرِبَةِ وَالْحَيَاءِ مِنْ أَهْلِ الْبُيُوتَاتِ الصَّالِحَةِ وَالْقَدَمِ فِي الْإِسْلَامِ الْمُتَقَدِّمَةِ. فَإِنَّهُمْ أَكْرَمُ أَخْلَاقاً وَأَصَحُّ أَعْرَاضاً وَأَقَلُّ فِي الْمَطَامِعِ إِشْرَاقاً وَأَبْلَغُ فِي عَوَاقِبِ الْأُمُورِ نَظَراً"

"پھر اپنے عہدہ داروں اور کارندوں کے بارے میں خوب غور کرو اور دقیق آزمائش کے بعد خود آرائی اور جانبداری سے دور رہ کر انھیں عہدوں کے لئے انتخاب کرو، کیونکہ یہ دونوں صورتیں ظلم وستم اور خیانت کو ہوا دیتی ہیں۔ لوگوں میں سے آزمودہ کار باتجربہ اور حیادار افراد کو منتخب کرو جو نیک اور صالح و اسلام لانے والوں میں پیش قدم خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں، کیونکہ یہ لوگ بلند اخلاق اور قابل اعتماد ہیں۔ طمع ولالچ کی طرف کم جھکتے ہیں اور نتائج وانجام پر گہری نظر رکھتے ہیں۔"

تجربہ، آزمودہ کاری، غیرت مندی، خاندانی نجابت، درخشاں دینی ماضی، خوش اخلاقی، شرافت، قناعت، عزت نفس اور مآل اندیشی ایسے اصول ہیں جنھیں امام نے لوگوں کے انتخابات کے لئے معیار قرار دیا ہے۔ اس کے بعد حضرت ان کارگزاروں اور ملازموں کے سلسلہ میں حکومت کے حکام کی ذمہ داریوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

"ثُمَّ اَسْبِغْ عَلَيْهِمُ الْاَرْزَاقَ فَاِنَّ ذٰلِكَ قُوَّةٌ عَلَيْهِمْ عَلَى اسْتِصْلَاحِ اَنْفُسِهِمْ وَغِنًى لَهُمْ عَنْ تَنَاوُلِ مَا تَحْتَ اَيْدِيهِمْ، وَحُجَّةٌ عَلَيْهِمْ اِنْ خَالَفُوا اَمْرَكَ اَوْ ثَلَمُوا اَمَانَتَكَ"

"اس کے بعد ان کی روزی و معاش (تنخواہیں) انھیں بحد کافی دو جس سے یہ امکان پیدا ہو گا کہ وہ اپنی اصلاح کے سلسلہ میں کوشاں رہیں گے اور ان کے زیر نگیں جو اموال اور امانتیں ہیں ان میں خیانت سے بے نیاز رہیں گے۔ ساتھ ہی یہ امر تمہاری طرف سے ان کے اوپر حجت تمام کر دے گا کہ تمہارے حکم کی مخالفت یا امانت میں خیانت کی صورت میں وہ کوئی عذر پیش نہ کر سکیں گے۔"

ساتھ ہی کارگزاروں کے کام اور ان کے اعمال و کردار کی نگرانی کو بھی حکام کی ایک ذمہ داری کی حیثیت سے بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

نگرانی اور جانچ پڑتال

"ثُمَّ تَفَقَّدْ اَعْمَالَهُمْ وَابْعَثِ الْعُيُونَ مِنْ اَهْلِ الصِّدْقِ وَالْوَفَاءِ عَلَيْهِمْ فَاِنَّ تَعَاهُدَكَ فِي السِّرِّ لِاُمُورِهِمْ حَدْوَةٌ لَهُمْ عَلَى اسْتِعْمَالِ الْاَمَانَةِ وَالرِّفْقِ بِالرَّعِيَّةِ۔ وَتَحَفَّظْ مِنَ الْاَعْوَانِ فَاِنْ اَحَدٌ مِنْهُمْ بَسَطَ يَدَهُ اِلَى الْخِيَانَةِ اجْتَمَعَتْ بِهَا عَلَيْهِ عِنْدَكَ اَخْبَارُ عُيُونِكَ اِكْتَفَيْتَ بِذٰلِكَ شَاهِدًا فَبَسَطْتَ عَلَيْهِ الْعُقُوبَةَ فِي بَدَنِهِ وَاَخَذْتَهُ بِمَا اَصَابَ مِنْ عَمَلِهِ، ثُمَّ نَصَبْتَهُ بِمَقَامِ الْمَذَلَّةِ وَوَسَمْتَهُ بِالْخِيَانَةِ وَقَلَّدْتَهُ عَارَ التُّهَمَةِ"

"اس کے بعد ان کی کارگزاریوں کی دیکھ بھال اور نگرانی رکھو۔ سچے اور وفادار افراد کو بطور ناظران کے اوپر معین کرو کیونکہ ان کی خفیہ نگرانی اور جانچ پڑتال انھیں امانت کی رعایت اور لوگوں کے ساتھ نرم روی پر مجبور کر دے گی۔ اپنے مددگاروں اور معاونین سے خود کو محفوظ رکھنا، اگر ان میں سے کوئی خیانت کا مرتکب ہو اور تمہارے خفیہ مخبر متفقہ طور پر اس کی خیانت کی خبر دیں تو یہ گواہی تمہارے لئے کافی ہے کہ اس کی تنبیہ کرو۔ اس نے خیانت سے جو کچھ سمیٹا ہے اس کا مواخذہ کرو۔ اسے ذلیل و خوار کر دو، خیانت کا داغ اس کی پیشانی پر ثبت کر دو اور ننگ و رسوائی کا طوق اس کے گلے میں ڈال دو۔"

یہاں حاکم کی ہوشیاری کے ذریعہ سازشوں اور غلط کاریوں کی پہچان نیز براہ راست یا کسی اور ذریعہ سے ماتحت عملہ کی مکمل نگرانی، دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کی ضرورت اس امر کی طرف متوجہ کرتی ہے کہ یہ اقدام ملکی امور کے چلانے اور حکومت کو پائداری و استحکام عطا کرنے میں کتنا اہم کردار ادا کرتا ہے۔

دسواں باب

سپہ سالاروں کی خصوصیات

حکومت کے عہدہ داروں اور مملکت کے کارگزاروں کے خصوصیات ناظرین کی نگاہ سے گزر چکے ہیں۔ اب یہاں ہم مالک اشتر کو تحریر کردہ امام کے اس منشور کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں جس میں حضرت فوجی سپہ سالاروں اور مسلح افواج کے خصوصیات، ان کے انتخاب کی کیفیت نیز ان کے ساتھ ذمہ دار افراد کے سلوک اور طرز عمل پر ایک ذرا وضاحت و تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"فَوَلِّ مِنْ جُنودِكَ أَنْصَحَهُمْ فِي نَفْسِكَ لِلّٰهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِإِمَامِكَ وَأَنْقَاهُمْ جَيْبًا وَأَفْضَلَهُمْ حِلْمًا مِمَّنْ يُبْطِئُ عَنِ الْغَضَبِ وَيَسْتَرِيحُ إِلَى الْعُذْرِ وَيَرْأَفُ بِالضُّعَفَاءِ وَيَنْبُو عَلَى الْأَقْوِيَاءِ وَمِمَّنْ لَا يُثِيرُهُ الْعُنْفُ وَلَا يَقْعُدُ بِهِ الضَّعْفُ"۔ (نہج البلاغہ خطبہ/۵۳)

اپنے لشکر میں سے سپہ سالاری کے لئے اسے منتخب کرو جو تمہاری نگاہ میں اللہ، رسول اور تمہارے امام کا سب سے زیادہ خیرخواہ ہو۔ سب سے زیادہ پاک دامن اور بردبار ہو غصہ سے پرہیز کرتا ہو عذر معذرت قبول کر لیتا ہو۔ کمزوروں پر مہربان ہو اور طاقتوروں

کو خاطر میں نہ لاتا ہو۔ خشونت اسے جوش میں نہ لاتی ہو اور پست ہمتی و ناتوانی اسے پیچھے نہ دھکیل دیتی ہو۔

خاندانی نجابت، درخشاں ماضی اور اخلاقی صلاحیت

"ثُمَّ الْصَقْ بِذَوِي الْمُرُوآتِ وَالْاَحْسَابِ وَاَهْلِ الْبُيُوتَاتِ الصَّالِحَةِ وَالسَّوَابِقِ الْحَسَنَةِ، ثُمَّ اَهْلِ النَّجْدَةِ وَالشَّجَاعَةِ وَالسَّخَاءِ وَالسَّمَاحَةِ فَاِنَّهُمْ جِمَاعٌ مِنَ الْكَرَمِ وَشُعَبٌ مِنَ الْعُرْفِ۔"

"اس کے بعد اپنے تعلقات و روابط ان لوگوں کے ساتھ مستحکم کرو جو بلند ہمت، جواں مرد اور شریف ہوں نیز درخشاں ماضی رکھنے والے اور صالح و نیک خاندانوں سے تعلق رکھتے ہوں، شجاعت و شہامت اور بخشش و سخاوت رکھتے ہوں، کیونکہ ایسے ہی لوگ بزرگی و کرامت کا منبع اور نیکیوں کا سرچشمہ ہیں۔"

غیر الٰہی سیاسی نظاموں میں، فوجوں اور دفاعی قوتوں کا کام صرف حاکم قوتوں کی حفاظت اور طاقتور عناصر کے مقاصد کی تکمیل ہوا کرتا ہے۔ اس فوجی اور سیاسی نظام میں ایک فوجی سے یہی تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی آنکھیں اور کان بند کر کے، اسلحہ اٹھائے اور جدھر بھی افسر حملہ کا حکم دیں حملہ کر دے۔ اگر بندوق کی گولیوں کے لئے عقل، ایمان اور اخلاق کوئی مفہوم رکھتے ہیں تو فوجوں کے لئے بھی یہ باتیں بامعنی ہوں گی! یہ لوگ خود اس حقیقت سے غافل ہیں اور دشمن نے جو اسلحہ ان کے ہاتھوں میں تھما لیا ہے اس سے خود اپنے اور اپنے ہی جیسے دوسرے مظلوم افراد پر گولیاں برسا دیتے ہیں۔

دنیا کی مظلوم اور قید و بند میں جکڑی ہوئی قوموں پر تمام مظالم کے پہاڑ ان ہی فوجیوں کے ہاتھوں توڑے جاتے ہیں۔ یہی لوگ کشتوں کے پشتے بھی لگاتے ہیں اور مارے بھی جاتے ہیں جبکہ فتح و کامیابی کے فائدے اور تمام منافع ظالم و جابر حکام کے قدموں میں یہی لوگ بطور ہدیہ پیش کرتے ہیں۔ یہ تو ہے ایک غیر الٰہی نظام کی حاکمیت کا انداز۔ لیکن ایک الٰہی نظام میں صورت حال ہی کچھ اور ہے۔

یہاں افسر اور سپاہی سب ایک مقصد رکھتے ہیں۔ ایسا مقصد جو حکومت اور ولی امر کے مقصد سے ہم آہنگی رکھتا ہے۔ وہ مقصد ہے رضائے خدا اور اس کے محروم و مظلوم بندوں کی حمایت۔ ظالموں کے فتنوں کو دفع کرنا اور عدل و انصاف قائم کرنا۔ جیسا کہ قرآن کی آیتیں اس بات کی گواہ ہیں:

"اَلَّذِیْنَ آمَنُوا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ۔" (نساء/۷۶)

"جو لوگ صاحبان ایمان ہیں، خدا کی راہ میں قتال کرتے ہیں اور جو کافر ہیں وہ طاغوت اور شیطان کی راہ میں جنگ کرتے ہیں۔"

قرآن میں "مجاہد فی سبیل اللہ" انسان کی کتاب فضیلت و شرف کا سب سے عظیم عنوان ہے۔

"فَضَّلَ اللّٰہُ الْمُجَاہِدِیْنَ بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ عَلَی الْقَاعِدِیْنَ دَرَجَۃً۔" (سورہ نساء، آیت نمبر ۹۵)

"خداوند عالم نے مجاہدوں اور راہ خدا میں جان و مال لٹانے والوں کو بیٹھے رہ جانے والوں پر بلندی عطا کیا ہے۔"

مجاہدین راہ خدا نے یہ درجہ اور یہ بلندی یہ عظمت و فضیلت، خود سازی، شرافت نفس، اخلاص و عمل، تقوی و پرہیزگاری اور ایثار و فداکاری کے ذریعہ حاصل کی ہے ورنہ ان کے لئے ان محاسن سے الگ فضیلت کا کوئی مفہوم نہ ہوتا۔

حضرت علیؑ چونکہ خود بھی اسلامی افواج کے سپہ سالار رہے ہیں لہذا جیسا کہ آپ نے ملاحظہ فرمایا اسی اصل کے پیش نظر آپؑ نے اسلامی فوجیوں اور سپہ سالاروں کے معیار و خصوصیات بہترین عنوان سے بیان فرمائے ہیں، اور اس کے بعد ان فرائض و حقوق کا تذکرہ فرمایا ہے جو فوجیوں اور ان کے سپہ سالاروں کے سلسلہ میں اسلامی نظام کے حاکم و ذمہ دار شخص پر عائد ہوتے ہیں۔

جہاد کرنے والوں کی دیکھ بھال

"ثُمَّ تَفَقَّدْ مِنْ اُمُوْرِهِمْ مَا يَتَفَقَّدُ الْوَالِدَانِ مِنْ وَلَدِهِمَا وَلَا يَتَفَاقَمَنَّ فِيْ نَفْسِكَ شَيْءٌ قَوَّيْتَهُمْ بِهٖ وَلَا تَحْقِرَنَّ لُطْفًا تَعَاهَدْتَهُمْ بِهٖ وَاِنْ قَلَّ، فَاِنَّهٗ دَاعِيَةٌ لَهُمْ اِلٰى بَذْلِ النَّصِيْحَةِ لَكَ وَحُسْنِ الظَّنِّ بِكَ. وَلَا تَدَعْ تَفَقُّدَ لَطِيْفِ اُمُوْرِهِمْ اِتِّكَالًا عَلٰى جَسِيْمِهَا. فَاِنَّ لِلْيَسِيْرِ مِنْ لُطْفِكَ مَوْضِعًا يَنْتَفِعُوْنَ بِهٖ وَلِلْجَسِيْمِ مَوْقِعًا لَا يَسْتَغْنُوْنَ عَنْهُ"

(نہج البلاغہ / خط : ۵۳)

"پھر ان کی اس طرح دیکھ بھال کرو جس طرح ماں باپ اپنی اولاد کی خبر گیری اور دیکھ بھال کرتے ہیں۔ اگر تم کسی کام سے انھیں تقویت پہنچاؤ تو اسے بڑا کام نہ سمجھنا، اور ان کے لئے اپنے کسی بھی لطف و کرم کو حقیر و ناچیز شمار نہ کرنا چاہے وہ بالکل معمولی کیوں نہ ہو۔ اس لئے کہ اس حسن سلوک سے ان میں تمہارے لئے حسن ظن اور خیر خواہی کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ سچائی، لگن اور اعتماد کے ساتھ خدمت کریں گے۔ ان کی بڑی اور اہم ضرورتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے ان کی چھوٹی اور معمولی ضرورتیں بھی دریافت کرنے سے دریغ نہ کرنا کیونکہ یہ حقیر و معمولی مہربانیاں اپنی جگہ مفید ہیں جن سے وہ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اور بڑی ضرورتیں اپنی جگہ اہمیت رکھتی ہیں۔ جن سے وہ بے نیاز نہیں ہوں گے۔"

اسلامی فوجیوں اور امت کے خدمت گزاروں کے ساتھ سلوک اور برتاؤ کے سلسلہ میں امام (ع) کے فرمان و ہدایات اور مادی و استکباری نظاموں میں فوجیوں کے حالات و کیفیات کا موازنہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ان نظاموں میں سپاہی و فوجی کم ترین قدر و منزلت سے دور اور معمولی محبتوں اور مہربانیوں سے بھی محروم ہیں۔ ان کے یہاں فوجی مقاصد کے حصول کا راز لیے رحمی و سختی رعب و دھمکی، قید و بند، اذیت اور قتل و غارت کا خوف ہے۔ اس طرح کی فوجوں میں اپنے ماتحت سپاہیوں کی اہانت و تحقیر کرنا، انھیں فحش و گالیاں دینا ایک ایسی عادت ہے جس کی

انھیں باقاعدہ تربیت دی جاتی ہے اور اگر ظاہری طور پر کوئی شاباشی یا عہدہ کی ترقی نظر آتی بھی ہے تو ان سے اچھی خدمت لینے اور ان پر زیادہ تسلط پیدا کرنے کے لئے ہوتی ہے تاکہ یہ فوجی، شیطانی طاقتوں کے بہترین خدمت گزار اور فدا کار بنے رہیں۔

یہ ہے غیر الٰہی فوجوں کی صورت حال، چاہے اسے ماضی و حال کے آئینہ میں دیکھا جائے یا مستقبل کے دھندلکے میں، لیکن اسلام میں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یہاں چونکہ دین اور اسلامی سرزمین کا دفاع کرنے والے ایک خاص قدر و منزلت اور عظمت و تقدس کے حامل ہیں اس لئے بلاشبہ ہر ایک انھیں اکرام و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ حتیٰ ان کے سردار اور افسر بھی ان کی قدر کرتے ہیں اور حفظ مراتب کے ساتھ ان کی منزلت اور ان کا تقام بھی محفوظ ہے۔ حضرت علیؑ کے ارشاد کے مطابق سپہ سالار اپنے ماتحت سپاہیوں اور جانبازوں کے لئے ویسا ہی ہے جیسے بیٹوں کے لئے ماں باپ ہوتے ہیں۔ ایسے مہربان ماں باپ جو اپنی اولاد کے لئے ہر طرح کی محبت و شفقت کا اظہار کرتے ہیں اور ہر خوشی و غم، راحت و پریشانی اور جنگ و امن کے حالات میں ان کے دوش بدوش رہتے ہیں۔ چنانچہ ایسے نظام میں ایک سپاہی یا جانباز کبھی حقارت و ذلت کا احساس نہیں کرتا۔ سپہ سالار کو اپنے باپ کے مانند سمجھتا ہے اور خود کو اس کا بیٹا سمجھتا ہے۔ لہٰذا فطری سی بات ہے کہ ایسے فوجی نظام میں اتحاد و یکجہتی اور مہربانی و ایثار کا دور دورہ ہوگا جس کے نمونے ہمیں پیغمبر اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کی سیرت و سیاست میں نظر آتے ہیں۔

حضرت علیؑ خود فرماتے ہیں: جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تھی تو ہم پیغمبرؐ کے سایہ میں پناہ حاصل کرتے تھے، اس وقت ہم دیکھتے تھے کہ پیغمبرؐ دشمن سے سب سے زیادہ قریب ہیں۔ یعنی آنحضرتؐ محاذ جنگ کی صف اول میں نظر آتے تھے۔ حضرت علیؑ کی بھی یہی شان تھی یہ حضرات اپنے جانبازوں اور سپاہیوں کے ساتھ نہایت لطف و محبت سے پیش آتے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ انھیں اپنی بہترین اولاد سمجھتے تھے۔ فوجی نظاموں کی تاریخ میں پیغمبر اکرمؐ اور امامؑ کے زمانے کے بعد اس طرز عمل کے آثار پہلی مرتبہ اسلامی جمہوریہ ایران کی فوج اور سپاہ میں نظر آرہے ہیں جسے اس انقلاب کے لئے افتخار کی ایک اور سند شمار کیا جا سکتا ہے۔

سپہ سالاروں کا فوجیوں سے رابطہ

بات یہیں تمام نہیں ہوتی، بلکہ سپاہیوں اور جانبازوں کے حالات کی دیکھ بھال سے متعلق ہدایات کا سلسلہ یوں جاری رہتا ہے:

"وَلْيَكُنْ آثَرُ رُؤُوسِ جُنْدِكَ مَنْ وَاسَاهُمْ فِي مَعُونَتِهِ وَأَفْضَلَ عَلَيْهِمْ مِنْ جِدَتِهِ بِمَا يَسَعُهُمْ وَيَسَعُ مَنْ وَرَاءَهُمْ مِنْ خُلُوفِ أَهْلِيهِمْ حَتَّى يَكُونَ هَمُّهُمْ هَمّاً وَاحِداً فِي جِهَادِ الْعَدُوِّ. فَإِنَّ عَطْفَكَ عَلَيْهِمْ يَعْطِفُ قُلُوبَهُمْ عَلَيْكَ"۔

- تمہارے سپہ سالاروں میں منتخب اور باشرف وہ سپہ سالار ہونا چاہیئے جو سپاہیوں اور جانبازوں کی مدد اور اعانت میں سب سے آگے ہو اور موجودہ امکانات و وسائل سے ان کی اور ان کے عیال کی ضرورتیں پوری کرے۔ تاکہ یہ سپاہی مصمم ارادے کے ساتھ متحد ہو کر دشمن سے جنگ کریں۔ مسلّم ہے کہ سپاہیوں کے ساتھ تمہاری محبتوں اور عنایتوں کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے دل تمہاری طرف کھنچے جائیں گے۔

اب تک جو باتیں اوپر ذکر ہوئیں ان سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اسلامی نظام میں مسلح افواج ایک خاص اہمیت رکھتی ہیں۔ وہ مادی و روحانی، دنیوی و اُخروی شرف و منزلت کی حامل ہوتی ہیں۔ اس نظام میں ماتحت اور مافوق افراد کی شخصیت ان کی صداقت، ایمان، مساوات اور ایثار و فداکاری سے وابستہ ہوتی ہے۔ وہ اور ان کے اہل و عیال زندگی کے مسائل میں کسی دشواری کا شکار نہیں ہوتے بلکہ اسلامی نظام ان کا بھرپور خیال کرتا ہے۔

سپہ سالار لشکر کے اپنے ماتحتوں سے روابط باپ اور بیٹے کے مشفقانہ روابط کی حد تک بڑھ جاتے ہیں، اس طرح وہ ایک دل ہو جاتے ہیں اور ایک ہدف و مقصد کی جانب باہم قدم بڑھاتے ہیں اور وہ مقصد دین خدا کا قیام، امت کی نجات و آزادی، ضعیفوں اور کمزوروں کی فلاح اور اسلامی ملک و وطن کی عقیدتی، سیاسی اور جغرافیائی حدود کی حفاظت ہے اور کبھی وہ اس راہ میں شہادت کے عظیم مرتبہ یا اسی کے ہم رتبہ درجہ پر فائز بھی ہو جاتے ہیں

یہ باتیں ان مادی خشک، بے رحم اور بے روح فوجوں میں کہاں ملیں گی جو ہوس پرستوں کے ہاتھوں کی کٹھ پتلیاں اور بد مست سیاہ فاموں کے ہاتھ کا ہتھیار رہیں ؟ !

روزمرہ کے مسائل سے حکومت کی دلچسپی

گزشتہ بحثوں میں جو باتیں نظر سے گزریں ان سے ہمیں مختلف جماعتوں و گروہوں نیز اپنے ارکان کارکنوں خدمت گزاروں اور حامیوں کے ساتھ اسلامی حکومت کی ذمہ داریوں سے آگاہی ہوئی ان بحثوں کے دوران جو ایک بہت اہم نکتہ سامنے آیا، وہ یہ تھا کہ اسلامی حکومت کے سربراہ حاکم یا اس نظام کے دوسرے افراد کے لئے کسی طرح یہ درست نہیں ہے کہ اپنے فرائض وامور دوسروں کے سپرد کر کے خود ایک گوشہ میں بیٹھ رہیں۔ بلکہ مملکت کے مسائل سے براہ راست نمٹنا چوکس نگرانی اور حالات کا مقابلہ کرنا ایک حاکم کا ناگزیر فریضہ ہے۔ حکومت، ریاست یا اسے جو چاہیں کہیں۔ کا فریضہ ہے کہ تمام اجتماعی و سیاسی مسائل کو قانون و قضاوت سے لے کر فوج وسپاہ تک، قانون کا اجرار کرنے والوں سے لے کر قانون سازوں، مختلف اداروں کے کارکنوں سے لے کر عوام کی مشکلات تک منحصر یہ کہ ان تمام امور کو براہ راست زیر نظر رکھے جن کا حکومت اور عوام سے سروکار ہے۔ اسے کلی طور پر تمام امور سے آگاہی رکھنا چاہئے۔

یہاں بعض مسائل خاص اہمیت کے حامل ہیں۔ ایسے مسائل میں حاکم اور اسلامی حکومت کے دوسرے ذمہ دار افراد کو چاہئے کہ براہ راست میدان عمل میں آئیں اور حالات سے آگاہی حاصل کر کے انھیں حل کرنے کی کوشش کریں۔ حضرت علیؑ اپنے فرمان میں مالک اشتر کو اس مطلب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

"ثُمَّ اُمُورٌ مِنْ اُمُورِكَ لَا بُدَّ لَكَ مِنْ مُبَاشَرَتِهَا : مِنْهَا اِجَابَةُ عُمَّالِكَ بِمَا يَعْيَا عَنْهُ كُتَّابُكَ، وَمِنْهَا اِصْدَارُ حَاجَاتِ النَّاسِ يَوْمَ وُرُوْدِهَا عَلَيْكَ بِمَا تَحْرَجُ بِهِ صُدُوْرُ اَعْوَانِكَ، وَاَمْضِ لِكُلِّ يَوْمٍ عَمَلَهُ فَاِنَّ لِكُلِّ يَوْمٍ مَا فِيْهِ"

بعض امور ایسے ہیں جو براہ راست تم سے مربط ہیں۔ اور انھیں بہر حال تم ہی کو انجام دینا ہے۔ منجملہ ان کے: "اپنے عمّال اور کارگزاروں کی باتیں سننا کہ اس سے تمہارے منشی معذور رہیں۔ لوگوں کی حاجتیں اور ضرورتیں اسی روز پوری ہونی چاہئیں جس دن وہ تمہارے سامنے پیش کی جائیں اور تمہارے معاونین ان کی انجام دہی سے جی چرائیں۔ ہر روز کا کام اسی روز انجام دے دو کیونکہ ہر روز خود اپنے کام کے لئے مخصوص ہے۔"

امامؑ نے یہاں دو طرح کے افراد کا نام لیا ہے جن کے سلسلہ میں حاکم کے نائبین اور حاشیہ نشینوں کے بجائے خود حاکم کے لئے ضروری ہے کہ ان سے ملاقات کرے اور ان کے مسائل خود ان کی زبان سے سنے۔

اوّل — حکومت کے بااثر افراد، عمّال اور نمائندے جو ملک کے اطراف و جوانب میں حکومت کی طرف سے منسوب ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ ملک کے جن حالات و مسائل سے واقفیت رکھتے ہیں اس سے اپنے افسر بالا یا حاکم کو آگاہ کرتے ہیں۔ جبکہ اگر یہ گزارشات و اطلاعات دوسرے واسطوں یا ذریعوں سے حاکم یا ولی امر تک پہنچیں تو ان میں تحریف اور الٹ پھیر کا امکان رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں حاکم کے اردگرد بیٹھنے والے اور حاشیہ نشین افراد حکومت کے کارکنوں اور نمائندوں کو حاکم تک براہ راست پہنچنے میں رکاوٹ نہ بننے پائیں۔

دوم — عوام کو اپنے حاکم سے ملاقات کرنے اور اس سے براہ راست اپنی تکلیفیں اور شکایات بیان کرنے کا موقع حاصل ہونا چاہئے کیونکہ بیچ کے افراد اس میں روڑے اٹکاتے ہیں تا کہ حقائق حکام یا ذمہ دار افراد تک نہ پہنچنے پائیں۔ لہٰذا حاکم یا ذمہ دار افراد کو چاہیئے کہ عوام سے ملاقات کے لئے خاص طور سے اوقات معین کریں اور لوگوں کی باتیں ان کی شکایات اور گزارشات خود سنیں، نیز ان کے مسائل حل کرنے کی کوشش کریں۔ دوسرے لفظوں میں حکام بند کمروں میں بیٹھے نہ رہیں جس سے درمیانی لوگ ان کے اور عوام کے درمیان حائل ہو جائیں اور حقائق و واقعیات کو تحریف اور مسخ کرنے لگیں۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ: کبھی ان ہی حاشیہ نشینوں اور نزدیک رہنے والوں میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جن کا مقصد خیانت ہوتا ہے اور وہ اپنے اس مقصد کو چھپائے رہتے ہیں، لیکن جو لوگ انھیں پہچانتے ہیں ان کی حقیقت سے حاکم کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ نتیجہ میں یہ سازش ابتدا ہی میں دم توڑ دیتی ہے۔ ذیل کا جملہ اس طرح کی سازشوں اور مذکورہ احتمالات کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

حکام کی چوکسی اور ہوشیاری

"وَتَحَفَّظْ مِنَ الْاَعْوَانِ فَاِنْ اَحَدٌ مِنْهُمْ بَسَطَ يَدَهُ اِلَى خِيَانَةٍ اجْتَمَعَتْ بِهَا عَلَيْهِ عِنْدَكَ اَخْبَارُ عُيُونِكَ اكْتَفَيْتَ بِذٰلِكَ شَاهِدًا"

"اپنے نزدیک رہنے والوں سے محتاط رہو۔ اگر تمہارے جاسوسوں نے متفق طور پر ان میں سے کسی ایک کی سازش یا خیانت کی رپورٹ پیش کی تو تم شاہد اور دلیل کے طور پر اس رپورٹ پر بھروسہ کر سکتے ہو۔"

حاکم کی قدردانی

حاکم کی سیاست و مدیریت اور نظم و ضبط کے لوازمات میں سے ہے کہ وہ اپنے معاونین اور کارگزاروں کے اعمال اور کارگزاریوں سے بے پروا اور لاتعلق نہ رہے۔ نیک اور خدمت گزار افراد کی کارگزاریوں کی قدردانی کرے اور غیر صالح یا غلط کار افراد کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرتا رہے اور ہر ایک کے ساتھ مناسب رویہ اختیار کرے۔ امام اس ضرورت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مالک اشتر سے فرماتے ہیں:۔

"وَلَا يَكُونَنَّ الْمُحْسِنُ وَالْمُسِيءُ عِنْدَكَ بِمَنْزِلَةٍ سَوَاءٍ فَاِنَّ فِي ذٰلِكَ تَزْهِيدًا لِاَهْلِ الْاِحْسَانِ فِي الْاِحْسَانِ وَتَدْرِيبًا لِاَهْلِ الْاِسَاءَةِ عَلَى الْاِسَاءَةِ وَاَلْزِمْ كُلًّا مِنْهُمْ مَا اَلْزَمَ نَفْسَهُ"

دیکھو ایسا نہ ہو کہ نیکو کار اور بد کار دونوں تمہاری نگاہ میں یکساں ہوں، کیوں کہ تمہارا یہ انداز خود نیکو کاروں کی اچھی کارکردگی سے بے رغبتی ولاپرواہی اور بد کاروں کے لئے برے اعمال میں شوق پیدا ہونے اور ان کے جری ہونے کا باعث بنے گا۔ ہر شخص کے ساتھ ویسا ہی سلوک کرو جس کا وہ مستحق ہے۔

اگرچہ مومن خدمت گزاروں کا مقصد سوائے رضائے خدا کے اور کچھ نہیں ہوتا لیکن ایک طرف تو نیکو کاروں کی عزت وقدر دانی نیکیوں کے عام ہونے میں اہم کردار ادا کرتی ہے اور دوسروں میں بھی نیک کام اور اچھی کارگزاریوں کا شوق پیدا کرتی ہے، دوسری طرف نیکو کاروں کی تعریف کرنا حاکم کا وہ فریضہ ہے جس سے کوتاہی کرنا درست نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے "مَنْ لَمْ یَشْکُرِ الْمَخْلُوقَ لَمْ یَشْکُرِ الْخَالِقَ" جس نے مخلوق کا شکریہ ادا نہیں کیا وہ خالق کا شکر گزار نہیں ہے۔ مزید یہ کہ ماتحتوں کے اعمال سے چشم پوشی اور لاپرواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدکار اپنے برے اعمال پر شرمندگی کا احساس نہیں کرتے بلکہ ان میں اور زیادہ جسارت پیدا ہو جاتی ہے۔

شخصیت نہیں بلکہ عمل کی قدر کرو

اس خط کے ایک حصہ میں جہاں سپاہیوں اور جانبازوں کے ساتھ حکومت کے سلوک اور برتاؤ کا تذکرہ ہے بعض ظریف نکتے بھی بیان کئے گئے ہیں جو قابل توجہ ہیں۔

"وَوَاصِلْ فِي حُسْنِ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ وَتَعْدِيدِ مَا أَبْلَى ذَوُو الْبَلَاءِ مِنْهُمْ۔ فَإِنَّ كَثْرَةَ الذِّكْرِ لِحُسْنِ أَفْعَالِهِمْ تَهُزُّ الشُّجَاعَ وَتُحَرِّضُ النَّاكِلَ إِنْ شَاءَ اللهُ۔ ثُمَّ اعْرِفْ لِكُلِّ امْرِئٍ مِنْهُمْ مَا أَبْلَى وَلَا تَضُمَّنَّ بَلَاءَ امْرِئٍ إِلَى غَيْرِهِ وَلَا تُقَصِّرَنَّ بِهِ دُونَ غَايَةِ بَلَائِهِ وَلَا يَدْعُوَنَّكَ شَرَفُ امْرِئٍ إِلَى أَنْ تُعْظِمَ مِنْ بَلَائِهِ مَا كَانَ صَغِيراً وَلَا ضَعَةُ امْرِئٍ إِلَى أَنْ تَسْتَصْغِرَ مِنْ بَلَائِهِ مَا كَانَ عَظِيماً"۔

"اپنے ماتحت کام کرنے والوں کی برابر تعریف و توصیف کرو اور ان کے قابل قدر کارناموں کا تذکرہ کرتے رہو جن کے ذریعہ وہ آزمائے جا چکے ہیں کیونکہ ان کے کارناموں کا بار بار تذکرہ بہادر کو جذبہ و جوش دلاتا اور بزدل میں ان کی انجام دہی کے لئے رغبت پیدا کرتا ہے (انشاءاللہ) پھر ہر شخص کے عمل کی حیثیت و

وقعت کو پیش نظر رکھو اور ایک کا عمل دوسرے شخص کے نام منسوب نہ کرو۔ کسی شخص کو اس کی قدر و منزلت سے نہ گھٹاؤ۔ دیکھو کسی انسان کی شخصیت اس کا سبب نہ بننے پائے کہ اس کے معمولی کام کو بڑا کارنامہ شمار کرو اور کسی شخص کی گمنامی اس کا سبب نہ ہو کہ اس کے عظیم کارنامہ کو حقیر سمجھو۔"

اس دستور کے مطابق:۔

الف)______ ولی امر، حاکم یا ذمہ دار شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سچے اور صالح خدمت گزار کی صرف ایک مرتبہ تعریف پر اکتفا نہ کرے بلکہ ہر مناسب موقع پر اس کے گزشتہ کارناموں کی طرف اشارہ کرتا رہے۔

ب)______ یہ تعریف و توصیف نیک اور صالح افراد میں مزید شوق پیدا کرتی ہے اور دوسروں کو اس کام کی طرف رغبت دلاتی ہے۔ یہ روش کلی طور پر معاشرہ کی اصلاح میں ایک اصولی کردار ادا کرتی ہے۔

ج)______ ہر شخص کو اس کے نیک کام کی مناسبت سے قدر کی نگاہوں سے دیکھا جانا چاہیئے اور اس کے کارنامہ کو دوسرے کی طرف نسبت نہ دینا چاہئے۔

د)______ نمایاں چہروں یا مشہور افراد کو ان کے قابل قدر عمل سے زیادہ سراہنا نہیں چاہئے۔ اس سے حقیقت بھی مخدوش ہوتی ہے۔

ہ)______ نمایاں کارنامہ انجام دینے والے گمنام افراد کو بجا طور پر سراہنا چاہئے تاکہ اپنے عمل کی روشنی میں وہ اور نمایاں ہو سکیں۔

حکام بالا کے ذریعہ مذکورہ اصولوں کی رعایت و پابندی ماتحتوں کے دلوں میں امیدوں کے چراغ

جلاتی ہے۔ بہترین اور قابل قدر کارکردگی کے لئے زمین ہموار کرتی ہے اور لوگوں میں اطمینان کی یہ حوت جگاتی ہے کہ اپنی شخصیت کو عمل، حذمت، لیاقت اور بہترین کارکردگی کے ذریعہ بنانا چاہیئے تعلقات ووابستگی، چاپلوسی اور شخصیت فروشی یا تصنع آمیز اور نقصان دہ کاموں کے ذریعہ نہیں

اگر یہ طرز فکر معاشرہ کے احساسات وافکار پر سایہ افگن ہو تو بلاشبہ اقدار زندہ ہونے لگیں گے اور نتیجہ میں انسانیت زندہ ہوجائے گی۔ صلاحیتوں اور استعدادوں کو اجاگر ہونے کا موقع ملے گا اور عملی ارتقا کے میدان میں ہر روز نئی راہیں کھلتی جائیں گی۔ حاکم کو ان تمام باتوں پر گہری توجہ کے ساتھ عمل کرنا چاہیئے۔

حکام کی دین داری اور دشمن سے ان کا جہاد

امامؑ کے اپنے منصوب کردہ حکام سے تعلقات و روابط کچھ اس طرح کے تھے کہ جب آپ نے بحرین میں اپنے گورنر "عمر ابن ابی سلمہ مخزومی" کو معاویہ کے خلاف جہاد میں شرکت کے لئے اپنے پاس بلانا اور "نعمان بن عجلان زرقی" کو ان کی جگہ معین فرمانا چاہا تو انھیں ایک خط میں یوں تحریر فرمایا:۔

"اَمّا بعد فَاِنّی وَلَّیْتُ نُعْمَانَ ابنَ عجلانَ الزُّرَقِی عَلَی البحرینِ وَ نَزَعْتُ یَدَکَ بِلاذَمٍّ لَکَ وَلَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکَ، فَلَقَدْ اَحْسَنْتَ الوِلَایَۃَ وَاَدَّیْتَ الْاَمَانَۃَ فَاَقْبِلْ غَیْرَ ظَنِیْنٍ وَلَا مَلُوْمٍ، وَلَا مُتَّھَمٍ وَلَا مَاثُوْمٍ، فَلَقَدْ اَرَدْتُ الْمَسِیْرَ اِلٰی ظَلَمَۃِ اَھْلِ الشَّامِ وَاَحْبَبْتُ اَنْ تَشْھَدَ مَعِیَ فَاِنَّکَ مِمَّنْ اَسْتَظْھِرُ بِہٖ عَلٰی جِھَادِ الْعَدُوِّ وَاِقَامَۃِ عَمُوْدِ الدِّیْنِ۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ"

"حمد وثناء الٰہی کے بعد، میں بحرین کی ولایت وحاکمیت "نعمان ابن عجلان زرقی" کے حوالہ کرتا ہوں اور تم کو اس سے سبکدوش کرتا ہوں میں بلا کسی مذمت وتوبیخ کے تم سے یہ منصب لے رہا ہوں۔ کیونکہ تم نے اپنے فریضہ کو بخوبی انجام دیا اور امانت کو ادا کیا ہے اب تم میرے پاس کسی طرح کے سوئے ظن یا ملامت، اتہام یا گناہ کا خیال دل میں لائے بغیر چلے آؤ۔ میں شام کے

ستم گاروں کی طرف پیش قدمی کا ارادہ رکھتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ تم میرے ہمراہ رہو۔ بلاشبہ تم ان افراد میں سے ہو جن پر میں دشمن سے جہاد کرنے اور ستون دین کو مستحکم و استوار کرنے کے سلسلہ میں اعتماد کرسکتا ہوں۔ انشاء اللہ۔"

امام، بحرین میں معین اپنے اس نمائندہ کی جدوجہد کی قدردانی کرتے ہوئے نیز اس کی معزولی سے پیدا ہونے والے ہر طرح کے بے جا توہم کو دور کرتے ہوئے اپنی اس تعریف و توصیف میں دو بنیادی شرطوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں یعنی دشمن سے جہاد نیز دین کا دفاع اور اس کی ترویج، ساتھ ہی اسے اپنے نزدیکی مددگار کے عنوان سے زیادہ اہم کام کے لئے اپنے پاس بلایا ہے نتیجتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ، اسلام کے سیاسی ماحول میں ان افراد پر اعتماد کیا جاسکتا ہے جو:۔

اوّل: دشمن خدا اور دشمن خلق کے مقابلہ میں قاطع اور محکم و استوار ہوں اور نہ اس سلسلہ میں لاابالی ہوں نہ دشمن سے سازباز کرنے والے ہوں۔

دوسرے: دین کے سلسلہ میں اپنی ذمہ داری محسوس کرتے ہوں۔ اس سے لاتعلق یا دین کے لئے نقصان دہ نہ ہوں۔ بلکہ دین کا قیام ان کے لئے ایک مسلّم اصل کی حیثیت رکھتا ہو۔ چنانچہ اگر دینداری اور دشمن کے ساتھ جہاد جیسی دو اصلوں کی رعایت کی جائے تو کوئی مشکل درپیش نہیں ہوسکتی۔

جس طرح امامؑ اپنے نیک اور صالح ماتحتوں و معاونوں کی تعریف و قدردانی فرماتے ہیں یوں ہی جب بھی اپنے گورنروں اور عمّال کو غلط کاریوں کی بنا پر مذمت کا سزاوار پاتے تھے تو بلاتامل انھیں ان کی غلطیوں سے آگاہ کرتے اور نا اہل گورنر کی اصلاح یا اس کی معزولی کے سلسلہ میں تیزی سے اقدام فرماتے تھے۔

امامؑ کے حکومتی دور کے مطالعے سے اس طرح کے بہت سے مواقع سامنے آتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم یہاں "منذر ابن جارود عبدی" کو لکھے گئے امامؑ کے خط کا ایک حصہ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں جو اپنی خیانتوں کی بنا پر حضرتؑ کے عتاب کا نشانہ قرار پایا:

"أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ صَلَاحَ أَبِيكَ غَرَّنِي مِنْكَ، وَظَنَنْتُ أَنَّكَ تَتَّبِعُ هَدْيَهُ

وَتَسْلُكُ سَبِيلَهُ . فَإِذَا أَنْتَ فِيمَا رُقِيَ إِلَيَّ عَنْكَ لَا تَدَعُ لِهَوَاكَ انْقِيَادًا وَلَا تُبْقِي لِآخِرَتِكَ عَتَادًا تَعْمُرُ دُنْيَاكَ بِخَرَابِ آخِرَتِكَ وَتَصِلُ عَشِيرَتَكَ بِقَطِيعَةِ دِينِكَ . وَلَئِنْ كَانَ مَا بَلَغَنِي عَنْكَ حَقًّا لَجَمَلُ أَهْلِكَ وَشِسْعُ نَعْلِكَ خَيْرٌ مِنْكَ . وَمَنْ كَانَ بِصِفَتِكَ فَلَيْسَ بِأَهْلٍ أَنْ يُسَدَّ بِهِ ثَغْرٌ أَوْ يُنْفَذَ بِهِ أَمْرٌ أَوْ يُعْلَى لَهُ قَدْرٌ أَوْ يُشْرَكَ فِي أَمَانَةٍ أَوْ يُؤْمَنَ عَلَى جِبَايَةٍ فَأَقْبِلْ إِلَيَّ حِينَ يَصِلُ إِلَيْكَ كِتَابِي هَذَا - إِنْ شَاءَ اللَّهُ "۔ (خطوط/۷۱)

"امابعد، تمہارے باپ کی نیک نفسی اور پاکیزگی نے مجھے تمہارے سلسلے میں فریب میں رکھا اور میں نے خیال کیا کہ تم ان کی پیروی کرتے ہو اور ان کے نقش قدم پر چلتے ہو لیکن جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں ان کے مطابق تم خواہشات نفسانی کے پھندے میں گرفتار ہو گئے ہو اور تم نے اپنی آخرت کے لئے کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا ہے۔ تم نے اپنی دنیا آباد کرنے اور اسے رونق بخشنے کے لئے اپنا دین تباہ کرنا شروع کر دیا ہے اور اپنے رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحم کرنے کے سلسلہ میں اپنے دین سے بھی رشتہ توڑ لیا ہے۔ جو خبریں مجھ تک پہنچی ہیں اگر وہ سچ ہیں تو تمہارے گھر کی سواری کا اونٹ اور تمہارے جوتے کا تسمہ بھی تم سے بہتر ہیں۔ تمہارے جیسا کوئی بھی شخص اس کا اہل نہیں ہے کہ اس سے کسی رخنہ کو پُر کیا جا سکے یا اس کے ذریعہ کوئی کام انجام پا سکے، اس کا رتبہ بلند کیا جائے یا اسے امانت میں شریک کیا جائے یا حکومت کی آمدنی میں سے امین قرار دیا جائے۔ لہٰذا جیسے ہی تم تک میرا خط پہنچے میرے پاس حاضر ہو جاؤ۔ انشاء اللہ"۔

شارحین نہج البلاغہ کے مطابق اس شخص نے چار ہزار درہم بیت المال سے ہڑپ کر لئے جس کی اطلاع حضرت علیؑ تک پہنچ گئی۔ حضرت نے فوراً اسے مذکورہ بالا خط تحریر فرمایا

مشیران حکومت

مشاورت جس کا مطلب دوسروں کی عقل و فکر اور عمل و تجربہ سے مدد حاصل کرنا ہے عام طور سے تمام اقوام و ملل کی منطق و افکار میں تسلیم شدہ ہے اور قرآن کریم میں بھی اس کی تاکید کی گئی ہے: "وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ" (سورہ شوریٰ آیت ۳۸)، "وَ شَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ" (آل عمران آیت ۱۵۹) مشورے کے سلسلہ میں اسلامی آثار اور اخبار و احادیث میں بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ بلاشبہ حکام اور ذمہ دار افراد کو اپنی وسیع و عظیم ذمہ داریوں کی بنا پر مشورہ کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ مشورہ دوسروں کی عقل اور ان کے تجربات سے استفادہ کو کہتے ہیں لہٰذا مشیران، حکام کے نظریات اور ان کے ارادوں اور فیصلوں کو ایک رُخ پر لگانے میں مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ صالح و مخلص خیر اندیش اور تجربہ کار مشیروں کا انتخاب حکومت کی راہ میں فیصلہ کن ثابت ہوتا ہے۔ امام کے کلام و ارشادات میں مشیروں سے متعلق بہترین ہدایات و راہنمائیاں نظر آتی ہیں چنانچہ مالک اشتر کے نام تحریر کردہ خط میں فرماتے ہیں:

"وَلَا تُدْخِلَنَّ فِي مَشُوْرَتِكَ بَخِيْلًا يَعْدِلُ بِكَ عَنِ الْفَضْلِ وَ يَعِدُكَ الْفَقْرَ، وَلَا جَبَانًا يُضْعِفُكَ عَنِ الْاُمُوْرِ وَلَا حَرِيْصًا يُزَيِّنُ لَكَ الشَّرَهَ بِالْجَوْرِ۔ فَاِنَّ الْبُخْلَ وَالْجُبْنَ وَالْحِرْصَ غَرَائِزُ شَتّٰى يَجْمَعُهَا سُوْءُ الظَّنِّ بِاللّٰهِ۔"

"اپنے مشورہ میں کسی بخیل کو شریک نہ کرو کیونکہ وہ تمہیں دوسروں کے ساتھ بذل و بخشش کرنے سے روکے گا اور فقر و تنگدستی سے ڈرائے گا۔ نہ کسی ڈرپوک اور بزدل سے مشورہ کرو کیونکہ وہ تم میں ضعف و ناتوانی پیدا کر دے گا اور نہ حریص کو اپنا مشیر بناؤ کیونکہ وہ ظلم و جور کو خوبصورت بنا کر تمہارے سامنے پیش کرے گا۔ یقیناً بخل، بزدلی اور حرص ایسے صفات ہیں جو اللہ سے بدگمانی

کا سبب بنتے ہیں"

سچ ہے بخل کی صفت مخلوق اور خالق کے حقوق ادا کرنے، انفاق و حسن سلوک کرنے اور قوم و ملت کی ضرورتیں پوری کرنے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے جس کا نتیجہ اقتصادی و مادی بحران، امتیازی اور طبقاتی روش کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ حکام اور ان کے مشیروں کو اس صفت سے مبرا اور دور رہنا چاہیئے کیونکہ مشیر اپنے مشوروں اور راہنمائیوں کے ذریعہ اپنے صفات حکام میں منتقل کرتے ہیں۔

رہی خوف اور بزدلی کی بات تو یہ صفت ایک مستقل اور آزاد حکومت کے لئے عظیم سانحہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس لئے کہ دشمنوں اور ظالم طاقتوں سے خوف و دہشت حکومت اور عوام کو ذلت و رسوائی اور اسیری و غلامی کی طرف کھینچ لے جاتی ہے۔ اور اگر مشیر ڈرپوک اور بزدل ہوں تو حاکم کو ذلت و رسوائی کی طرف مائل کردیں گے جو ملک و ملت کی تباہی و بربادی کا سبب ہوگی۔

اب رہا حرص کا مسئلہ تو عرض یہ ہے کہ مال و دولت اور دنیا کے حصول نیز حکومت پر باقی رہنے کی حرص و ہوس بے شمار جرائم و مظالم کا سرچشمہ ہوتی ہے۔ حاکم کے لئے حرص و ہوس کی خصلت سب سے زیادہ نقصان دہ اور تباہ کن ہوگی۔ لہذا اس کے مشیروں کو اس خصلت سے دور رہنا چاہیئے تاکہ صاحبان اقتدار کے اندر حرص کی آگ بھڑکا کر مظالم کے بڑھنے اور پھیلنے میں مددگار نہ ہوں۔

گیارھواں باب

حکومت اور عوام کا رابطہ

اسلامی سیاست کے بنیادی مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ حکومت اور ملت کے درمیان رابطہ کس نوعیت کا ہے۔ دنیا کے استکباری اور جبر و آمریت کے نظاموں میں حکومت اور عوام کا رابطہ جنگلی حاکمیت کی طرح ظالم و مظلوم کے رابطہ کی نوعیت کا ہے۔ جس طرح طاقتور درندے کمزور جانوروں کا شکار کرتے ہیں یا ان کے منہ کا نوالہ چھین لیتے ہیں یوں ہی ظالم و جابر حکام غریب اور کمزور عوام کا خون چوستے رہتے ہیں اور یہ بیچارے غریب گروہ در گروہ ان حاکم طاقتوں کی بے جا خواہشات اور ہوا و ہوس کی بھینٹ چڑھتے رہتے ہیں۔ یہ غریب و کمزور افراد، خدا کو بھولے ہوئے ان کاخ نشینوں کی نگاہ میں نہ کوئی قدر و قیمت رکھتے ہیں اور نہ کسی شمار میں آتے ہیں۔ ان محروم و مظلوم طبقوں کے تمام مادی و معنوی آبدار اس حکمراں طبقہ کے مظالم کا شکار ہو جاتے ہیں جو گنتی کے چند ہوس پرست اور خود غرض افراد پر مشتمل ہے۔

امیر المومنین علی علیہ السلام اس روش حکومت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ــــ جو تاریخ کے کفر صفت حکام کا ورثہ ہے اور امت اسلام جس میں نہ صرف مبتلا ہو گئی بلکہ صدیوں تک اسلامی حکومت کے نام پر ظالم و جابر حکام کے نتیجہ میں گرفتار رہی ــــ اپنے ایک خطبہ میں موجودہ اور آئندہ پیش آنے والے حالات کی خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

وكان اهل ذالك الزمان ذئاباً وسلاطينه سباعاً

او ساطہ اکالاً و فقرائہ امواتاً وغاب الصدق و فاض الکذب و استعملت المودۃ باللسان و تشاجر الناس بالقلوب و صار الفسوق نسباً و العفاف عجباً و لبس الاسلام لبس الفرو مقلوباً "

(خطبہ : ۱۰۸)

" اس زمانہ کے لوگ بھیڑیے ہوں گے اور ان کے حکام و سلاطین درندے ۔ عام افراد یا درمیانی طبقہ کے لوگ بہت پُرخور اور پیٹو ہوں گے اور غریب کمزور افراد مردوں کے مانند ہوں گے۔ سچائی دنیا سے اٹھ جائے گی اور جھوٹ رائج ہو جائے گا ۔ لوگوں کی دوستی اور محبت صرف زبانی جمع خرچ ہوگی لیکن دل ایک دوسرے سے کھنچے ہوئے ہوں گے ۔ گناہ اور بدکاری شخصیت کا معیار بن جائیں گے اور عفت و پاکدامنی کو تعجب و حیرت کی نظر سے دیکھا جائے گا اور اسلام الٹی پوستین کی طرح اوڑھ لیا جائے گا۔"

لیکن ایمانی حکومت اور الٰہی حاکمیت کی شان کچھ اور ہی ہے ۔ یہاں حکومت اور ملت کا رابطہ محبت، خدمت ایثار، احسان اور حسن سلوک کی بنیاد پر استوار ہے اور باپ بیٹے کے درمیان پائے جانے والے رابطہ کی مانند ہے ۔ امیر المومنین علیؑ رعایا کے ساتھ اپنے تعلق وار تباط سے متعلق فرماتے ہیں :۔

ولقد احسنت جوارکم واحطت بجهدی من ورائكم واعتقتكم من ربق الذل وحلق الضيم شكراً منی للبر القليل واطراقاً عما ادركه البصر وشهده البدن من المنكر الكثير۔

(خطبہ ۱۵۹)

بلاشبہ میں نے تمہارے ساتھ نیکی کا برتاؤ کیا ، ایک اچھے پڑوسی کا سا سلوک کیا ۔ اور اپنی پوری طاقت و توانائی کے ساتھ تمہاری حمایت کی اور ذلت و رسوائی کی زنجیروں سے تمہیں آزاد کیا ۔ اس طرح میں نے تمہاری تھوڑی سی نیکی کا شکریہ ادا کیا اور ان بہت سے ناروا سلوکوں سے چشم پوشی کر لی جنہیں میری آنکھوں نے دیکھا اور میرا جسم جن کا گواہ تھا ۔

یہاں عوام کے ساتھ رابطہ کی نوعیت کے سلسلہ میں امام کے سیاسی اصول سے اجمالی طور پر چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں :۔

پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک، عوام کی مکمل حمایت، ہر طرح کی قید و بند سے انھیں آزادی دلانا۔

ان کی محبتوں کی قدر کرنا اور ان کی غلطیوں سے چشم پوشی کرنا۔

حضرتؑ نے زکوٰۃ کی وصول یابی پر مقرر اپنے ایک عامل کو ایک خط تحریر کیا جس میں فرمایا :۔

"وامره ان لایجبههم ولایعضههم ولایرغب عنهم تفضلاً بالامارة علیهم فانهم الاخوان فی الدین والاعوان علی استخراج الحقوق"

(خط نمبر ۲۶)

"اور اسے حکم دیا کہ وہ لوگوں کے ساتھ ناروا برتاؤ نہ کرے اور انھیں پریشان نہ کرے، ان کی تحقیر و توہین نہ کرے اور اپنے عہدہ کی بڑائی کا خیال کرتے ہوئے ان سے بے رخی نہ برتے کیونکہ وہ لوگ دینی بھائی ہیں اور ایسے مددگار ہیں جو حقوق کی ادائیگی میں مدد دیتے ہیں۔"

اور مالک اشتر کو تحریر کردہ اپنے سیاسی منشور میں فرماتے ہیں :۔

"واشعر قلبك الرحمة للرعیة والمحبة لهم واللطف بهم، ولاتكونن علیهم سبعاً ضاریاً تغتنم اكلهم ..."

"رعایا کے ساتھ محبت اور لطف و کرم کو دل سے اپنا شعار بنالو۔ ان کے لئے خونخوار درندہ نہ بن جاؤ کہ ان کے منہ کا نوالہ چھیننے لگو....."

حکومت میں عوام کی مرکزیت

اس نظام میں خاص طور سے عوام کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ اور جیسا کہ استکباری نظاموں میں ہوا کرتا ہے کہ بس چند گنے چنے خواص، ہنکڑوں پر بیٹھنے والوں اور حاشیہ نشینوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور عوام کو کسی شمار و قطار میں نہیں لایا جاتا بلکہ اپنی خوشی و غم پر انھیں قربان کر دیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس اسلام کے سیاسی نظام میں عوام کو خواص اور اشراف کے طبقہ سے زیادہ وقعت دی گئی ہے۔ مالک اشتر کے نام تحریر امام کے سیاسی و اجتماعی منشور میں اس حساس نکتہ کی طرف پوری توجہ دی گئی ہے جس کا متن یہ ہے:-

"ولیکن احبّ الامور الیک اوسطها فی الحق واعمّها فی العدل، واجمعها لرضیٰ الرعیّة فانّ سخط العامّة یجحف برضیٰ الخاصّة وانّ سخط الخاصّة یغتفر مع رضیٰ العامة ولیس احد من الرعیة اثقل علی الوالی مؤونة فی الرخاء واقلّ معونة له فی البلاء واکره للانصاف واسأل بالالحاف واقلّ شکراً عند الاعطاء وابطأ عذراً عند المنع واضعف صبراً عند ملمّات الدهر من اهل الخاصة. وانما عماد الدین وجماع المسلمین والعدّة للاعداء العامّة من الامّة فلیکن صغوک لهم ومیلک معهم"

"تمہاری نگاہ میں بہترین اور پسندیدہ طریقہ کار وہ ہونا چاہیے جو حق کی بنیاد پر بہترین ہو، انصاف کے لحاظ سے سب کو شامل اور رعایا کی خوشنودی کے مطابق ہو۔ کیونکہ عوام کی ناراضگی خواص کی رضامندی کو بے اثر اور بے اعتبار بنا دیتی ہے، اور خواص کی ناراضگی عوام کی رضامندی کے سامنے نظر انداز کی جا سکتی ہے۔ رعایا میں خواص سے زیادہ کوئی ایسا نہیں جو خوشحالی کے دور میں حکومت پر سب سے بڑا بوجھ اور مشکلات میں مدد سے کترانے والا، انصاف سے بے حد دور بھاگنے والا، اپنی ضروریات کے سلسلہ میں سب سے زیادہ توقع رکھنے والا، بخشش و عطا پر بہت کم شکر گزار محروم کئے جانے پر بہت کم عذر سننے والا اور زمانہ کی بلاؤں و مصیبتوں میں بہت کم صبر کرنے والا ہو۔ اور بلاشبہ دین کا مضبوط سہارا، مسلمانوں کی قوت اور دشمنوں کے مقابلہ میں سپر یہی عوام ہیں۔ لہٰذا تمہاری توجہ ان کی طرف اور تمہاری

محبت ان کے ساتھ ہونی چاہیے ۔"

رعایا اور عوام کو قدر کی نگاہوں سے دیکھنا حکمت سے خالی نہیں ہے ۔ اس بات کے دلائل امامؑ کے مذکورہ بالا مکتوب میں بڑی بلاغت اور جامعیت کے ساتھ ذکر ہوئے ہیں، جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے :۔

(الف) خواص بہت تباہ خرچ اور اسراف کرنے والے ہیں، جبکہ عوام قناعت پسند، کم خرچ اور کم توقع رکھنے والے ہوتے ہیں ۔

(ب) خواص حکومت کے مشکلات میں کم ہی مددگار ثابت ہوتے ہیں جبکہ عوام سخت موقعوں پر حکومت کے یاور و مددگار بن جاتے ہیں۔

(ج) خواص عدل و انصاف تحمل نہیں کر پاتے اور اس سے گریز کرتے ہیں جبکہ عوام عدل و انصاف کے پیاسے ہوتے ہیں ۔

(د) خواص بہت زیادہ چاپلوس اور لالچی ہوتے ہیں جبکہ عوام میں اپنی درخواست پر اصرار، چاپلوسی یا رونے گڑگڑانے کا انداز نہیں پایا جاتا ۔

(ھ) خواص کو جتنا بھی نوازا جائے کم شکر گزار ہوتے ہیں جبکہ عوام پر اگر تھوڑی سی عنایت و نوازش بھی کی جائے تو وہ شکر گزاری اور تعریفیں کرتے نہیں تھکتے ۔

(و) خواص کے یہاں مشکلات میں صبر و تحمل نہیں پایا جاتا جبکہ عوام صابر، باتحمل اور مشکلات سے نبرد آزما رہتے ہیں ۔

(ی) خواص کو اگر بخشش و عطا کے ذریعہ نہ نوازا جائے تو وہ کوئی بھی عذر قبول کرنے پر تیار نہیں ہوتے جبکہ عوام سہل انگاری اور درگزر سے کام لیتے ہیں اور عذر قبول کر لیتے ہیں ۔

اور مزید یہ کہ عوام ہمیشہ دین کے پشت پناہ، امت اسلامی کے ناصر و یاور اور دشمنوں کے مقابلہ میں سپر بن جاتے ہیں ۔ لہٰذا ان کا اعتماد حاصل کرتے ہوئے، انھیں ان کے بنیادی حقوق دلا کر نیز ان کی خبر گیری کے ذریعہ اس عوامی طاقت کو محفوظ رکھنا چاہیے کیونکہ ایک الٰہی اور عوامی حکومت کا معیار یہ ہے کہ اس کا ارتباط عوامی دائرہ سے رہے نہ کہ صرف بعض خواص اور امراء سے ۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی حکومت امراء و رؤساء سے کوئی خصومت و دشمنی رکھتی ہے ۔

کیونکہ کسی طرح کی بھی دشمنی یا خصومت اگر بلاوجہ ہے تو غلط اور قابل مذمت ہے۔ بلکہ یہ تو امرا اور رؤسا کے گروہ کی خصلت ہے جو اس طرح کے اجتماعی و سیاسی نقطہ پر نظر آتا ہے۔ اور حکومت مجبور ہوتی ہے کہ ہر طبقہ کے ساتھ اس کے مناسب حال طرز اختیار کرے۔

مختصر یہ کہ اسلامی حکومت کو امت اور قوم کی ہر فرد کی صلاح و فلاح کے حق میں قدم اٹھانا چاہئیے اور چونکہ ہر حال میں تمام افراد اور تمام طبقوں کی خوشنودی حاصل ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ جب بھی کوئی اصلاحی کام شروع ہوگا تو فطری طور پر بعض لوگ اس سے راضی نہ ہوں گے۔ ایسی صورت میں حاکم یا ذمہ دار شخص کے لئے ضروری ہے کہ اس رخ کو اپنائے جس میں عام انسانوں کی فلاح اور بھلائی پائی جاتی ہو اور ان خواص کی ہٹ دھرمی یا ناراضگی کی پرواہ نہ کرے جو گنے چنے اور اقلیت میں ہیں۔

حکومت کا عوام کے ساتھ براہ راست رابطہ

اس سلسلہ میں پوری تاکید کی گئی ہے کہ حکومت اور اس کے ذمہ دار افراد عوام سے دور اور الگ تھلگ نہ رہیں اور اپنے گرد کوئی ایسا حصار نہ قائم کریں کہ عوام ان تک اپنی بات نہ پہنچا سکیں۔ حکام اور عوام کے براہ راست تعلق و ارتباط سے بڑے مفید اثرات اور نتائج برآمد ہوتے ہیں۔

اوّل: خود یہ ارتباط محبت و یگانگت اور باہمی تفاہم کا سبب ہوگا۔

دوسرے: عوام کو یہ احساس ہوگا کہ انھیں کچھ سمجھا جا رہا ہے اور وقعت دی جا رہی ہے۔ اس طرح وہ اپنی شخصیت کو محسوس کریں گے۔

تیسرے: عوام اپنا دکھ درد اور اپنی مشکلات حاکم یا ذمہ دار شخص کے کانوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اور درمیانی واسطے حقائق و واقعات میں تحریف کر کے بات بدل نہیں سکتے۔

حضرت علیؑ نے اپنے خطبوں اور مکتوبات میں اس حساس ترین نکتہ کی طرف بڑی تاکید فرمائی ہے۔ منجملہ آپؑ مکہ میں اپنے گورنر "قثم ابن عباس" کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اما بعد، فاقم للناس الحج وذکرهم بایام اللّٰه واجلس لهم العصرین فافت المستفتی وعلم الجاهل وذاکر العالم۔ ولا یکن لک الی الناس سفیر الا لسانک ولا

حاجب الا وجهك. ولا تحجبن ذا حاجة عن لقائك بها فانها ان ذيدت عن ابوابك فی اول وردها لم تحمد فیما بعد علی قضائها۔"

(خط نمبر ۶۷)

"حمد و ثنائے پروردگار کے بعد تم لوگوں کے لئے حج کی ادائیگی کا سر و سامان کرو اور انہیں اللہ کے دنوں کی یاد دلاؤ ظہر و عصر کی نماز کے بعد لوگوں کے ساتھ بیٹھو اور ان کے دینی مسائل کا جواب دو۔ بے علم افراد کو تعلیم دو اور صاحبان علم سے بحث و گفتگو کرو۔ دیکھو تمہارے اور عوام کے درمیان تمہاری زبان کے علاوہ نہ کوئی اور نمائندہ ہو اور نہ تمہارے چہرہ کے علاوہ کوئی اور دربان۔ اور کسی صاحب حاجت سے اپنا چہرہ نہ چھپاؤ کیونکہ اگر اہل حاجت پہلی مرتبہ تمہارے دروازہ سے محروم واپس ہو تو بعد میں اسے پورا کرنے کے بعد بھی تمہاری کوئی تعریف نہ کی جائے گی۔"

حکام اور عوام کے درمیان جدائی کے اثرات

مالک اشتر کے نام تحریر کردہ عہدنامہ میں حاکم یا ذمہ دار شخص کی عوام سے دوری یا جدائی کے اثرات کچھ اس طرح بیان ہوئے ہیں:۔

اما بعد، فلا تطولن احتجابك عن رعیتك، فان احتجاب الولاة عن الرعیة شعبة من الضیق وقلة علم بالامور والاحتجاب منهم یقطع عنهم علم ما احتجبوا دونه فیصغر عندهم الكبیر ویعظم الصغیر ویقبح الحسن ویحسن القبیح ویشاب الحق بالباطل وانما الوالی بشر لا یعرف ما توارى عنه الناس به من الامور ولیست علی الحق سمات تعرف بها ضروب الصدق من الكذب وانما انت احد رجلین، اما امرؤ سخت نفسك بالبذل

فی الحقّ، ففیم احتجابک من واجب حق تعطیہ او فعل کریم تسدیہ! او مبتلی بالمنع، فما اسرع کفّ الناس عن مسألتک اذا ایسوا من بذلک مع انّ اکثر حاجات النّاس الیک مما لا مئونۃ فیہ علیک من شکاۃ مظلمۃ او طلب انصاف فی معاملۃ"

"اس کے بعد ایسا نہ ہو کہ عوام سے تمہاری دوری اور روپوشی زیادہ طول کھینچے کیوں کہ حکام کی رعایا سے دوری ایک طرح کی دشواری اور معاملات سے بے خبری کا سبب ہوتی ہے جو ان پر اطلاعات و معلومات کے دروازے بند کر دیتی ہے۔ نتیجہ میں حکام معمولی مسائل کو اہم اور بڑے مسائل کو چھوٹے اور معمولی مسئلے سمجھنے لگتے ہیں۔ اچھائی برائی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور برائی اچھائی بن جاتی ہے۔ حق باطل کے ساتھ خلط ملط ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ حاکم بھی انسان ہی ہے، اگر وہ لوگوں کے مشکلات و مسائل سے دور رہا تو ان سے بے خبر رہ جائے گا اور حق کی کوئی مخصوص پہچان تو ہے نہیں جس سے لوگوں کے جھوٹ سچ میں تمیز ہو جائے۔ اور تم دو ہی طرح کے آدمی ہو سکتے ہو۔ یا تم حق کی ادائیگی کے سلسلہ میں سخاوت سے کام لیتے ہو ایسی صورت میں تمہیں حقوق کے ادا کرنے اور نیک کام کی انجام دہی سے گریز کی کیا ضرورت ہے؟ اور یا پھر تم بخیل ہو، ایسی صورت میں جب لوگ تمہاری عطا سے مایوس ہو جائیں گے تو تم سے سوال کرنا ہی چھوڑ دیں گے! جبکہ تم سے لوگوں کی اکثر حاجتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں کچھ خرچ نہیں ہوتا بلکہ وہ کسی ظلم کی شکایت یا کسی معاملہ میں انصاف کا مطالبہ کرتے ہیں۔

اصل میں حکومتوں کے حالات اور عوام و رعایا کے معاملات میں خرابی کا خاص سبب یہ ہوتا ہے کہ حکام اور مملکت کے ذمہ دار افراد حقائق و واقعات سے یا تو خود واقف ہونا نہیں چاہتے یا ہو نہیں پاتے۔ گنتی کے چند حاشیہ نشین، درباری اور قریب رہنے والے افراد حکام کے گرد حلقہ جمائے ریشم کے کیڑے کے مانند انھیں اپنے گھیرے میں لئے رہتے ہیں۔ ان کی خوشنودی کے لئے انھیں جھوٹے اطمینان دلاتے رہتے ہیں، یا ان کے نزدیک اپنی جگہ مضبوط کرنے کے لئے ان کاموں کی بھی تعریفیں کرتے ہیں جو برے

انجام ہی نہیں پاتے۔ رعایا کی ناراضگی کو الٹے انداز میں بیان کرتے ہیں ۔ بحرانوں کا ذکر ہی نہیں کرتے کہ کہیں حکام کے مزاج پر اس کا برا اثر نہ ہو۔ یہ وہی تنگنا ہے جس کی طرف امامؑ نے مذکورہ بالا خط میں اشارہ فرمایا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ حکام کو لمبے حصاروں سے بہر حال باہر نکلنا چاہیئے واسطوں ذریعوں اور پردوں کو درمیان سے ہٹا کر رعایا کے درمیان آنا چاہیئے اور حالات سے براہ راست آگاہی حاصل کرنی چاہیئے۔ کارگزاروں کے ذریعہ پیش کی جانے والی اطلاعات اور اعداد و شمار کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے۔ حاکم کا فرض ہے کہ حالات و واقعات کو رعایا کی زبان سے سنے، ان کی مشکلات و شکایات پر توجہ دے اور ان کا حل تلاش کرے اور اگر کسی مسئلہ کو حل کرنے یا مشکل کو سلجھانے سے معذور ہو تو کم از کم ان کا دکھ درد سننے سے گریز نہ کرے اس لئے کہ یہ طریقہ بذات خود مصیبت زدہ افراد کی ذہنی الجھنوں میں کمی کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ جب وہ احساس کریں گے کہ ایک ذمہ دار شخص ہماری باتیں اور ہمارا دکھ سن رہا ہے تو ان کے دلوں میں امید کی کرن ضرور پھوٹے گی۔

کلام امامؑ کے اس مذکورہ بالا حصہ میں حکام اور ذمہ دار افراد کے لئے بے حد قیمتی ہدایات موجود ہیں جن سے سادگی کے ساتھ گزرا نہیں جا سکتا۔

اقتدار کے سایہ میں امید کی کرن

ایک دوسری جگہ اسی منشور میں ارشاد ہے :-

واجعل لذوی الحاجات منک قسما تفرغ لهم فیه شخصک وتجلس لهم مجلسا عاما فتتواضع فیه لله الذی خلقک وتقعد عنهم جندک واعوانک من احراسک وشرطک حتی یکلمک متکلمهم غیر متتعتع ، فانی سمعت رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ـ یقول فی غیر موطن : " لن تقدس امة لا یوخذ للضعیف فیها حقه من القوی غیر متتعتع " ثم احتمل الخرق منهم والعی ونح عنهم الضیق والانف یبسط الله علیک بذلک اکناف رحمته ، ویوجب لک ثواب

طاعته. واعط ما اعطیت هنیئاً، وامنع فی اجمال واعذار۔

"ضرورت مندوں اور اہل حاجت کے لئے اپنے اوقات کا ایک حصہ مخصوص کر دو اور ان کے ساتھ مجمع عام میں بیٹھو اور اس خدا کے لئے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے ان کے ساتھ خضوع و فروتنی سے پیش آؤ۔ اپنے سپاہیوں، ماموروں، معاونوں اور محافظوں کو ان کے مجمع سے دور کر دو تاکہ وہ بے کھٹک اور بے خوف ہو کر تم سے باتیں کر سکیں کیونکہ میں نے رسول خدا سے سنا ہے، آپؐ اکثر فرمایا کرتے تھے" وہ قوم ہرگز قابل ستائش نہیں ہے جس میں ضعیف و کمزور کا حق طاقت ور سے بلا کسی خوف و خطر اور روک ٹوک کے نہ دلایا جائے"۔ پھر اگر وہ غصہ ہوں یا اپنی بات اچھے الفاظ میں نہ کہہ سکیں تو اسے برداشت کرو اور بے صبری و لاپرواہی کو اپنے پاس نہ آنے دو۔ اس کے عوض خداوند عالم اپنی رحمتوں کا دامن تم پر پھیلا دے گا اور تمہاری اطاعت و فرمانبرداری کی جزا ضرور عطا فرمائے گا۔ اگر کچھ انہیں دو تو خندہ پیشانی کے ساتھ بخشو اور اگر نہ دے سکو تو ان سے اچھے انداز میں معذرت کر لو۔"

گویا امام علیہ السلام اپنے اس بیان میں خبردار کرتے ہیں کہ: ایسا بہت ہوتا ہے کہ حاشیہ نشیں، محافظ اور نگہبان وغیرہ فریادیوں اور ظلم کے ماروں کو ذمہ دار حاکم تک پہنچنے اور اپنی مشکلات بیان کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ یا یہ بیچارے ان کی موجودگی میں اپنے حاکم سے بے دھڑک گفتگو کرنے سے ہچکچاتے ہیں۔ لہٰذا حکام کو چاہئے کہ نگہبانوں، دربانوں، محافظوں اور منشیوں کی نگاہوں سے دور عوام کے ساتھ بیٹھیں تاکہ وہ بے خوف ہو کر اپنے حق کا دفاع کر سکیں اور ضروری باتیں بیان کر سکیں اور اگر کہیں حاکم کے حاشیہ نشینوں کے ذریعہ ان پر ظلم ہوا ہے تو اسے حاکم بالا کے گوش گزار کر سکیں کیونکہ اکثر یہ ہوتا ہے کہ یہی حاشیہ نشیں عوام کے لئے اور اسی کے نتیجہ میں حکومت کے لئے مشکلیں کھڑی کر دیتے ہیں۔

ایک دوسری بات جس کی طرف امامؑ نے توجہ دلائی ہے یہ ہے کہ: کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ضرورت مند، اہل حاجت اور حکام کی طرف رجوع کرنے والے افراد اپنی پریشانیوں، دل تنگیوں اور الجھنوں کی وجہ سے حاکم سے گفتگو کے دوران غصہ میں آجاتے ہیں یا اپنی بات اچھی طرح سے بیان نہیں کر پاتے اور ان کی گفتگو اکتا دینے والی ہوتی ہے لہٰذا حاکم کا فرض ہے کہ وہ ان کے غصہ اور زبان کی لکنت وغیرہ کو برداشت کرے اور عوام کو اپنے حق کا دفاع کرنے کا حوصلہ بخشے انھیں پوری آزادی

دے اور اس کام میں خدا کی رضا اور آخرت کی جزا کو پیش نظر رکھے۔

ظلم و استبداد کے بجائے مفاہمت کا ربط

حکومت اور عوام کے درمیان رابطے سے متعلق ایک دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس رابطے کی روح باہمی مفاہمت اور حسن نیت ہے نہ کہ ظلم و استبداد۔ حکومت اور عوام کے روابط پر حاوی اس روح کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ حکومت عوام کی جانب سے پیدا ہونے والی غلط فہمی یا مغالطے کو دور کرنے کی کوشش کرے کیونکہ ممکن ہے کہ کوئی مسئلہ عوام کے لئے مبہم اور غیر واضح ہو جو خود حکام اور ذمہ دار افراد سے ان کی بد بینی کا باعث ہو۔ ایسی صورت میں حکام کو چاہئے کہ عوام کے درمیان آئیں اور اس مسئلہ کی ضروری وضاحت فرمائیں اور اگر حق عوام کے ساتھ ہو تو اسے تسلیم کرنے اور قبول کرنے سے منہ نہ موڑیں۔ اس سلسلہ میں امام مالک اشتر کو یہ ہدایت فرماتے ہیں:۔

"وان ظنّت الرعيّة بك حيفاً فاصحر لهم بعذرك، واعدل عنك ظنونهم باصحارك، فانّ فى ذلك رياضة منك لنفسك ورفقاً برعيّتك واعذاراً تبلغ به حاجتك من تقويمهم على الحق۔"

"اور اگر عوام یہ گمان کرنے لگیں کہ تم نے ان پر ظلم کیا ہے تو اپنا عذر ان کے سامنے واضح کرو اور بات صاف کرتے ہوئے ان کی بدگمانی دور کرو کیونکہ حقیقت اس کام میں تمہارے نفس کے لئے ریاضت اور نرمی ہے اور عوام کی تسکین خاطر، کہ اس وسیلہ سے تم اپنا مقصود یعنی راہ حق میں عوام کی استقامت و پائداری کو حاصل کر لو گے۔"

امامؑ اپنے اس ارشاد میں حکام پر یہ فریضہ عائد کرتے ہیں کہ وہ عوام کی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش کریں اور اگر کوئی قابل قبول عذر ہو تو اسے عوام کے سامنے بیان کر دیں کیونکہ عوام کے دل و دماغ میں پیدا ہونے والی یہ گتھیاں ایک نہ ایک دن شورش و بغاوت کی شکل میں ظاہر ہوں گی اور ملک و حکومت کو مشکلات سے دوچار کر دیں گی۔ آمرانہ حکومتی نظاموں میں رائج اصولوں کے برخلاف جن میں عوام کو کچل دینے اور ان کی زبانوں پر تالے لگا دینے کا طریقہ رائج ہے اور عوام کے ساتھ مفاہمت ان کے

یہاں کوئی مفہوم نہیں رکھتی۔ اسلام کے سیاسی نظام میں حسن تفاہم، مسئلہ کی معقول توجیہ، لوگوں کے ساتھ حسن سلوک اور حق کو تسلیم کرلینے کی عادت کو بنیادی اصول و اساس کی حیثیت سے تسلیم کیا جاتا ہے اور اسلامی حکومت کو اسی اساس پر استوار ہونا چاہیئے۔ عوام کے سلسلہ میں امامؑ کی سیرت یہی تھی۔ آپ ایک خطبہ میں حاکم اور ملت کے ایک دوسرے پر عائد ہونے والے حقوق کا تذکرہ کرتے ہیں اور لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے یوں خبردار کرتے ہیں:۔

تحکم ظالموں کا شیوہ

فلا تکلمونی بما تکلم بہ الجبابرۃ، ولا تتحفظوا منی بما یتحفظ بہ عند اھل البادرۃ ولا تخالطونی بالمصانعۃ ولا تظنوا بی استثقالاً فی حق قیل لی، ولا التماس اعظام لنفسی فانہ من استثقل الحق ان یقال لہ او العدل ان یعرض علیہ، کان العمل بھما اثقل علیہ"

(خطبہ / ۲۱۶)

"مجھ سے یوں کلام نہ کرو جس طرح ظالم و جابر حکمرانوں سے گفتگو کی جاتی ہے اور نہ مجھ سے یوں احتیاط برتو جس طرح غصہ ور افراد سے محتاط رہا جاتا ہے۔ مجھ سے کبھی خوشامد و چاپلوسی کے ساتھ میل جول پیدا نہ کرو یہ گمان نہ کرنا کہ حق کا قبول کرنا میرے لئے دشوار ہے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ میری تعظیم و تکریم کی جائے۔ کیونکہ جس شخص کے لئے حق کا بیان کرنا دشوار ہو یا وہ عدل سے منہ موڑتا ہو، حق پر عمل کرنا اس کے لئے کہیں زیادہ سخت و دشوار ہوگا۔

یہاں امامؑ کا ارشاد اس قدر فیصلہ کن، محکم، آگاہ کرنے والا اور سبق آموز ہے کہ اس پر بحث یا اس کی وضاحت کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ قابل ذکر نکتہ یہ ہے کہ عالمی سیاست کی پوری تاریخ میں محض الٰہی حکومتوں کے علاوہ کہیں اور ایسی ایک مثال بھی نہیں مل سکتی جہاں حاکم یا ذمہ دار شخص عوام سے ایسی باتیں کہے مختصر یہ کہ، حکام اور ذمہ دار افراد کا رعب و دبدبہ ہرگز ایسا نہیں ہونا چاہیئے جو بے جھجک مصالح و حقائق

بیان کرنے میں رکاوٹ بنے اور حق کا قبول کرنا ان کے لئے دشوار ہو کیونکہ ایسی صورت میں انھیں ناقابل کنٹرول اور ہولناک نتائج کا منتظر رہنا چاہیے۔ تنقید قبول کرنا، حق پر جمے رہنا، انصاف پسندی اور غلط کاریوں سے پرہیز، درحقیقت ظلم و استبداد، باطل نوازی، ستم پروری، غلط کاروں کے ساتھ رعایت اور خوشامد پسندی کے سخت اور تلخ نتائج سے کہیں زیادہ قابل تحمل ہے۔

امامؑ کے ایک دوسرے کلام میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرتؑ مخاصمت کی اصل و بنیاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لوگوں کو مخاطب فرماتے ہیں کہ وہ اپنے امامؑ کے طرز عمل کا گہرائی کے ساتھ بغور جائزہ لیں اور اگر اسے تعاون کے لئے شائستہ، اہل اور لائق پائیں تو اس کی نصرت و مدد کی کوشش کریں۔ حق انتخاب اور غور و فکر کے سلسلہ میں عوام کو پوری آزادی بخشنے نیز ظلم و استبداد اور کج فہمی و نافہمی کو مذموم قرار دینے کی راہ میں حضرتؑ کی ہدایت و رہنمائی کا یہ ایک اور بے مثل نمونہ ہے۔ امام اپنے ایک مفصل خطبہ میں ارشاد فرماتے ہیں :۔

"فاذا رأیتم خیراً فاعینوا علیه، واذا رأیتم شراً فاذھبوا عنه فان رسول اللّٰه ـ صلی اللّٰه علیه وآله ـ کان یقول: یابن آدم اعمل الخیر ودع الشر فاذا انت جواد قاصد"

(خطبہ: ۱۷۶)

"پس اے لوگو! اگر نیکی اور بھلائی کو دیکھو تو اسے تقویت پہنچاؤ اور اس کی مدد کرو اور اگر برائی دیکھو تو اس سے دور ہٹ جاؤ کیونکہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ فرماتے تھے، اے فرزند آدم! نیکو کار بن اور برائی سے پرہیز کر، اگر تو نے ایسا کیا تو نیک اور درست کردار رہے گا۔"

آپ ایک دوسری جگہ حکام اور عہدہ دار افراد کو عوام کے ساتھ مہربانی، ملائمت اور خوش روئی کا برتاؤ کرنے کی تاکید فرماتے ہیں جسے خود حکومت اور عوام کے درمیان بہترین رابطہ کا ایک راز کہا جا سکتا ہے۔ ساتھ ہی اپنی بات کہنے کے لئے عوام کا حوصلہ بڑھانا اور ان کی یاددہانیوں، مفید مشوروں اور شکایتوں کے سلسلہ میں حاکم کی طرف سے دلچسپی کا اظہار بھی حکومت اور عوام کے درمیان بہتر رابطہ کی کنجی ہے۔

جب آپؑ نے "محمد ابن ابی بکر" کو مصر کا گورنر بنایا تو ایک عہد نامہ کے ذیل میں انھیں یوں ہدایت فرمائی :-

"فاخفض لھم جناحک والن لھم جانبک وابسط لھم وجھک وآس بینھم فی اللحظۃ والنظرۃ، حتی لا یطمع العظماء فی حیفک لھم، ولا ییأس الضعفاء من عدلک علیھم فان اللہ تعالیٰ یسائلکم معشر عبادہ عن الصغیرۃ من اعمالکم والکبیرۃ والظاھرۃ والمستورۃ، فان یعذب فانتم اظلم وان یعف فھو اکرم"

(خط نمبر ۲۷)

"لوگوں کے ساتھ فروتنی و مہربانی سے پیش آؤ اور ان سے نرمی و ملائمت کا برتاؤ کرو۔ ان کے سامنے اپنے چہرہ کو خوش حال اور شگفتہ رکھو اور ان پر برابری و مساوات کی نگاہ ڈالو تاکہ امیروں و رئیسوں کو تم سے ناانصافی کی توقع نہ رہے اور غریب و کمزور افراد عدل و انصاف سے مایوس نہ ہونے پائیں کیونکہ خداوند عالم تم سب بندوں سے تمہارے ہر چھوٹے بڑے، ظاہر بظاہر یا چھپا کر کیے جانے والے عمل سے متعلق بازپرس کرے گا۔ پس اگر وہ عذاب کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ظلم کیا ہے۔ اور اگر وہ عفو و بخشش سے کام لے تو وہ بہت کریم ہے۔"

اور جب حضرتؑ نے "عبداللہ ابن عباس" کو بصرہ کا نظم سنبھالنے کے لئے گورنر بنا کر روانہ کیا تو انھیں ایک مختصر دستور العمل کے ذیل میں یہ ہدایت فرمائی :

سع الناس بوجھک ومجلسک وحکمک وایاک والغضب فانہ طیرۃ من الشیطان واعلم ان ما قربک من اللہ یباعدک من النار وما باعدک من اللہ یقربک من النار"

(خط نمبر ۷۶)

"لوگوں کو خندہ پیشانی کے ذریعہ نیز ان کے قریب بیٹھ کر اور ان کے ساتھ مروت و مہربانی کا برتاؤ کر کے خود سے قریب کرو۔ اور دیکھو غصہ سے پرہیز کرو کیونکہ اس راہ سے شیطان نفوذ کر سکتا ہے اور یہ جان لو کہ جو عمل تمہیں خدا سے نزدیک کرے گا جہنم کی آگ سے دور کرے گا اور جو عمل تمہیں خدا سے دور کرے گا جہنم کی آگ سے نزدیک کر دے گا۔"

ایک جگہ حضرتؑ اس مفاہمت و دوستی کی وجہیں بیان کرتے ہوئے اس امر کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ باہمی مفاہمت اچانک اور اپنے آپ وجود میں نہیں آتی بلکہ حکام کو عوام کا اعتماد و اعتبار اور حسن ظنی حاصل کرنے کے لئے احسان، خیر اندیشی اور اچھے اخلاق کے ذریعہ مفاہمت کی زمین ہموار کرنی چاہئے۔

اپنے مشہور سیاسی منشور میں حضرتؑ مالک اشتر کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"واعلم انہ لیس شئ بادعیٰ الی حسن ظن راع برعیتہ من احسانہ الیھم وتخفیفہ المؤنات علیھم وترک استکراھہ ایاھم علیٰ مالیس لہ قبلھم، فلیکن (منک) فی ذالک امر یجتمع لک بہ حسن الظن برعیتک فان حسن الظن یقطع عنک نصباً طویلاً، وان احق من حسن ظنک بہ لمن حسن بلائک عندہ، وان احق من ساء ظنک بہ لمن ساء بلائک عندہ"

"یہ جان لو کہ احسان، حسن سلوک، ٹیکسوں کی ادائگی میں رعایت سے کام لینے، بے جا دباؤ اور زور زبردستی سے پرہیز کرنے سے بڑھکر کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو حکومت اور رعایا کے درمیان حسن ظن پیدا کرنے کا باعث ہو۔ لہٰذا ایسا کام انجام دو جو حکومت اور رعایا کے درمیان مفاہمت اور حسن ظن کا سبب بنے، کیونکہ یہ مفاہمت اور حسن ظن تمہارے کندھے سے بڑا بوجھ ہلکا کر دے گا۔ بلاشبہ تم اس شخص پر زیادہ اعتماد و بھروسہ کر سکو گے جسکے ساتھ تم نے حسن سلوک کیا ہے، اور اس شخص سے زیادہ بدگمان رہو گے جس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔"

اگر حکام یہ جاننا چاہیں کہ رعایا کے نزدیک ان کی کیا منزلت و حیثیت ہے تو یہ دیکھیں کہ رعایا کی انکی نگاہ میں کیا حیثیت ہے کیونکہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور دنیا کا نظام علت و معلول کا نظام ہے۔

(یعنی جیسا کروگے ویسا بھروگے) رعایا اس حکومت کی ہرگز وفادار نہیں ہوگی جسکے عمل واقدام میں صداقت وحمایت کے آثار نہ پائے۔ اور یہ وہ تلخ حقیقت ہے جسے حکام کو بہرحال قبول کرنا چاہئے۔

حکومت اور رعایا کا اخلاقی رابطہ

حکومت اور عوام یا رعایا کے درمیان پائے جانے والے روابط میں اس رابطہ کا ذکر بھی ضروری ہے جو اخلاق، انسانی ہمدردی اور ایمانی اصول کی بنیاد پر استوار ہوتا ہے، اور سیاسی ہم آہنگی کو مزید استحکام بخشتا ہے۔ اصولی طور پر چونکہ ایمان واخلاق کی دنیا میں اور ایمان سے سرشار نظام میں معنویت ایک بنیادی اصل کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہاں ظاہری ترک بھڑک اور تصنع وبناوٹ خاطر خواہ اثر نہیں رکھتے، دوسری طرف سیاست مدیریت ہے جو دین کا ایک اٹوٹ حصہ ہے۔ اسے دین سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔ ڈپلومیسی کے اصول اور سیاسی امور بذات خود ایسے خشک و بےجان ہوتے ہیں جو حکومت اور رعایا کے درمیان مستحکم ہم آہنگی کا محور اور اس کی بنیاد نہیں بن سکتے۔ لہٰذا ان اصولوں کے پیش نظر ہم دیکھتے ہیں کہ امام علیؑ کے کلام میں اخلاقی اصول اور حکومت ورعایا کے درمیان پائے جانے والے رابطہ پر پڑنے والے اس کے اثرات سے متعلق مذکورہ بالا ارشادات کے علاوہ بھی بہت سی مثالیں ملتی ہیں، جن میں سے یہاں ہم چند نمونوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں:۔

"املک حمیۃ انفک، وسورۃ حدک، وسطوۃ یدک، وغرب لسانک، واحترس من کل ذلک بکف البادرۃ وتاخیر السطوۃ حتیٰ یسکن غضبک فتملک الاختیار ولن تحکم ذلک من نفسک حتیٰ تکثر ھمومک بذکر المعاد الیٰ ربک"

(خط/۵۳)

"اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوئے، غرور ونخوت، غیظ وغضب، ہاتھوں کی جنبش اور زبان کی تیزی سے بچو ان چیزوں سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ جلد بازی سے کام نہ لو اور سزا دینے یا فیصلہ کرنے میں تاخیر کرو یہاں تک کہ تمہارا غصہ ٹھنڈا پڑ جائے اور تم

اپنے آپ پر قابو پا لو، اور اس کام میں تم اپنے نفس پر اس وقت تک قابو نہیں پا سکتے جب تک تمہاری ساری فکر روز قیامت اور اپنے خدا کی جانب بازگشت کی طرف متوجہ نہ ہو۔"

امام علیہ السلام کے ارشاد کے مطابق نفس پر قابو، جلد بازی اور جذبات نیز نفسانی خواہشات پر قابو پا لینا ہی پسندیدہ اخلاق کا اصل منبع و سرچشمہ ہیں اور نفس پر تسلط کی اساس و بنیاد مبدأ یعنی خدا اور معاد یعنی قیامت پر ایمان ہے۔ ایسا اخلاقی نظام ہی محکم و پائیدار ہو سکتا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس پر حکومت و رعایا کے سیاسی روابط کے سلسلہ میں انحصار کیا جا سکتا ہے۔ مختصر یہ کہ بات پھر وہیں پہنچتی ہے کہ معاشرہ کے نظم و ضبط کی باگ ڈور صالح و مومن انسانوں کے ہاتھ میں ہونی چاہئے، کیونکہ غیر صالح اور بے ایمان افراد سے اس سیرت اور اس سیاست کی توقع ہی نہیں کی جا سکتی۔ حضرتؑ کے مذکورہ بالا منشور میں ہی ایک جگہ آیا ہے:۔

وایاک والمن علی رعیتک باحسانک او التزید فیما کان من فعلک، او ان تعدهم فتتبع موعدک بخلفک، فان المن یبطل الاحسان، والتزید یذهب بنور الحق، والخلف یوجب المقت عند الله والناس. قال الله تعالیٰ "کبر مقتاً عند الله ان تقولوا ما لا تفعلون"

" جو نیک سلوک تم نے رعایا کے ساتھ کیا ہے اس کا احسان جتانے اور اسے بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے سے پرہیز کرو اور وعدہ خلافی نہ کرو کیونکہ احسان جتانا اس اچھے عمل کی وقعت گرا دیتا ہے اور اپنے سلوک کو بڑھا کر پیش کرنا حق کے نور کو زائل کر دیتا ہے نیز وعدہ خلافی خدا اور عوام کے غیظ و غضب کا سبب بنتی ہے۔ خداوند عالم فرماتا ہے، یہ خدا کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے کہ جو تم کہتے ہو اس پر عمل نہیں کرتے۔"

آج دنیا میں رائج سیاسی اصولوں کی بنیاد یہی ہے کہ اگر ملت یا رعایا کے لئے کوئی کام کرتے ہیں تو اس پر احسان رکھ کر بیان کرتے ہیں اور خوب بڑھا چڑھا کر اس کا ذکر کرتے ہیں یا جھوٹے وعدوں کے ذریعہ عوام کو سرگرم رکھا جاتا ہے۔ یہ طریقے عوام اور قوموں و ملتوں کی نظر میں حکومتوں کی بے اعتباری

کا سبب بنتی ہیں۔ یہ وہی باتیں ہیں جن سے امامؑ نے روکا اور منع فرمایا ہے۔ الٰہی سیاست کو اس بنیاد پر عمل کرنا چاہئے کہ عوام اور حکومت کا اعتماد ایک دوسرے کے اوپر محکم و پائدار ہو اور خدا و خلق خدا کی خوشنودی نظام کی بقا کی پشت پناہ قرار پائے۔

رعایا کے ساتھ روابط میں اخلاقی اصولوں کی رعایت اس حد تک ضروری ہے کہ حاکم یا ذمہ دار شخص کو ایک معلم اخلاق کی حیثیت سے اپنے ہمنشینوں اور تمام رعایا کے لئے نمونہ عمل ہونا چاہئے۔ وہ حاکم جس کی سیرت یا طرز عمل لوگوں پر براہ راست یا بالواسطہ اثر انداز ہوتی ہے اسے لوگوں کے ساتھ ایسی معاشرت رکھنی چاہئے کہ لوگ اس کے عمل سے اخلاق کا سبق حاصل کریں۔ امامؑ اپنے منشور میں مالک اشتر کو ہدایت فرماتے ہیں:۔

"ولیکن ابعد رعیّتک منک واشنأهم عندک اطلبهم لمعایب الناس، فانّ فی الناس عیوباً، الوالی احقّ من سترها، فلا تکشفنّ عمّا غاب عنک منها، فانّما علیک تطهیر ما ظهر لک والله یحکم علی ما غاب عنک فاستر العورة ما استطعت یستر الله منک ما تحبّ ستره من رعیّتک۔ اطلق عن الناس عقدة کلّ حقد واقطع عنک سبب کلّ وتر وتغاب عن کلّ ما لا یضح لک ولا تعجلنّ الی تصدیق ساع، فانّ الساعی غاشّ وان تشبّه بالناصحین"

تم سے سب سے زیادہ دور اور ناپسندیدہ وہ شخص ہونا چاہئے جو لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہتا ہو، کیونکہ لوگوں میں عیب ہوتے ہی ہیں اور حاکم و والی ان کی پردہ پوشی کا سب سے زیادہ سزاوار ہے۔ پس پوشیدہ عیوب کو برملا نہ کرو اور جو عیب ظاہر ہو گئے ہیں ان کی بھی صفائی اور توجیہ کر دو۔ جو عیب پوشیدہ اور چھپے ہوئے ہیں ان کا فیصلہ خدا کے حوالہ کر دو اور جہاں تک ہو سکے دوسروں کے اسرار کو پوشیدہ رکھو تاکہ تم اپنے جن اسرار کو چھپانا چاہتے ہو اللہ انھیں پوشیدہ رکھے۔ لوگوں سے بغض و کینہ کی ہر گرہ کو کھول ڈالو اور اپنے انتقام کی ہر رسّی کو کاٹ دو اور جو چیز تمہاری نظر میں درست نہ ہو اس سے دوری اختیار کرو۔ چغل خور کی باتوں کی جلدی سے تصدیق نہ کیا کرو

کیونکہ چغل خور فریب کار ہوتا ہے چاہے وہ ناصحوں کی شکل میں کیوں نہ آئے۔"

عوام کے حالات، خاص طور سے معاشرہ کے ضعیف کمزور افراد کی رعایت اس قدر اہم ہے کہ نہ صرف اجتماعی قوانین اور احکام کے طرز عمل میں ان کے حق اور عدل کی رعایت ضروری ہے بلکہ وہ عبادی وطاعتی امور جن کا تعلق صرف اللہ اور بندہ سے ہے ان پر بھی حتی الامکان اس طرح عمل ہو کہ کمزور وضعیف ترین افراد کا بھی لحاظ رکھا جائے۔

امام علیہ السلام مالک اشتر کو اس سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واذا قمت فی صلوتک للناس فلا تکونن منفراً ولا مضیعاً فان فی الناس من بہ العلۃ ولہ الحاجۃ وقد سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حین وجّھنی الی الیمن، کیف اصلی بھم؟ فقال: "صَلِّ بھم کصلاۃ اضعفھم وکن بالمؤمنین رحیما"

جب لوگوں کے ساتھ نماز کے لئے کھڑے ہو تو نہ اتنی طولانی نماز پڑھا تاکہ بیزاری کا سبب بن جاؤ اور نہ اتنی جلد بازی دکھا نا نماز ہی ضائع کر دو۔ اس لئے کہ لوگوں میں ایسے افراد بھی ہوتے ہیں جو بیمار ہوں یا انھیں کوئی ضرورت درپیش ہو جب آنحضرتؐ نے مجھے یمن کی طرف روانہ فرمایا تھا تو میں نے آنحضرتؐ سے دریافت کیا تھا کہ لوگوں کے ساتھ کس طرح نماز ادا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: ایسی نماز ادا کرو کہ ان میں کا ضعیف اور کمزور ترین شخص بھی تحمل کر سکے اور مومنین کے ساتھ مہربان رہو"

حضرتؑ اپنے ایک دوسرے خط میں بعض شہروں کے حکام کو پابندی وقت کے ساتھ نماز کی ادائیگی سے متعلق ہدایت دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

وصلّوا بھم صلوٰۃ اضعفھم ولا تکونوا فتانین

(خط نمبر ۵۲)

"لوگوں کے ساتھ اس طرح نماز ادا کرو کہ ان میں کا کمزور ترین شخص بھی ادا کر سکے اور تم فتنہ وفساد کا سبب نہ بنو۔"

اقلیتوں کے ساتھ حکومت کا رابطہ

حکومت اور عوام کے روابط کے سلسلہ میں ایک بحث اور سامنے آتی ہے اور وہ یہ ہے کہ اسلامی حکومت کی غیر مسلم اقلیتوں کے ساتھ رابطہ کی نوعیت کیا ہے۔ اس موضوع سے مربوط فقہ کے ابواب میں اس پر کافی بحث کی گئی ہے اور تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہے جسے یہاں ذکر نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں ہم صرف امام علیہ السلام کا ایک خط نقل کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو آپؑ نے اپنے ایک گورنر کو تحریر فرمایا تھا۔ یہ خط حضرتؑ نے اس وقت تحریر فرمایا جب چند مشرک اور بقول شارحین آتش پرست کاشتکاروں و زمین داروں نے آپ کی خدمت میں شکایت کی تھی :-

"امّا بعد، فانّ دھاقین اھل بلدک شکوا منک غلظة وقسوة واحتقاراً وجفوة، ونظرت فلم ارھم اھلاً لان یدنوا لشرکھم ولا ان یقصوا ویجفوا، لعھدھم، فالبس لھم جلباباً من اللین تشوبه بطرف من الشدة، وداول لھم بین القسوة والرافة وامزج لھم بین التقریب والادناء والابعاد والاقصاء. ان شاء اللہ"

(خط نمبر ۱۹)

خدا کی حمد و ستائش کے بعد، تمہارے شہر کے کاشتکاروں نے تمہاری سختی، سنگدلی، حقارت آمیز برتاؤ اور ظلم و تشدد کے رویہ کی شکایت کی ہے۔ میں نے اس کی تحقیق کی تو ان کو ان کے شرک کی بنا پر اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ انھیں نزدیک کر لیا جائے اور نہ ہی اس معاہدہ کے پیش نظر جو انھوں نے مسلمانوں کے ساتھ کر رکھا، انھیں دھتکارا اور لائق ظلم و ستم قرار دیا جاسکتا ہے۔ لہٰذا ان کے ساتھ نرمی و ملائمت کے ساتھ ہی ایسا برتاؤ کرو جس میں سختی کی جھلک بھی پائی جاتی ہو۔ اور ان کے ساتھ ایسی روش اختیار کرو جو سختی و نرمی کی درمیانی راہ ہو اور نزدیکی اور دوری کو سمو کر انھیں حد اعتدال پر رکھو۔"

اس خط میں چند نکتے قابل ذکر ہیں :-

۱۔ امامؑ نے اس شکایت کا بھرپور اثر لیا اور اس سے لاتعلقی و بے اعتنائی کا اظہار نہیں فرمایا، اور یہ بات خود حکومت کے ذمہ دار افراد کے لئے راہ نما ثابت ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے شرکائے کار اور ماتحتوں پر اعتماد رکھنے کی وجہ سے لوگوں کی درخواستوں اور شکایتوں پر کان ہی نہ دھریں اور انھیں خاطر میں نہ لائیں، اس طرح وہ عوام کے جذبات و احساسات کی توہین نہ کریں۔ چاہے شکایت کرنے والے آتش پرست ہی کیوں نہ ہوں۔

۲۔ اس شکایت کے بعد امامؑ مسئلہ کا جائزہ لیتے ہیں اور تحقیقات فرماتے ہیں۔ اور ان تحقیقات و اطلاعات کی روشنی میں ضروری اقدام فرماتے ہیں۔

۳۔ امامؑ کی ہدایت کے بموجب شکایت کرنے والے چونکہ مشرک ہیں لہٰذا حاکم یا ذمہ دار شخص سے اتنا زیادہ قریب نہ ہونے پائیں کہ نظام حکومت کا اعتبار ہی خطرہ میں پڑجائے، لیکن چونکہ "ذمی" بھی ہیں اور مسلمانوں سے ایک معاہدہ رکھتے ہیں لہٰذا اسلامی حکومت پر لازم ہے کہ ان کی حمایت کرے اور انھیں ان کے عمومی مشترک حقوق دلائے منجملہ ان کے کام کی آزادی اور اجتماعی و اخلاقی عزت و وقار کا تحفظ وغیرہ۔

۴۔ اس ہدایت کے مطابق، اسلامی نظام کے ذمہ دار افراد کو بہت ہی نپا تلا، معتدل اخلاقی رویہ اختیار کرنا چاہئے اور امامؑ کی فرمائش کے پیش نظر لوگوں کو نہ اتنی چھوٹ دے دیں کہ وہ حکومت اور اس کے محترم قوانین کے سلسلہ میں جسور اور لاپرواہ ہوجائیں اور نہ سب سے اس طرح قطع تعلق کرلیں کہ اس سے عوام تنگدل اور نا امید ہوجائیں اور ان کے دلوں میں حاکم کی طرف سے بغض و کینہ پیدا ہوجائے۔

اگرچہ اس خط میں امامؑ کی ہدایت اسلامی معاشرہ میں رہنے والی اقلیتوں سے مخصوص ہیں لیکن وہ حصہ جو اخلاق سیاست اور حسن انتظام سے مربوط ہے اور جس میں میانہ روی اور عادلانہ روش اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بہت سے مواقع پر وسیع انداز میں بھی ان سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور دوسرے گروہوں کو بھی اس میں شامل کیا جاسکتا ہے۔

اس طرح ۔ حاکم نظام کو چاہیئے کہ وہ سختی و نرمی کا ملا جلا انداز اپنائے اور ہر ایک کو موقع و محل کے لحاظ سے اختیار کرے کیونکہ نہ ہر جگہ غضب اور سختی اچھی ہے اور نہ ہر جگہ محبت و نرمی ۔ یعنی ؎

ہر سخن موقع و ہر نکتہ مقامی دارد

بارھواں باب

حکومت اور عوام کے ایک دوسرے پر حقوق

اگرچہ حکومت اور عوام کے ایک دوسرے پر عائد ہونے والے حقوق کو ایک مختصر سی بحث میں بیان نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لینے کے لئے تفصیلی بحث اور کافی وقت درکار ہے، لیکن اس بحث میں اپنے شیوہ کے پیش نظر ہم اس موضوع سے متعلق علی علیہ السلام کے کلام کے کچھ اقتباسات ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہ یاد دہانی بھی ضروری ہے کہ اس کے قبل اور بعد کی بحثوں میں بھی ان باہمی حقوق سے متعلق بہت سی مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں جو دوسرے عناوین و موضوعات کے ذیل میں ذکر ہوئی ہیں۔ اب امام علیہ السلام کے بیانات کے کچھ حصے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ امام نے ایک نسبتاً طویل خطبہ صفین میں ارشاد فرمایا، اس میں حکام اور عوام کے باہمی حقوق کے ذیل میں اس حق شناسی کے آثار اور ان کی قانونی و سیاسی پابندی کے سلسلہ میں کچھ باتیں بیان فرمائیں، جس کا ایک حصہ یوں ہے:

«ثُمَّ جَعَلَ ـ سُبحانَه ـ مِنْ حُقُوقِهِ حُقُوقاً افْتَرَضَها لِبَعْضِ النّاسِ عَلىٰ بَعْضٍ، فَجَعَلَها تَتَكافَأُ فِي وُجُوهِها، وَيُوجِبُ بَعْضُها بَعْضاً، وَلايُسْتَوجَبُ بَعْضُها إِلّا بِبَعْضٍ. وَأَعْظَمُ مَا افْتَرَضَ ـ سُبحانَه ـ مِن تِلْكَ الحُقُوقِ حَقُّ الوَالِي عَلَى الرَّعِيَّةِ، وَحَقُّ الرَّعِيَّةِ عَلَى الوَالِي، وَفَرِيضَةٌ فَرَضَها اللّٰهُ ـ سُبحانَه ـ لِكُلٍّ عَلىٰ كُلٍّ،

فَجَعَلَهَا نِظَاماً لِأُلْفَتِهِمْ وَعِزّاً لِدِينِهِمْ، فَلَيْسَتْ تَصْلُحُ الرَّعِيَّةُ إِلَّا بِصَلَاحِ الْوُلَاةِ، وَلَا تَصْلُحُ الْوُلَاةُ إِلَّا بِاسْتِقَامَةِ الرَّعِيَّةِ، فَإِذَا أَدَّتِ الرَّعِيَّةُ إِلَى الْوَالِي حَقَّهُ، وَأَدَّى الْوَالِي إِلَيْهَا حَقَّهَا عَزَّ الْحَقُّ بَيْنَهُمْ، وَقَامَتْ مَنَاهِجُ الدِّينِ، وَاعْتَدَلَتْ مَعَالِمُ الْعَدْلِ، وَجَرَتْ عَلَى أَذْلَالِهَا السُّنَنُ فَصَلَحَ بِذَلِكَ الزَّمَانُ، وَطُمِعَ فِي بَقَاءِ الدَّوْلَةِ، وَيَئِسَتْ مَطَامِعُ الْأَعْدَاءِ. وَإِذَا غَلَبَتِ الرَّعِيَّةُ وَالِيَهَا، أَوْ أَجْحَفَ الْوَالِي بِرَعِيَّتِهِ، اخْتَلَفَتْ هُنَالِكَ الْكَلِمَةُ، وَظَهَرَتْ مَعَالِمُ الْجَوْرِ، وَكَثُرَ الْإِدْغَالُ فِي الدِّينِ، وَتُرِكَتْ مَحَاجُّ السُّنَنِ فَعُمِلَ بِالْهَوَى، وَعُطِّلَتِ الْأَحْكَامُ، وَكَثُرَتْ عِلَلُ النُّفُوسِ، فَلَا يُسْتَوْحَشُ لِعَظِيمِ حَقٍّ عُطِّلَ، وَلَا لِعَظِيمِ بَاطِلٍ فُعِلَ فَهُنَالِكَ تَذِلُّ الْأَبْرَارُ وَتَعِزُّ الْأَشْرَارُ وَتَعْظُمُ تَبِعَاتُ اللَّهِ ـ سُبْحَانَهُ ـ عِنْدَ الْعِبَادِ.»

"۔۔۔۔ پھر خداوند عالم نے اپنے ہی حقوق میں سے ان حقوق کو بھی قرار دیا جو بعض افراد بعض پر رکھتے ہیں، پھر ان حقوق کو برابر قرار دیا کہ ہر ایک حق دوسرے حق کا باعث ہوتا ہے۔ یہ حقوق یک طرفہ طور پر واجب نہیں ہوتے۔ ان حقوق میں سے خداوند عالم نے جو سب سے عظیم حق واجب کیا ہے وہ حاکم و والی کا حق عوام پر اور عوام کا حق حاکم و والی پر ہے۔ اور یہ وہ چیز ہے جسے خداوند عالم نے والی و رعایا میں سے ہر ایک فرد پر مقرر فرمایا ہے اور اسے ان کے لئے مایۂ اتحاد و یک جہتی اور دین کی عزت و سرفرازی کی بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ رعایا اسی وقت نیک و صالح رہ سکتی ہیں جب حکام بھی صالح ہوں، اور حکام بھی اس وقت تک صلاح و نیکی سے آراستہ نہ ہوں گے جب تک عوام و رعایا صالح و درست کار نہ ہو۔ پس جب رعایا حاکم کا حق ادا کریں اور حاکم رعایا کے حق کا لحاظ کرے تو حق و عدالت ان کے درمیان محترم و باوقار ہوگی۔ دیانت کے راستے استوار ہو جائیں گے۔ عدل و انصاف کی کونپلیں پھوٹ نکلیں گی، پیغمبر کی سنتیں اپنی راہ پر چل نکلیں گی نتیجہ میں زمانہ سازگار ہو جائے گا، حکومت کی بقا کی امیدیں پیدا ہو جائیں گی اور دشمنوں کی حرص و طمع، یاس و ناامیدی میں بدل جائے گی۔

اور جب بھی رعایا، حکومت کے خلاف اٹھ کھڑی ہو یا حاکم، رعایا پر ظلم و ستم کرنے

لگے تو اتحاد و یکجہتی اختلافات میں بدل جائے گی، ظلم و ستم کی نشانیاں ظاہر ہونے لگیں گی، دین میں مفسدے اور الٹ پھیر بڑھ جائیں گے۔ سنت و شریعت کی شاہراہیں متروک ہو جائیں گی آخر کار نفسانی خواہشات عمل کا محور قرار پائیں گی، احکام تعطیل کا شکار ہو جائیں گے اور نفسانی بیماریاں شدت سے بڑھ جائیں گی۔ اس وقت بڑے بڑے (امور) حق کے انجام نہ پاسنے اور بڑے بڑے باطل (امور) کے دھڑلے کے ساتھ انجام پانے سے کوئی وحشت زدہ نہ ہوگا۔ اور جب ایسا ہو گا تو نیکو کار اور صالح افراد ذلیل اور شر پرداز باشی عزت دار بن جائیں گے اور اللہ کی عقوبتیں لوگوں کے حق میں بڑھ جائیں گی۔ (خطبہ نمبر ۲۱۴)

اگر حضرت کے اس عمیق، پر مغز اور حکیمانہ کلام پر غور کیا جائے تو ہمیں اس میں حکومت و رعایا کے باہمی حقوق کے سلسلہ میں بہت سے ہدایات اور نکات نظر آتے ہیں جنہیں ہم یہاں اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں۔

الف) اجتماعی اور سیاسی حقوق الٰہی حقوق کا ہی ایک حصہ ہیں، جن کا ضائع کرنا خدا کے حق کو ضائع کرنا ہے اس بنا پر ایک صالح سیاسی، قانونی اور شرعی نظام میں اس نظام کے دستور و قوانین کی پابندی خدا کی اطاعت کے ہم معنی اور اس کی خلاف ورزی الٰہی احکام کی خلاف ورزی ہے۔ اور دیندار سیاسی نظام اور دین مخالف سیاسی نظام کے درمیان یہی ایک امتیازی فرق ہے۔

(ب) حکومت اور رعایا دونوں ایک دوسرے پر حق رکھتے ہیں ان میں سے اگر ایک ان حقوق کی انجام دہی میں کوتاہی کرے تو دوسرے پر اس کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ لہٰذا اس حکومت کا احترام اور اس کی قدر ضروری ہے جو رعایا سے کئے ہوئے اپنے وعدوں کو پورا کرنے میں کوشاں رہے، یوں ہی وفادار رعایا بھی حکومت کے لئے قابل احترام ہے۔

(ج) حکومت و رعایا کے باہمی حقوق دراصل حقوق کی اہم ترین بنیادیں ہیں، کیونکہ معاشرہ کے بہت سے حقوق اور حدود ان ہی سے وابستہ ہیں۔ رعایا کی فلاح و رفاہ اور حکومت کا استحکام ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت پر منحصر ہے دین اور مسلمانوں کی عزت و سربلندی، سنن و شریعت کی بقا، اور معاشرہ میں عدل و انصاف کی برقراری کی ضمانت مذکورہ حقوق کے سایہ میں ہی دی جا سکتی ہے جب کہ ملکی سیاست میں حقوق کے تال میل اور اس نظم و ضبط کے درہم و برہم ہونے کا نتیجہ فساد، ظلم بدعت، خیانت، اختلاف، نفس پرستی، حق کی پامالی، باطل کے رواج، مومنین کی ذلت، گمراہوں کی جرأت

وجسارت اور عقوبت الٰہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

۲۔ اور اپنے ایک اجتماعی و سیاسی خطبہ میں حضرتؑ ان لوگوں کو سرزنش کرتے ہیں جنھوں نے اپنے امام کی اطاعت اس کی منزلت و مقام کے مطابق نہیں کی اور اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے سیاسی اجتماعی جمود کے حالات پیدا کر دیئے اور اپنے امام کو شدید طور سے غم و اندوہ میں مبتلا کر دیا۔ چنانچہ آپ رعایا کے ان حقوق کی جانب اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

«أيُّها النَّاسُ! إنَّ لِي عَلَيْكُمْ حَقًّا وَلَكُمْ عَلَيَّ حَقٌّ، فَأمَّا حَقُّكُمْ عَلَيَّ فَالنَّصِيحَةُ لَكُمْ وَتَوْفِيرُ فَيْئِكُمْ عَلَيْكُمْ وَتَعْلِيمُكُمْ كَيْلا تَجْهَلُوا وَتَأدِيبُكُمْ كَيْما تَعْلَمُوا. وَأمَّا حَقِّي عَلَيْكُمْ فَالْوَفاءُ بِالْبَيْعَةِ وَالنَّصِيحَةُ فِي الْمَشْهَدِ وَالْمَغِيبِ وَالْإجابَةُ حِينَ أدْعُوكُمْ وَالْطاعَةُ حِينَ آمُرُكُمْ»

"اے لوگو! میرا تم پر حق ہے اور تمہارا مجھ پر حق ہے۔ تمہارا حق مجھ پر یہ ہے کہ تمہیں نصیحت کروں اور بیت المال سے سب کو برابر اور پورا پورا حصہ دوں، تمہیں جہالت سے دور کرنے کے لئے تعلیم دوں اور ادب سکھاؤں تاکہ تم مہذب و خردمند بنو، اور میرا حق تمہارے اوپر یہ ہے کہ بیعت پر وفادار رہو۔ سامنے اور پیٹھ پیچھے ہمیشہ میرے خیر خواہ رہو جب بھی میں تمہیں بلاؤں تو میری آواز پر لبیک کہو اور جب حکم دوں تو اطاعت کرو۔" (خطبہ /۳۴)

۳۔ اپنے ایک عامل کو جسے آپؑ نے زکوٰۃ و صدقات سے متعلق امور پر مامور کیا تھا، ایک خط کے ذیل میں تحریر فرمایا :۔

«وإنَّ أعْظَمَ الْخِيانَةِ خِيانَةُ الْاُمَّةِ وَأفْظَعَ الْغِشِّ غِشُّ الْأئِمَّةِ»

"بلاشبہ سب سے بڑی خیانت اپنی قوم کے ساتھ خیانت ہے اور بدترین دھوکہ بازی اپنے رہبروں کے ساتھ دھوکہ ہے۔" (خط /۲۶)

۴۔ اپنے لشکر کے بعض سپہ سالاروں کو تحریر کردہ ایک خط میں ان حقوق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :۔

«أمَّا بَعْدُ فَإنَّ حَقًّا عَلَى الْوالِي ألّا يُغَيِّرَهُ عَلَى رَعِيَّتِهِ فَضْلٌ نالَهُ

ولا طولٌ حَصَّ بِهِ، وأنْ يَزيدَهُ ما قسَمَ اللّهُ لَهُ مِنْ نِعَمِهِ دُنُوّاً مِنْ عِبادِهِ وعَطفاً علىٰ إخوانِهِ»

"بے شک حاکم کا فرض یہ ہے کہ وہ فضل و شرف سے ہمکنار ہونے اور نعمت سے بہرہ ور ہونے کی صورت میں رعایا کے ساتھ اس کے رویہ میں تبدیلی پیدا نہ ہو اللہ نے جو نعمتیں اسے عطا کی ہیں انہیں اس کے بندوں سے اس کی نزدیکی اور اپنے بھائیوں سے مہربانی وہمدردی میں اضافہ کا سبب بننا چاہئے۔" خط/ ۵۰

«ألا وإنّ لَكُمْ عِنْدِي ألّا أحْتَجِزَ دُونَكُم سِرّاً إلّا في حَرْبٍ، ولا أطْوِيَ دُونَكُم أمراً إلّا في حُكْمٍ ولا أُؤخِّرَ لَكُمْ حَقّاً عَنْ مَحَلِّهِ ولا أقِفَ بِهِ دُونَ مَقْطَعِهِ. وأنْ تَكُونُوا عِنْدِي في الحَقِّ سَواءً فإذا فَعَلْتُ ذٰلِكَ وَجَبَتْ لِي عَلَيْكُمُ النِّعْمَةُ ولِي عَلَيْكُم الطّاعَةُ وألّا تَنْكُصُوا عَنْ دَعْوَةٍ ولا تُفَرِّطُوا في صَلاحٍ وأنْ تَخُوضُوا الغَمَراتِ إلى الحَقِّ»

"آگاہ رہو! کہ تمہارا مجھ پر یہ حق ہے کہ اسرار جنگ کے علاوہ کوئی چیز تم سے پوشیدہ نہ رکھوں، شرعی حکم کے علاوہ کسی اور امر میں تمہارے مشورہ سے پہلو تہی نہ کروں تمہارے کسی بھی حق کو پورا کرنے میں تاخیر و کوتاہی نہ کروں اور اسے انجام تک پہنچائے بغیر دم نہ لوں۔ نیز میری نگاہ میں تم سب کا حق برابر ہو، پس اگر میں نے ان تمام چیزوں کو جامۂ عمل پہنا دیا تو تم پر خداوند عالم کی نعمت کا شکر واجب اور میری اطاعت لازم ہے میری دعوت پر اپنے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ اور نیک کاموں میں کوتاہی نہ کرو۔ اور حق تک رسائی کے لئے سختیوں اور دشواریوں سے ٹکرا جاؤ۔"

«فإنْ أنْتُمْ لَمْ تَسْتَقِيمُوا لِي علىٰ ذٰلِكَ لَمْ يَكُنْ أحَدٌ أهْوَنَ عَلَيَّ مِمَّنْ اعْوَجَّ مِنْكُمْ، ثُمَّ أُعْظِمُ لَهُ العُقُوبَةَ ولا يَجِدُ فيها رُخْصَةً، فَخُذُوا هٰذا مِنْ أُمَرائِكُمْ وأعْطُوهُمْ مِنْ أنْفُسِكُمْ ما يُصْلِحُ اللّهُ بِهِ أمْرَكُمْ. والسَّلام.

پس اگر تم ان باتوں کے پابند نہ رہے تو تم میں میرے نزدیک کوئی اس شخص سے زیادہ ذلیل وحقیر نہیں ہوگا جو ٹیڑھی راہ اختیار کرے۔ پھر میں اسے سخت سزا دوں گا اور

اس کے ساتھ کسی طرح کی رعایت نہ کروں گا۔ یہ (عہد و پیمان) تم اپنے (ماتحت) سرداروں سے لو اور انھیں اپنی طرف سے اس طرح کی سہولتیں فراہم کرو کہ خداوند عالم ان کے ذریعہ تمہارے کام کو آسان کر دے۔ والسلام" (خط/۵۰)

اس بحث کے آخر میں دو خاص مطالب کا ذکر ضروری ہے۔ اول: "تاجروں اور پیشہ وروں سے متعلق حکومت کی ذمہ داریاں! دوسرے: معاشرہ کے محروم طبقہ سے متعلق حکومت کی ذمہ داریاں!

تاجروں اور پیشہ وروں سے متعلق حکومت کی ذمہ داریاں

مالک اشتر کو لکھے گئے امام علیہ السلام کے سیاسی منشور میں اس نکتہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے چنانچہ امامؑ فرماتے ہیں :-

«ثُمَّ اسْتَوْصِ بِالتُّجَّارِ وَذَوِي الصِّنَاعَاتِ وَأَوْصِ بِهِمْ خَيْراً، الْمُقِيمِ مِنْهُمْ وَالْمُضْطَرِبِ بِمَالِهِ وَالْمُتَرَفِّقِ بِبَدَنِهِ، فَإِنَّهُمْ مَوَادُّ الْمَنَافِعِ وَأَسْبَابُ الْمَرَافِقِ وَجُلَّابُهَا مِنَ الْمَبَاعِدِ وَالْمَطَارِحِ...»

"پھر تم کو تاجروں اور صنعت گروں کے بارے میں توجہ کی ہدایت دی جاتی ہے اسے سنو اور ان کے بارے میں نیکی کی ہدایت دو۔ یہ لوگ جو یا شہر میں مقیم ہیں یا اس کے اطراف میں اپنے مال کے ساتھ گھومتے پھرتے ہیں یا اپنی قوت بازو سے کسب و کار کرتے ہیں، پیداوار کا سرچشمہ اور درآمد کا وسیلہ ہیں اور عالم غربت میں دور دراز کے علاقوں سے نفع و سرمایہ فراہم کرنے والے ہیں۔۔۔"

اس کے بعد اس طبقہ کو دامن گیر ہونے والی کمزوریوں اور گمراہیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

«... وَاعْلَمْ مَعَ ذٰلِكَ أَنَّ فِي كَثِيرٍ مِنْهُمْ ضِيقاً فَاحِشاً وَشُحّاً قَبِيحاً وَاحْتِكَاراً لِلْمَنَافِعِ وَتَحَكُّماً فِي الْبِيَاعَاتِ وَذٰلِكَ بَابُ مَضَرَّةٍ لِلْعَامَّةِ وَعَيْبٌ عَلَى الْوُلَاةِ. فَامْنَعْ مِنَ الِاحْتِكَارِ فَإِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ مَنَعَ مِنْهُ. وَلْيَكُنِ الْبَيْعُ بَيْعاً سَمْحاً بِمَوَازِينِ عَدْلٍ وَأَسْعَارٍ لَا تُجْحِفُ بِالْفَرِيقَيْنِ مِنَ الْبَائِعِ

وَالْمُبْتَاعِ، فَمَنْ قَارَفَ حُكْرَةً بَعْدَ نَهْيِکَ اِیَّاہُ فَنَکِّلْ بِهٖ وَعَاقِبْهُ فِیْ غَیْرِ اِسْرَافٍ»

"..... ان سب کے باوجود یہ جان لو کہ ان میں سے بہت سے ایسے بھی ہیں جو اپنی ذلیل حرکتوں اور سختیوں اور بے شرمانہ ظلم و سرکشی، لوگوں کی ضرورت کے سامانوں کی ذخیرہ اندوزی کرکے چیزوں کے من مانے اور سخت دام لگاتے ہیں حالانکہ یہ اعمال عوام کے لئے نقصان دہ اور حکام کی رسوائی کا سبب بنتے ہیں۔ لہٰذا لوگوں کو احتکار و ذخیرہ اندوزی سے روکو، کیونکہ پیغمبر خدا نے احتکار سے منع فرمایا ہے۔ خرید فروخت سہل و آسان اور عادلانہ معیاروں کی بنیاد پر ہونا چاہئے۔ قیمتیں طرفین کے لئے انصاف کے ساتھ معین ہوں۔ اب اگر کوئی شخص احتکار سے روکے جانے کے باوجود اس طرح کا اقدام کرتا ہے، اس کی تنبیہ کرو اور اسے حد کے مطابق سزا دو" خط / ۵۳

صنعت گروں اور مصرف کرنے والوں کی حمایت

بازار، تاجر پیشہ افراد اور صنعت کاروں سے متعلق حکومت کی ذمہ داریوں کے سلسلہ میں چند بنیادی باتیں حسب ذیل ذکر کی جاتی ہیں:۔

۱۔ اہل بازار، تاجر، پیشہ ور افراد اور صنعت کار جو حکومت کے لئے نفع و سرمایہ پیدا کرنے کی اصل قوت اور عوام کی ضرورتیں پوری کرنے کا ذریعہ ہیں، حکومت کو ان کی حمایت کرنی چاہئے اور ان کے کاروبار کو جاری رکھنے کے لئے انھیں ضروری سہولتیں فراہم کرنی چاہئے۔

۲۔ حکومت کو اسی طبقہ کے افراد کے پیدا کردہ مالی الٹ پھیر، غلط فوائد، احتکار اور کالا بازاری وغیرہ کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہئے اور انھیں اس بات کی مہلت نہ دینی چاہئے کہ عوام کے کھانے پینے کی چیزیں اور دوسری ضرورتیں ان ظالموں کے ہاتھوں تباہ ہوں۔ اور اگر ضروری ہو تو ایسے غلط افراد کو ظلم و زیادتی کے بغیر مناسب سزائیں دے اور ان پر جرمانے عائد کرے۔

۳۔ تمام چیزوں کی عادلانہ اور طے شدہ قیمتیں حکومت کو معین کرنا چاہئے جس سے ہر شخص اپنی

مرضی سے من مانی قیمتیں معین نہ کرے جس سے بازار اور ملکی اقتصاد میں ہرج و مرج کی صورت پیدا ہو۔

معاشرہ کے غریبوں سے متعلق حکومت کی ذمہ داری

معاشرہ کے غریب محروم اور نادار طبقہ کے سلسلہ میں امام علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

«ثم الله الله في الطبقة السفلى من الذين لا حيلة لهم، من المساكين والمحتاجين وأهل البؤسى والزمنى، فإن في هذه الطبقة قانعاً ومعتراً واحفظ لله ما استحفظك من حقه فيهم واجعل لهم قسماً من بيت مالك، وقسماً من غلات صوافي الإسلام في كل بلد، فإن للأقصى منهم مثل الذي للأدنى. وكل قد استرعيت حقه، فلا يشغلنك عنهم بطر، فإنك لا تعذر بتضييعك التافه لإحكامك الكثير المهم فلا تشخص همك عنهم ولا تصعر خدك لهم وتفقد أمور من لا يصل إليك منهم ممن تقتحمه العيون وتحقره الرجال، ففرغ لأولئك ثقتك من أهل الخشية والتواضع، فليرفع إليك أمورهم، ثم اعمل فيهم بالإعذار إلى الله يوم تلقاه، فإن هؤلاء من بين الرعية أحوج إلى الإنصاف من غيرهم، وكل فأعذر إلى الله في تأدية حقه إليه.»

"پھر خدارا! خدارا! معاشرہ کے نچلے طبقہ یعنی ان لوگوں کا خیال رکھنا جو فقیر و محتاج، گرفتار بلا، درد کے مارے اور معذور افراد ہیں۔ اس طبقہ میں عزت دار اور محتاج افراد بھی ہیں۔ خداوند عالم نے ان لوگوں سے متعلق تم پر جو حق معین کیا ہے اسے ادا کرو۔ ان کے لئے بیت المال اور اسلام و مسلمانوں سے متعلق شہروں سے حاصل ہونے والے اموال میں سے ایک حصہ معین کرو کیونکہ دور رہنے والے افراد بھی نزدیک رہنے والوں کی مانند حقدار ہیں اور تم ان سب کے حق کے ذمہ دار ہو۔ دیکھو غرور و نخوت تمہیں اس فریضہ کی ادائیگی سے روکنے نہ پائے کیونکہ اس صورت میں تم زیادہ اہم امور کی انجام دہی کے لئے معمولی اور چھوٹے چھوٹے حقوق کو ضائع کر کے قابل معافی قرار نہ پاؤ گے۔ ان کے حالات سے غافل نہ ہو، ان کی طرف سے نخوت سے منہ نہ پھیرو۔ ان میں سے ایسے اشخاص

کے حالات و کوائف کی تحقیق و چھان بین کرو جنھیں لوگ حقارت و بے توجہی کی بنا پر تم تک نہیں پہنچاتے اور ان کے مشکلات کے حل نیز ان کے کاموں کی انجام دہی کے لئے قابل اطمینان خدا ترس اور متواضع افراد سے کام لو۔ کوشش کرو کہ ان محروم افراد کے حالات و کیفیات تم تک پہنچائے جائیں۔ اور تم جس طرح قیامت میں خدا کے سامنے عفو کی امید رکھتے ہو یوں ہی ان کے ساتھ پیش آؤ کیونکہ ملت میں یہ لوگ عدل و انصاف کے سب سے زیادہ محتاج ہیں، لہذا سب کا حق خدا کے حکم کے مطابق ادا کرو۔"

یہ نچلا طبقہ جو محروم اور فراموش شدہ افراد کا طبقہ ہے، دنیا کے تمام اجتماعی و سیاسی نظاموں میں کسی معاشرہ کے اندر کبھی بھی کسی شمار میں نہیں لایا جاتا۔ یہ لوگ ہمیشہ ظالموں اور جابروں کے زیر ستم اپنے بنیادی اور ابتدائی قسم کے اقتصادی، ثقافتی اور سیاسی حقوق سے بھی محروم رہے ہیں، جب کہ صورت حال یہ ہے کہ اسی گروہ کی اولاد اور خود یہ لوگ حکومتوں کی سب سے زیادہ خدمت کرتے آئے ہیں؛ فوجوں کے سپاہی، درباروں کے محافظ نیز حکام کی خوشیوں اور غموں میں قربانیوں کا بکرا بننے والے زیادہ تر اسی طبقہ کے افراد ہیں، ان کی تقدیریں گویا بدترین تقدیریں ہیں۔

صدیوں اور زمانوں کے طول و عرض پر محیط حاکم دنیوی سیاست کے برخلاف شہادہ سیاست جس نے الٰہی معارف اور آسمانی تعلیمات سے الہام حاصل کرتے ہوئے اس کمزور طبقہ پر عنایتیں کی ہیں اور ان کے اقدار کو زندہ کرنے کی راہ میں قدم اٹھایا ہے، وہ دین اور الٰہی مکتب فکر سے نشأة پانے والا سیاسی نظام ہی ہے۔ اصولی طور پر انبیائے الٰہی اسی لئے مبعوث ہوئے تھے کہ قوموں و ملتوں اور انسانی معاشرہ کے محروم و ستم دیدہ افراد کو ظالم و جابر اور خونخوار حکام کے چنگل سے نجات دلائیں اور دنیا میں رائج ان حاکم معیاروں کو بدل ڈالیں جو معاشرہ میں طبقات کی تعیین و تقسیم کا محور بنے ہوئے تھے۔

حضرت علی ابن ابی طالبؑ، جنھوں نے اپنی اجتماعی سیاست کی بنیاد عملی طور پر محروموں کی حمایت اور انھیں اہمیت دیئے جانے کی اساس پر قائم کی تھی اپنے اجتماعی ــ سیاسی منشور میں مالک اشتر سے ان محروم طبقوں کے ضائع شدہ حق کے سلسلہ میں تاکید فرمائی ہے۔

یہاں ہم اسی سلسلہ میں امامؑ کی مذکورہ فرمائشات کے چند اساسی نکتوں پر ایک سرسری نگاہ

ڈالتے ہیں :-

(۱) ان کی مادی ضرورتیں اور زندگی کا خرچ بیت المال سے دیا جانا چاہئے نیز ہر شہر اور علاقہ کی آمدنی اس علاقہ کے غریب محروم افراد کی ضرورتوں پر صرف ہونی چاہئے۔ یہ نہ ہو کہ وہ آمدنیاں مرکزی شہروں کو بھیج دی جائیں اور ان کے اصلی مالک و حقدار اس سے محروم رہیں۔

(۲) حکومت کے ذمہ داروں پر واجب ہے کہ ملک کے اہم مشاغل میں مصروف ہونے کی بنا پر ان لوگوں کی ناگفتہ بہ صورت حال سے غافل نہ رہیں، کیونکہ پھر وہ خدا کے حضور اس کا کچھ جواب نہ دے پائیں گے۔

(۳) حکومت کے ذمہ داروں کو چاہئے کہ اس تحقیر شدہ طبقہ کے افراد سے کشادہ روئی اور خندہ پیشانی کے ساتھ ملاقات کریں اور ان کی روح میں پڑی ہوئی حقارت و بے مائیگی کی گرہیں کھولیں۔

(۴) حکام پر لازم ہے کہ صالح، خداترس اور متواضع افراد کو اس طبقہ کے حالات کا نگران اور ذمہ دار قرار دیں تاکہ وہ پوری دل سوزی اور ہمدردی کے ساتھ ان کے کام کو انجام دیں اور حاکم کو اس کے نتائج سے آگاہ کریں۔

بے سہارا بچے اور بوڑھے

معاشرہ کے محروم طبقات میں ایسے بے سہارا افراد بھی ہیں جن کو سب سے زیادہ اہمیت دی جانی چاہئے۔ یہ یتیم و بے سرپرست بچے اور ضعیف و ناتوان بوڑھے ہیں کہ امامؑ نے اپنے ہدایات میں الگ سے ان کا ذکر فرمایا ہے :-

«وَتَعَهَّدْ أَهْلَ الْيُتْمِ وَذَوِي الرِّقَّةِ فِي السِّنِّ مِمَّنْ لَا حِيلَةَ لَهُ، وَلَا يَنْصِبُ لِلْمَسْأَلَةِ نَفْسَهُ وَذٰلِكَ عَلَى الْوُلَاةِ ثَقِيلٌ، وَالْحَقُّ كُلُّهُ ثَقِيلٌ وَقَدْ يُخَفِّفُهُ اللّٰهُ عَلَى أَقْوَامٍ طَلَبُوا الْعَاقِبَةَ فَصَبَّرُوا أَنْفُسَهُمْ، وَوَثِقُوا بِصِدْقِ مَوْعُودِ اللّٰهِ لَهُمْ.»

"یتیموں اور سال خوردہ بوڑھوں کی سرپرستی کرو جن کا نہ کوئی سہارا ہے اور نہ وہ سوال کے لئے اٹھتے یا ہاتھ پھیلاتے ہیں، یہ امر حکام کے لئے اگرچہ سخت اور گراں ہے اور یقیناً حق کل کا کل سخت اور سنگین ہے لیکن بلاشبہ خداوند عالم ان لوگوں کے لئے جو عاقبت کی بھلائی کے خواہاں، صابر اور اللہ کے وعدہ پر مطمئن ہوں ——— اس سنگین ذمہ داری کو قابل تحمل بنا دیتا ہے۔"

تیرھواں باب

عوام اور حکومت

سیاسی بحثوں کا ایک بنیادی مسئلہ یہ بھی ہے کہ حکومت کے ڈھانچہ اور اس کے سسٹم میں عوام کا کردار اور ان کا اثر کیا ہے؟ طاقتور حکام کی سیاسی روش یہ رہی ہے کہ وہ قوموں کے ذہنوں میں یہ بات بٹھائیں کہ وہ اس مسئلہ میں اپنی رائے دینے کا کوئی حق نہیں رکھتے اور بنیادی طور پر حکام کے سامنے عوام کا وجود کوئی حیثیت نہیں رکھتا! اور آخر کار سلطنتوں و حکومتوں کی طرف سے جو کچھ بھی ان پر لاگو ہوتا ہے اسے قضاء و قدر سمجھتے ہوئے راضی رہیں اور شکوہ و شکایت نہ کریں۔ عیسائیت اور اسلام کے بھی بہت سے علماء اپنے عوام کو یہ غلط تعلیم دیا کرتے تھے کہ ظالم و جابر حکام و سلاطین کے سامنے سر تسلیم خم کئے رہیں، کیونکہ اگر حکام کو امر و نہی کرنے کی راہ میں ان پر کوئی مصیبت نازل ہوئی تو یہ خود ان کا اپنا قصور ہوگا اور خداوند عالم کی بارگاہ میں بھی ان کا اجر و ثواب محو ہو جائے گا۔

ایک طرف سے حکام اور درباری ملاؤں کی جانب سے یہ تلقین اور دوسری طرف سے عوام کی جہالت و لاعلمی اور فقر و تنگدستی اس بات کا سبب ہوئی کہ عوام کی جانب سے ظالمانہ اور غیر قانونی نظاموں و حکومتوں کے خلاف کم سے کمتر آوازیں یا تحریکیں اٹھیں، نتیجہ میں ظلم و ستم کی تاریک رات طولانی سے طولانی تر ہوتی جائے، جب کہ حقائق اور عوام کی ذمہ داریاں ان باتوں کے سراسر برخلاف ہیں جو ان کے ذہنوں میں بھرائی گئی ہیں۔

ہر عہد اور ہر عصر میں مذہبی پیغمبروں کی تاریخ نے یہ بات ثابت کردی ہے کہ انبیاء خدا کی مقدس کا سب سے پہلا نشانہ وقت کے ظالم و جابر حکام و سلاطین اور معاشروں کے خود سر امراء و رؤسا رہے ہیں، بالکل یوں ہی جیسے انبیاء اور عوام پر ہر طرح کا ظلم و ستم یا حملہ ان ہی حکام و سلاطین کی طرف سے ہوا کیا ہے۔ انبیاء کرام اور میزان الٰہی ایک طے شدہ اور دقیق منصوبہ اور اس اعتقاد و یقین کے ساتھ کہ حکام عام طور سے خدا اور خلق خدا کے درمیان ایک سد راہ کی حیثیت رکھتے ہیں لہٰذا انہوں نے عوام کی حمایت کی اور اپنی ہدایتوں اور الٰہی منصوبوں کے ذریعہ انہیں ظالم و جابر حاکم طاقتوں کے خلاف متحد کیا البتہ اس راہ میں کامیابی کا تناسب زمانی و مکانی شرائط و حالات اور عوام کی فکری بلندی و پستی سے مربوط رہا ہے۔ انسانیت جس قدر فکری و اعتقادی اعتبار سے بالیدہ و ترقی یافتہ ہوئی ہے اس نے ظالم حکام اور سامراجوں کے خلاف اسی قدر بہتر اور کامیاب موقف اختیار کیا ہے اور اپنی فکری، اعتقادی و ثقافتی صلاحیت کے مطابق اس نبرد میں کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہے۔

عوام کی ذمہ داری

نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کے اقوال کے لیے بہت سے نمونے نظر آتے ہیں جن میں حکومت کے مسئلہ میں عوام کی براہ راست ذمہ داری اور حکام کے ساتھ ان کے طرز عمل کی نوعیت بیان کی گئی ہے۔

(۱)۔ امامؑ اپنے ایک بیان میں منافقین کے اوصاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اور ان خرابیوں کا ذکر کرتے ہوئے جو پیغمبر اسلامؐ کے بعد ان کے ذریعہ اسلامی معاشرہ پر وارد ہوئیں، فرماتے ہیں۔

«... ثُمَّ بَقُوا بَعْدَهُ فَتَقَرَّبُوا إِلَى أَئِمَّةِ الضَّلَالَةِ وَالدُّعَاةِ إِلَى النَّارِ بِالزُّورِ وَالْبُهْتَانِ فَوَلَّوْهُمُ الْأَعْمَالَ وَجَعَلُوهُمْ حُكَّاماً عَلَى رِقَابِ النَّاسِ فَأَكَلُوا بِهِمُ الدُّنْيَا. وَإِنَّمَا النَّاسُ مَعَ الْمُلُوكِ وَالدُّنْيَا، إِلَّا مَنْ عَصَمَ اللَّهُ»

(خطبہ/۲۱۰)

"..... پھر وہ (پیغمبر اسلامؐ) کی حیات کے بعد باقی رہے اور ضلالت و گمراہی کے رہنماؤں نیز خیانت و بہتان کے ذریعہ آگ کی طرف بلانے والوں سے جا ملے۔ تمام امور کی باگ ڈور ان کے حوالہ کردی، انہیں عوام پر زبردستی حاکم بنا دیا اور ان کے ذریعہ دنیا کو ہڑپ گئے۔ بلاشبہ عوام بادشاہوں کے ساتھ اور دنیا کے حصول میں

منہمک ہیں۔ مگر خدا جسے محفوظ رکھے۔"
جیسا کہ امام نے فرمایا: عوام اگر اپنی ابتدائی حالت پر باقی رہیں تو حکام کے مقابل، شکست خوردہ ہیں اور دنیا سے دلبستگی رکھتے ہیں اور یہ بات خود اس راہ میں رکاوٹ بنے گی کہ وہ ظالم حکام کے خلاف کوئی اقدام کر سکیں۔ اسی وجہ سے وہ ملامت و مذمت کے مستحق قرار پائے ہیں۔ یہاں عوام کے دلسوز اور درد مند رہبروں کا فریضہ ہے کہ انھیں بیدار کریں اور ان حرکتوں کے انجام سے آگاہ کریں اور یہ عوام کا فریضہ ہے کہ ان کی نصیحتوں و رہنمائیوں کا پورے وجود کے ساتھ استقبال کریں۔
(ج) ۔ خطبۂ "قاصعہ" میں امام علیہ السلام عوام کو خطاب کرتے ہوئے انھیں حکومت کے جھوٹے عہدیداروں اور ظالم حکام کی اطاعت و پیروی سے روکتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"الا فالحذر الحذر! من طاعة ساداتكم وكبرائكم الذين تكبّروا عن حسبهم وترفّعوا فوق نسبهم وألقوا الهجينة على ربّهم وجاحدوا الله على ما صنع بهم... ولا تطيعوا الأدعياء الذين شربتم بصفوكم كدرهم وخلطتم بصحتكم مرضهم وأدخلتم في حقكم باطلهم وهم أساس الفسوق وأحلاس العقوق..."

(خطبہ قاصعہ/۱۹۲)

"دیکھو! اپنے ان سرداروں اور امرا کی اطاعت و پیروی سے ڈرو جو اپنی شان و شوکت پر اکڑتے اور اپنے نسب پر غرور کرتے ہیں بری باتوں کو خدا کے سر ڈال دیتے ہیں اور اس سے تکبر لینے کے لئے اس کی نعمتوں سے سراسر انکار کر دیتے ہیں ..... دیکھو ان پست فطرت عناصر کے آگے سر تسلیم خم نہ کرو جن کا گندلا پانی تم نے اپنی فطرت کے صاف پانی کے ساتھ ملا کر پیا اور ان کی بیماری کو اپنی صحت و تندرستی کے ساتھ خلط ملط کر دیا اور ان کے باطل کو اپنے حق میں شامل کر لیا۔ یہ لوگ فسق و فجور کی بنیاد اور گناہوں کا سر چشمہ ہیں۔"
امام علیہ السلام اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے کہ تمام فساد اور خرابیوں کی جڑ یہی غلط اور فاسد حکام ہیں اور انسانوں پر آنے والی تمام مصیبتیں اور بدبختیاں انہی کے سبب ہیں۔ ایسے میں حضرت عوام الناس کی اہم اور سنگین ذمہ داریاں بیان فرماتے ہیں کہ انھیں چاہئے کہ ظالم و جابر حکام کے خلاف اٹھ کھڑے

ہوں اور سرزمین انسانیت سے فتنہ و فساد کی جڑوں کو اکھاڑ پھینکیں یہ عوام کے اختیار کی چیز ہے اور اس کی راہ الٰہی رہبروں نے مشخص و معین کر دی ہے۔

یہ صرف ایک اجتماعی و معاشرتی ذمہ داری نہیں ہے بلکہ مکتب و مذہب پروان چڑھنے والا ایک الٰہی فریضہ بھی ہے۔ حضرت امیر المومنینؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

(۳) ۔ «لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»

اللہ کی معصیت کے ساتھ مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے (کلمات قصار/۱۶۵)

جی ہاں، قرآنی صراحت کے مطابق: اطاعت صرف خدا، پیغمبر اور صاحبان امر کی ہے (اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم) 'اولی الامر' صرف وہ لوگ ہیں کہ انسانوں کے امور کی باگ ڈور خدا نے جن کے سپرد کی ہے، نہ ہر وہ شخص جو زور زبردستی کے ذریعہ غلبہ و تسلط حاصل کر لے کیونکہ ایسی اطاعت کا لازمہ خداوند عالم کی معصیت و نافرمانی ہے اور اس کا نتیجہ دین کی تباہی اور مسلمانوں سے خیانت کی شکل میں برآمد ہوتا ہے۔

غیر ذمہ دار عناصر

(۴) ۔ امام علیہ السلام ایک خط میں "عمرو ابن عاص" کو تحریر فرماتے ہیں:۔

«فَإِنَّكَ جَعَلْتَ دِيْنَكَ تَبَعاً لِدُنْيَا امْرِئٍ ظَاهِرٍ غَيُّهُ، مَهْتُوكٍ سِتْرُهُ، يَشِيْنُ الْكَرِيْمَ بِمَجْلِسِهِ وَيُسَفِّهُ الْحَلِيْمَ بِخِلْطَتِهِ فَاتَّبَعْتَ أَثَرَهُ وَطَلَبْتَ فَضْلَهُ، اتِّبَاعَ الْكَلْبِ لِلضِّرْغَامِ يَلُوْذُ بِمَخَالِبِهِ وَيَنْتَظِرُ مَا يُلْقِيْ إِلَيْهِ مِنْ فَضْلِ فَرِيْسَتِهِ فَأَذْهَبْتَ دُنْيَاكَ وَآخِرَتَكَ، وَلَوْ بِالْحَقِّ أَخَذْتَ أَدْرَكْتَ مَا طَلَبْتَ»

(خط/۳۹)

"تو نے اپنا دین ایسے شخص کی دنیا کے تابع کر دیا ہے، جس کی گمراہی آشکار اور جس کا پردہ چاک ہے۔ جس کی ہم نشینی شریف انسان کو ذلیل و خوار اور جس سے میل جول سنجیدہ و بردبار شخص کو سفیہ بنا دیتا ہے۔ پس تم اس کے پیچھے لگ گئے اور اس کے بچے کھچے ٹکڑوں کے خواہشمند ہو گئے (بالکل یوں ہی) جس طرح کتا شیر کے پیچھے ہو لیتا ہے اپنے

پنجوں کو تیز کرتا ہے اور انتظار کرتا ہے کہ وہ اپنے شکار کا کچھ بچا کھچا اس کے سامنے بھی ڈال دے۔ اس طرح تم نے اپنی دنیا و آخرت دونوں کو گنوا دیا، حالانکہ اگر تم حق کے پابند رہتے تب بھی تم اپنی حقیقی مراد کو پا لیتے۔"

عمرو ابن عاص، امت اسلام کا ایک فرد تھا۔ وہ محاذ حق پر رہ کر ایک صحیح موقف اختیار کر سکتا تھا اور اس طرح دونوں عالم میں اپنی شرافت و سربلندی کو قائم رکھ سکتا تھا، لیکن معاویہ کے جال میں پھنس گیا۔ اپنی خیانت کے ذریعہ اس کی حکومت کی مدد کی اور بہت سے انسانوں کو گمراہی کی طرف کھینچ لے گیا اور جیسا کہ امامؑ نے فرمایا کہ ایک کتے کی مانند جو ہڈی کے ایک ٹکڑے کے لئے اپنے پنجے تیز کرتا ہے، صرف اپنا پیٹ بھرنے اور شہرت طلبی کی ہوس کی تسکین کے لئے معاویہ کی عطا و بخشش کے انتظار میں بیٹھا رہا۔

امام علیہ السلام کے پرشکوہ کے اور ظالم حکام کی طرف لوگوں کے میلان پر حضرتؑ کی مذمت ایسے مکتب و مذہب کی بنیاد پر ہے جسے نظام حکومت کا محور قرار دیا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امامؑ کے کلام میں احکام و سنن الٰہی کے سلسلہ میں ہمیشہ حساسیت پائی جاتی ہے۔ حضرتؑ ایک خطبہ میں اپنے اصحاب کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

«وقد بلغتم من كرامة الله تعالى لكم منزلة تكرم بها إماؤكم،
وتوصل بها جيرانكم، ويعظمكم من لا فضل لكم عليه
ولا يد لكم عنده، ويهابكم من لا يخاف لكم سطوة ولا لكم
عليه إمرة وقد ترون عهود الله منقوضة فلا تغضبون وأنتم لنقض
ذمم آبائكم تأنفون! وكانت أمور الله عليكم ترد، وعنكم
تصدر، وإليكم ترجع، فمكنتم الظلمة من منزلتكم وألقيتم
إليهم أزمتكم، وأسلمتم أمور الله في أيديهم، يعملون
بالشبهات، ويسيرون في الشهوات، وايم الله لو فرقوكم تحت
كل كوكب، لجمعكم الله لشر يوم لهم!»

(خطبہ/۱۰۵)

"تم خدا کے فضل و کرم کے سایہ میں ایسے مرتبہ پر پہنچ گئے کہ تمہاری کنیزیں بھی محترم ہو گئیں اور تمہارے پڑوسیوں سے بھی اچھا برتاؤ کیا جانے لگا۔ وہ لوگ بھی تمہاری

تعظیم کرنے لگے جن پر نہ تمہیں کوئی فضیلت تھی اور نہ تمہارا ان پر کوئی احسان تھا اور وہ بھی تم سے دہشت کھانے لگے جن پر تمہارا کوئی تسلط نہیں ہے۔ اور یقیناً تم دیکھ رہے ہو کہ اللہ کے عہد و پیمان توڑے جا رہے ہیں اور تم غیظ میں نہیں آتے۔ حالانکہ تم اپنے آبا و اجداد کے قائم کردہ رسم و رواج کے ٹوٹنے پر بھڑک اٹھتے ہو۔ بلاشبہ اب تک دینِ خدا کے امور تمہارے ہی سامنے پیش ہوتے ہیں اور تمہارے ہی ذریعہ (اس کے احکام) صادر ہوتے ہیں اور تمہاری ہی طرف پھر کر آتے ہیں۔ پس یہ تم ہو کہ تم نے اپنی منزلت اور اپنا مرتبہ ظالموں کے حوالہ کر دیا۔ اپنی باگ ڈور انہیں تھما دی اور اللہ کے امور ان کے سپرد کر دیئے تاکہ وہ شبہوں اور بدعمل پر عمل کریں اور اپنی ہوا و ہوس میں غوطہ زن رہیں۔ خدا کی قسم اگر وہ تمہیں ستاروں کے نیچے بکھیر دیں، پھر بھی خداوند عالم تمہیں اس برے دن کے لئے ضرور جمع کرے گا جو ان کے لئے بہت برا دن ہوگا۔"

اس کلام کے بنیادی نکتے

(الف) اس مذہبی گروہ نے اپنی دیانت و وجاہت اور شرافت و عظمت اسلام سے حاصل کی اور وہ بھی یہاں تک کہ ان کی کنیزیں اور ان کے حوالی موالی بھی قابل احترام ہو گئے۔ کیا یہ لوگ اپنے منعم حقیقی کے سامنے کسی ذمہ داری کا احساس نہیں کرتے؟ کیا یہ کفرانِ نعمت نہیں ہے کہ آدمی اپنے دین اور اس کے اعلیٰ اقدار کے سایہ میں — جو بڑی سنگین قیمتیں چکانے کے بعد حاصل ہوتے ہیں — بلند مقامات حاصل کرے اور ایک بالکل احمقانہ و ظالمانہ سودے بازی کے تحت ظالموں کی ہمنشینی اختیار کرے اور بہت ہی حقیر مادی قیمت کے عوض اپنے تمام معنوی ذخائر دشمن کے حوالہ کر دے؟ آیا اس طرح کے لوگ جو ظالموں کے نزدیک قربت حاصل کر کے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں، کیا انہوں نے خدا کی بارگاہ میں اس کے سنگین انجام کے سلسلہ میں بھی سوچ رکھا ہے؟....

(ب) معاشرہ میں ایسے لائق اور باصلاحیت افراد موجود ہیں جو اپنی علمی صلاحیت، درایت

اور اجتماعی استحکام کی بدولت معاشرہ کے سیاسی امور کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے سکتے ہیں نیز غاصبوں سے ان کے اختیارات سلب کرکے دین کی حفاظت، مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی اور اپنی ایمانی شخصیت کو دوبارہ زندہ کر سکتے ہیں۔ ایسے افراد میں سر فہرست علماء مذہبی رہبر اور علم و حدیث کے امانت دار ہیں اور ذمہ داری سب سے پہلے ان افراد پر عائد ہوتی ہے۔ امامؑ کے کلام میں موجود تعبیرات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا خطاب اور توبیخ بھی ان ہی لوگوں کے لئے ہے۔ ان کا کردار معاشرہ میں معمولی اہمیت نہیں رکھتا۔ انسانی گروہ ان ہی کے ساتھ ساتھ حرکت میں آتا ہے۔ اب اس اہمیت کے پیش نظر اپنی اصلی ذمہ داری سے دور رہنے کا کیا سبب ہو سکتا ہے؟ ....

(ج)۔ یہ سنت الٰہیہ رہی ہے کہ ظالموں کے مددگار اپنا انجام دیکھیں اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ظالم سلاطین و حکام کے ذریعہ انھیں یہ سزا بھگتنا پڑتی ہے۔ یعنی جب وہ طاقت میں آجائیں گے تو کسی پر رحم نہیں کریں گے۔ نتیجہ میں وہ کاندھے جو ظالموں کے تخت و تاج اٹھائے ہوئے ہیں، ان کے ظلم اور خیانتوں کا بوجھ ضرور محسوس کریں گے۔ امامؑ کا کلام اس صورت حال کے لئے ایک تنبیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(د)۔ ظالم و جابر حکام کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہونا اور ان سے امر و نہی کرنا وہ عظیم ترین عبادت ہے جسے ایک باایمان شخص انجام دیتا ہے۔ اور اگر وہ اس راہ میں قتل کر دیا جائے تو شہید ہے اور (خدا کی بارگاہ میں) عظیم درجات و مراتب پر فائز ہے۔

ظالم حکام کا سامنا

امامؑ اپنے کلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے مدارج و مراتب کے ذکر کے ذیل میں یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ ان دونوں اعمال کے مقابل تمام اعمال صالحہ گویا دریا کے مقابل قطرہ کے مانند ہیں۔ آخر میں حضرتؑ فرماتے ہیں:

«وَأَفْضَلُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهِ كَلِمَةُ عَدْلٍ عِنْدَ إِمَامٍ جَائِرٍ»

(کلمات قصار/ ۳۷۴)

"اور ان سب سے بڑھ کر ظالم ستم گر حاکم کے سامنے عدل و انصاف کی باتیں کہنا ہے۔"

اور پھر اسی سلسلہ میں مومنین کو ایک عظیم فریضہ یعنی ظلم و جارحیت سے مقابلہ یہاں تک کہ

اسلحہ ہاتھ میں لے کر ستمگاروں سے جنگ کرنے کی دعوت دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

«أَيُّهَا الْمُؤْمِنُونَ! إِنَّهُ مَنْ رَأَى عُدْوَاناً يُعْمَلُ بِهِ وَمُنْكَراً يُدْعَى إِلَيْهِ
فَأَنْكَرَهُ بِقَلْبِهِ فَقَدْ سَلِمَ وَبَرِئَ، وَمَنْ أَنْكَرَهُ بِلِسَانِهِ
فَقَدْ أُجِرَ، وَهُوَ أَفْضَلُ مِنْ صَاحِبِهِ، وَمَنْ أَنْكَرَهُ بِالسَّيْفِ لِتَكُونَ
كَلِمَةُ اللهِ هِيَ الْعُلْيَا وَكَلِمَةُ الظَّالِمِينَ هِيَ السُّفْلَى، فَذلِكَ
الَّذِي أَصَابَ سَبِيلَ الْهُدَى، وَقَامَ عَلَى الطَّرِيقِ، وَنَوَّرَ فِي قَلْبِهِ
الْيَقِينُ.»

(کلمات قصار/۳۷۳)

"اے اہل ایمان! جو شخص دیکھے کہ ظلم و جارحیت پر عمل ہو رہا ہے اور برائی کی طرف دعوت دی جا رہی ہے اور دل سے اسے برا سمجھے تو وہ (عذاب سے) محفوظ اور (گناہ سے) بری ہو گیا ہے۔ اور جو زبان سے بھی اس کی مخالفت کرے وہ اجر کا سزاوار اور پہلے والے سے افضل ہے۔ اور جو شخص تلوار لے کر اس کی مخالفت کے لئے اٹھے تاکہ اللہ کا بول بالا اور ظالموں کی بات پست ہو جائے تو یہی وہ شخص ہے جس نے راہ ہدایت کو صحیح طور پر پا لیا، اس راہ میں استقامت کے ساتھ ڈٹا رہا اور اپنے دل کو یقین کے نور سے روشن کر دیا۔"

حضرت اپنی ایک نصیحت میں اس نکتہ کی یاد دہانی کرتے ہوئے کہ غلط کاریوں، بدعتوں اور مظالم کے خلاف لاپروا رہنا اور راہ خدا میں جہاد سے پیچھے ہٹنا انسان کے مسخ ہونے، اس کے قلب کی دگرگونی نیز فکری گمراہی کا سبب بنے گا، حضرت فرماتے ہیں :-

«عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَمِيرَالْمُؤْمِنِينَ ـ عليه السلام ـ
يَقُولُ: أَوَّلُ مَا تُغْلَبُونَ عَلَيْهِ مِنَ الْجِهَادِ، الْجِهَادُ بِأَيْدِيكُمْ، ثُمَّ
بِأَلْسِنَتِكُمْ، ثُمَّ بِقُلُوبِكُمْ، فَمَنْ لَمْ يَعْرِفْ بِقَلْبِهِ مَعْرُوفاً وَلَمْ يُنْكِرْ
مُنْكَراً قُلِبَ، فَجُعِلَ أَعْلاَهُ أَسْفَلَهُ وَأَسْفَلُهُ أَعْلاَهُ»

(کلمات قصار/۳۷۶)

"ابی جحیفہ کہتے ہیں کہ میں نے امیرالمومنین سے سنا، آپ فرماتے تھے۔ جہاد کا پہلا مرحلہ جس میں تم مغلوب ہو جاؤ گے وہ ہاتھ کا جہاد ہے۔ اس کے بعد زبان کا جہاد ہے، پھر قلب کا جہاد ہے، پس جس نے نیک اعمال کو دل سے اچھا نہیں جانا اور برے اعمال کو دل سے برا نہیں سمجھا تو اس کا دل الٹ

ہو گیا ہے اور اس کی بلندیاں پستیوں میں اور پستیاں بلندیوں میں تبدیل کر دی گئی ہیں۔"

ایک قوم و ملت کے لئے سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ وہ رہبروں اور حکام کے سلسلہ میں صحیح توقف اختیار کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو۔ یہ المیہ اپنی بدترین شکل میں تاریخ اسلام کے نشیب و فراز میں اکثر سامنے آیا ہے۔ مختلف سیاسی چہرے اور حکومتیں وجود میں آئیں، مثلاً بنی امیہ، بنی عباس وغیرہ اور یہ اس وقت تھا جب ان حادثات کے دوران ایسے صالح افراد بھی موجود تھے جو معاشرہ میں غربت و بے یاوری کی زندگی بسر کرتے تھے اور اس امت کی مصیبت کے سخت ترین ایام کا نظارہ کیا کرتے تھے معاویہ کی مکارانہ حکومت کے مقابلہ میں عدل و پاکیزگی اور صداقت و لیاقت کی مظہر، علوی حکومت کا انجام ان ہی حادثات کی ایک کڑی ہے۔

بیوفائیوں کا شکوہ

امام علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں مختلف موقعوں پر اس روش کی طرف اشارہ فرمایا اور بڑے رنج و الم کے ساتھ لوگوں کی بیوفائی اور حق ناشناسی کی شکایت کی ہے۔ منجملہ حضرت اپنے ایک خطبہ میں "حکمیت" کے قضیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

«ما أنتم بوثيقة يُعلَقُ بها ولا زوافرِ عزٍّ يُعتصَمُ إليها. لبئس حُشّاشُ نارِ الحربِ أنتم. أفٍّ لكم! لقد لقيتُ منكم برحاً يوماً أناديكم ويوماً أناجيكم، فلا أحرارُ صدقٍ عند النداء ولا إخوانُ ثقةٍ عند النجاء»

(خطبہ/۱۲۵)

"نہ تم پر وثوق و اطمینان کیا جا سکتا ہے اور نہ تمہاری مدد پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ اے جنگ کی آگ بھڑکانے والو! تم نے کتنا برا عمل انجام دیا! اُف ہو تم پر! مجھے تم سے کتنی تکلیفیں اٹھانی پڑی ہیں۔ میں نے ایک دن تم سے بلند آواز میں بات کی اور ایک دن رازگوئی کے انداز سے تمہیں سمجھایا۔ لیکن نہ تم بلند آواز کے دن سچے آزاد مرد رہے اور نہ رازگوئی کے دن قابل اعتماد بھائی۔"

ایک دوسرے خطبہ میں اپنے اصحاب کی مذمت کرتے ہوئے کہ انہوں نے اپنے امام سے رسم وفا نہیں نبھائی اور اپنا عہد توڑ ڈالا، فرماتے ہیں:-

«أيّها النّاسُ الشّاهِدةُ أبدانُهم الغائبةُ عقولهم المُختلفةِ أهواؤُهم، المُبتلى بِهِمْ أمراؤُهم. صاحِبُكُمْ يُطيعُ اللهَ وأنتم تعصُونَهُ، وصاحِبُ أهلِ الشّامِ يَعصي اللهَ وهُم يُطيعُونَهُ، لَوَدِدْتُ أنَّ مُعاوِيةَ صارَفَني بِكُمْ صَرْفَ الدِّينارِ بالدِّرهمِ فأخَذَ مِنّي عَشَرةً وأعطاني رَجُلاً مِنْهُم»

(خطبہ/۹۷)

"اے وہ لوگو کہ تمہارے جسم حاضر ہیں اور تمہاری عقلیں غائب ہیں، تمہاری آرزوئیں گوناگوں ہیں۔ تمہارے رہبر تمہارے ہاتھوں میں گرفتار ہو گئے ہیں۔ تمہارا امیر خدا کے فرمان کے آگے سر جھکائے ہے اور تم اس کے فرمان سے سرتابی کرتے ہو۔ جبکہ شامیوں کا امیر خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور وہ لوگ اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ اچھا ہوتا اگر معاویہ تم میں سے دس مجھ سے لے لیتا اور بدلے میں اپنے ساتھیوں میں سے ایک آدمی میرے حوالے کر دیتا۔ جس طرح دینار کا تبادلہ درہموں سے ہوتا ہے۔"

جب حضرت نے سنا کہ معاویہ کا لشکر "بسر ابن ارطاۃ" جیسے سفاک کی سپہ سالاری میں شہروں پر حملہ آور ہو رہا ہے اور ان پر قابض ہو گیا ہے تو آپ نے اہل کوفہ کی سخت تنبیہ و توبیخ کی اور ایک خطبہ کے ذیل میں انہیں یوں خطاب فرمایا:-

«أُنبِئتُ أنَّ بُسراً قَدِ اطّلَعَ اليَمَنَ وإنّي لَأظُنُّ أنَّ هؤلاءِ القومَ سَيُدالُونَ مِنكُم باجتِماعِهِم على باطِلِهِم وتَفَرُّقِكُم عن حَقِّكُم، وبِمَعصِيَتِكُمْ إمامَكُم في الحَقِّ وطاعَتِهِم إمامَهُم في الباطِلِ وبِأدائِهِمُ الأمانةَ إلى صاحِبِهِم وخِيانَتِكُم، وبِصَلاحِهِم في بِلادِهِم وفَسادِكُم.

(خطبہ/۲۵)

مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ بسر یمن پر حملہ آور ہوا اور اس پر قابض ہو گیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے یہ گمان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ تمہارے ہاتھوں سے حکومت چھین لیں گے۔ اس کی وج

یہ ہے کہ وہ اپنے باطل میں متحد ہیں اور تم اپنے حق میں متفرق ہو۔ تم اپنے امام برحق کی معصیت و نافرمانی کرتے ہو اور وہ اپنے گمراہ حکم کی اطاعت و پیروی کرتے ہیں! وہ اپنے غیر صالح رہبر کے حکم پر امانت داری سے عمل کرتے ہیں اور تم اپنے صالح رہبر کے ساتھ خیانت کرتے ہو، وہ اپنے شہروں کو ترقی دے رہے ہیں اور تم فساد میں مبتلا ہو۔"

سچے ناصر کہاں ہیں

امام کے اردگرد رہنے والے اکثر افراد کا حال یہی تھا۔ البتہ ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے حضرت کے ساتھ پیمان وفا باندھ رکھا تھا اور آپ کی محبت نیز حق کی راہ میں سر دھڑ کی بازی لگا دی امام انھیں افسوس کے ساتھ یاد فرماتے ہیں اور ان کے فراق میں اپنے غم و اندوہ کا اظہار یوں فرماتے ہیں:۔

«أَيْنَ إِخْوَانِيَ الَّذِينَ رَكِبُوا الطَّرِيقَ وَمَضَوْا عَلَى الْحَقِّ، أَيْنَ عَمَّارٌ، أَيْنَ ابْنُ التَّيِّهَانِ، أَيْنَ ذُوالشَّهَادَتَيْنِ، وَأَيْنَ نُظَرَاؤُهُمْ مِنْ إِخْوَانِهِمُ الَّذِينَ تَعَاقَدُوا عَلَى الْمَنِيَّةِ وَأُبْرِدَ بِرُؤُوسِهِمْ إِلَى الْفَجَرَةِ»

(خطبہ/۱۸۲)

"میرے وہ بھائی کہاں ہیں جنھوں نے خدا کی راہ طے کی اور حق کی راہ پر چلتے رہے؟ عمار کہاں ہیں؟ (مالک) ابن ابی التیہان کہاں ہیں؟ (خزیمہ) ذوالشہادتین کہاں ہیں؟ اور ان کے جیسے افراد کہاں ہیں؟ وہ بھائی جنھوں نے شہادت سے پیمان باندھا اور جن کے سر ظالموں و تباہ کاروں کے پاس لے جائے گئے؟"

حدیث کے راوی "نوف بکالی" کہتے ہیں کہ امام غم و الم کی شدت سے اپنے رخساروں پر ہاتھ مارتے تھے اور بلند آواز سے گریہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:۔

«أَوِّهِ عَلَى إِخْوَانِيَ الَّذِينَ تَلَوُا الْقُرْآنَ فَأَحْكَمُوهُ وَتَدَبَّرُوا الْفَرْضَ فَأَقَامُوهُ، أَحْيَوُا السُّنَّةَ وَأَمَاتُوا الْبِدْعَةَ، دُعُوا لِلْجِهَادِ فَأَجَابُوا، وَوَثِقُوا بِالْقَائِدِ فَاتَّبَعُوهُ»

افسوس میرے ان بھائیوں پر! جنھوں نے قرآن کی تلاوت کی اور اس کے احکام کو استحکام دینے کی کوشش کی۔ واجبات پر غور کیا اور انھیں قائم کرنے میں کوشاں رہے۔ جنھوں نے سنتوں کو زندہ کیا اور بدعتوں کا خاتمہ کیا۔ جہاد کے لئے بلائے گئے تو انہوں نے لبیک کہی۔ اپنے رہبر سے دلی طور پر وابستہ رہے اور اس کی اطاعت پر پوری طرح کمربستہ رہے۔"

ایک دوسری جگہ جہاں حضرتؑ نے بیعت کے سلسلہ میں بات کی ہے وہاں لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے:۔

«أَيُّهَا النَّاسُ أَعِينُونِي عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ وَايْمُ اللهِ لَأُنْصِفَنَّ الْمَظْلُومَ مِنْ ظَالِمِهِ وَلَأَقُودَنَّ الظَّالِمَ بِخِزَامَتِهِ حَتَّىٰ أُورِدَهُ مَنْهَلَ الْحَقِّ وَإِنْ كَانَ كَارِهاً»

(باب خطب/کلام ۱۳۶)

"اے لوگو! اپنی بھلائی اور مصلحت کے سلسلہ میں میری مدد کرو۔ خدا کی قسم میں ہر مظلوم کا حق اس کے ظالم سے لے کر رہوں گا اور ظالم کی ناک میں نکیل ڈال کر اسے سرچشمۂ حق تک لے آؤں گا، چاہے اسے برا ہی کیوں نہ لگے۔"

تاریخ حق کے موڑ پر سے عوام کا پیچھے ہٹنا اور اپنے رہبر سے قطع تعلق کرنا ایک طرف انھیں ذلت و بدبختی کی طرف کھینچ لے جاتا ہے اور دوسری طرف قیادت و رہبری کی راہ میں دیوار بن جاتا ہے نیز صاحبان نظر کی حکیمانہ رائے کو بے قیمت و بے اعتبار بنا دیتا ہے۔ امید کی کرن، یاس کی تاریکیوں میں گم کر دیتا ہے۔ حضرت علیؑ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں "جس کی اطاعت نہ کی جائے اس کی رائے کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔"

«وَلٰكِنْ لَا رَأْيَ لِمَنْ لَا يُطَاعُ»

(خطبہ/۲۷)

اور ایک خطبہ میں جسے آپ نے "صفین" کے واقعہ اور مسئلہ "حکمیت" کے بعد ارشاد فرمایا ہے:۔

«أَمَّا بَعْدُ، فَإِنَّ مَعْصِيَةَ النَّاصِحِ الشَّفِيقِ الْعَالِمِ الْمُجَرِّبِ تُورِثُ الْحَسْرَةَ، وَتُعْقِبُ النَّدَامَةَ وَقَدْ كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ فِي هٰذِهِ

الْحَسْرَةَ وَتُعْقِبُ النَّدَامَةَ... الْمُجَرِّبِ تُورِثُ الْحَسْرَةَ، وَقَدْ كُنْتُ أَمَرْتُكُمْ فِي هٰذِهِ الْحُكُومَةِ أَمْرِي وَنَخَلْتُ لَكُمْ مَخْزُونَ رَأْيِي، لَوْ كَانَ يُطَاعُ لِقَصِيرٍ أَمْرٌ[۱] فَأَبَيْتُمْ عَلَيَّ إِبَاءَ الْمُخَالِفِينَ الْجُفَاةِ وَالْمُنَابِذِينَ الْعُصَاةِ، حَتَّى ارْتَابَ النَّاصِحُ بِنُصْحِهِ وَضَنَّ الزَّنْدُ بِقَدْحِهِ»

"تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ خیر خواہ باخبر اور تجربہ کار ناصح کی مخالفت کا نتیجہ حسرت و اندوہ کی شکل میں برآمد ہوتا ہے میں نے "اس تحکیم" کے سلسلہ میں تمہیں اپنا حکم سنا دیا تھا اور اپنی رائے کا نچوڑ تمہارے سامنے رکھ دیا تھا لیکن کان ہی کون دھرتا ہے بلکہ تم نے جفا کار مخالفوں اور عہد شکن نافرمانوں کے مانند مجھ سے منھ پھیر لیا، یہاں تک کہ خود ناصح اپنی نصیحت کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور طبیعت اس چقماق کی طرح بجھ کر رہ گئی جیسے چنگاری نکلنا بند ہو گئی ہو۔"

بے توجہی کا انجام

اپنے اصحاب کی عہد شکنی کے سلسلہ میں حضرت ایک خطبہ کے تحت ان کی بے توجہی کے انجام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :۔

«أَمَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَيَظْهَرَنَّ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ عَلَيْكُمْ، لَيْسَ لِأَنَّهُمْ أَوْلَى بِالْحَقِّ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لِإِسْرَاعِهِمْ إِلَى بَاطِلِ صَاحِبِهِمْ وَإِبْطَائِكُمْ عَنْ حَقِّي، وَلَقَدْ أَصْبَحَتِ الْأُمَمُ تَخَافُ ظُلْمَ رُعَاتِهَا وَأَصْبَحْتُ أَخَافُ ظُلْمَ رَعِيَّتِي»

(خطبہ/۹۷)

اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ قوم (معاویہ کے اصحاب) تم پر کامیاب

---

[۱] "لو كان يطاع لقصير امر" یعنی اے کاش قصیر کا حکم مان لیا جاتا۔ یہ عرب کی ایک مشہور مثل ہے۔ "قصیر" اصل میں "جزیمہ" نامی ایک شخص کا غلام تھا جس نے ایک سازش کے سلسلہ میں "جزیمہ" کو نصیحت کی تھی لیکن اس نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہیں دی اور آخر کار "جزیمہ" قتل کر دیا گیا۔ امام نے اس مثل کا ذکر کرتے ہوئے اشارہ فرمایا ہے کہ لوگوں نے ان کی باتوں پر کان نہیں دھرا اور اب اس کا انجام بھگت رہے ہیں۔ لیکن اب بہت دیر ہو چکی ہے۔

ہو جائے گی۔ اس لئے نہیں کہ یہ لوگ حق کی نسبت تم سے زیادہ نزدیک ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے باطل کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں اور تم اپنے حق کے سلسلہ میں سستی دکھاتے ہو۔ بلاشبہ قومیں اپنے حکام کے ظلم و ستم سے ڈرتی ہیں لیکن میں اپنی رعایا کے ظلم سے خوف زدہ ہوں!"

درد میں ڈوبے ہوئے اس طرح کے شکوے جن کا صرف ایک حصہ ہم نے یہاں ذکر کیا ہے، نہج البلاغہ میں بہت ہیں اور یہ سب اس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ہر چند کہ معاشرہ کے امور کی باگ ڈور کسی صالح و لائق رہبر کے ہاتھوں میں ہو اور اس سلسلہ میں معاشرہ کو کسی قسم کی مشکل درپیش نہ ہو لیکن اگر عوام رہبر کا ساتھ نہ دیں اور اس کے ساتھ تعاون نہ کریں تو بڑی مشکل پیش آئے گی۔ اگرچہ دوست و دشمن، اپنے اور بیگانے سب اس بات پر گواہ ہیں کہ انسانی حکومتوں کی تاریخ میں علوی حکومت جیسی کوئی حکومت زمانہ کی نگاہوں سے نہیں گزری، لیکن ساتھ ہی حضرت علیؑ کی مظلومیت کے مانند کوئی اور مظلومیت بھی تاریخ میں نظر نہیں آتی! اس حادثہ کا راز اور وجہ صرف یہ تھی کہ عوام بزدل اور بلا ارادہ تھے اور آسانی سے دوسروں کے ہاتھوں کا کھلونا بن جاتے تھے۔

اس طرح کے تاریخی واقعات ایسی چیز نہیں ہیں جن کے اثرات و نتائج کسی ایک مخصوص نسل یا مخصوص زمانہ میں محدود ہو کر رہ جائیں۔ یہ تمام انسانوں کا مقدر ہے۔ دنیا کو خاص طور سے امت اسلام کو ان حادثات سے سبق لینا چاہئے کیونکہ تاریخ انسانیت کی عظیم ترین معلم ہے۔

چودھواں باب

عدل، اسلام کے سیاسی نظام میں

سماجی انصاف کو اسلامی حکومت کی تشکیل کا سب سے بڑا مقصود سمجھا جا سکتا ہے انبیائے کرام کی بعثت اور ادیان کی آمد انسانی نظام حیات میں وسیع پیمانہ پر اسی قسط و عدل کو محقق کرنے کے لئے عمل میں آئی ہے (لیقوم الناس بالقسط) بنیادی طور پر کوئی قوم یا مکتب فکر سماجی انصاف کو نظر انداز نہیں کر سکتا حتیٰ وہ تنظیمیں اور حکومتیں جن کے عمل کی بنیاد ہی ظلم و فساد پر ہے قوموں کو فریب دینے کے لئے ریاکارانہ انداز میں سماجی انصاف کے نام سے غلط فائدہ اٹھاتی ہیں غلط تعبیر یا غلط استفادہ سے قطع نظر یہ بات یقینی ہے کہ سماجی انصاف براہ راست قوموں اور حکومتوں کی بقا سے جڑا ہوا ہے یہاں تک کہ پیغمبر اسلامؐ سے یہ حدیث نقل ہوئی ہے (الملک یبقیٰ مع الکفر ولا یبقیٰ مع الظلم) ملک کفر کے ساتھ تو باقی رہ سکتا ہے لیکن ظلم کے ہمراہ باقی نہیں رہ سکتا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ نظام ہستی عدل کی بنیاد پر استوار ہے حدیث مشہور ہے کہ (بالعدل قامت السمٰوات والارض) عدل کی بنیاد پر زمین و آسمان برقرار ہیں اور قرآنی آیات کی تعبیر میں: میزان جیسے دوسرے لفظوں میں عدل کہتے ہیں ایک طرف تو کائنات اور پورے نظام ہستی پر حاکم ہے (والسماء رفعہا و وضع المیزان) اور دوسری طرف

لئے انسانی حیات کے نظام پر حکمراں ہونا چاہیئے تاکہ وہ عدالت کے دائرہ سے خارج نہ ہو (الاّ تطغوا فی المیزان)

مذکورہ اجمال کے پیش نظر اس اہم اور حیاتی مسئلہ میں انسانوں کی فکر و عمل کے واقعی و حقیقی میزان حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کا نقطۂ نظر عدالت کا نمایاں ترین نمونہ اور قوم و حکومت کے عادلانہ رابطہ کا عنوان بن سکتا ہے، ان کے لئے بھی جو علیؑ کو امام معصوم اور انسانوں میں رسولؐ خدا کے بعد سب سے زیادہ عادل اور صاحب علم جانتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے بھی جو ان کو ایک انسان کامل وارستہ عادل خلیفہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور حکومت کو تاریخ اسلام کی سب سے زیادہ عادل حکومت کے عنوان سے قبول کرتے ہیں اس منزل پر حتّیٰ غیر مسلمان اہل نظر اور اہل قلم چاہے وہ عیسائی ہوں یا دہریے ان کے فضائل و کمالات سے صرف نظر نہیں کر پائے ہیں اور اس سلسلے میں انہوں نے کتابیں بھی لکھی ہیں "جارج جرداق" عیسائی جس نے "الامام علیؑ صوت العدالۃ الانسانیہ" نامی کتاب لکھی ہے، علیؑ کو "انسانی عدالت کی آواز" کے عنوان سے یاد کرتا ہے۔

بہرحال اب یہاں ہم اجتماعی مسائل کے سلسلہ میں اس رہبر حق و عدالت کے چند اقوال، نظریات اور ہدایت پیش کر رہے ہیں جس میں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اجتماعی عدالت سے متعلق حکومت کی کیا ذمہ داری ہے۔ یہاں ذیل میں چند مطالب کی تشریح کی جاتی ہے۔

۱۔ عدالت کا مفہوم اور اس کی بنیاد

۲۔ امام کے اقوال میں عدالت کے پہلو

۳۔ عدالت کے اجراء میں حکومت کی ذمہ داری

عدالت کا مفہوم

امامؑ نے عدالت کے سلسلہ میں جو کچھ فرمایا ہے اسے اس لفظ کی کامل و جامع تعریف کہا جا سکتا ہے۔

«سُئل علیہ السلام: اَیُّمَا اَفْضَلُ: اَلْعَدْلُ اَوِ الْجُوْدُ؟ فقال(ع): اَلْعَدْلُ یَضَعُ الْاُمُوْرَ مَوَاضِعَهَا وَالْجُوْدُ یُخْرِجُهَا مِنْ جِهَتِهَا، وَالْعَدْلُ

سَائِسٌ عامٌّ وَالْجُوْدُ عارِضٌ خاصٌّ. فَالعَدْلُ اَشْرَفُهُما وَاَفْضَلُهُما.»

آپ سے سوال کیا گیا کہ عدل اور جود و سخا میں سے کون افضل ہے، فرمایا عدل امور کو ان کی اپنی جگہ پر برقرار کرتا ہے لیکن سخاوت امور کو ان کی اپنی جہت سے خارج کر دیتی ہے، عدل ایک عام اور وسیع سیاست گر ہے لیکن سخاوت کا اثر محدود ہے اس لئے عدل جود و سخاوت سے افضل ہے۔

یہ تعریف عدل کی وہی مشہور تعریف ہے یعنی «وضع کل شیئ فی ما وضع لہ» مولانا روم عدل کی تعریف میں کہتے ہیں:

عدل چہ بود؟ وضع اندر موضعش ظلم چہ بود؟ وضع در نا موضعش

عدل چہ بود؟ آب دہ اشجار را ظلم چہ بود؟ آب دادن خار را

انسانی معاشرہ میں افراد مختلف نوعیت کے ہیں، ان کی صلاحیتیں، لیاقتیں، استعداد، قدریں علمی حیثیت، فضیلت، ایمان، اخلاق، کردار وغیرہ میں باہم فرق ہے۔ مختلف میدانوں میں انسانی حقوق ان میں اقدار کی بنیاد پر معین کیئے جاتے ہیں۔ اگر یہ قدریں درست ہوئیں اور ہر شخص کو اس کی اپنی صلاحیت کے مطابق وہ حقوق مل گئے جن کا وہ مستحق تھا تو گویا سماجی انصاف برقرار ہے لیکن اگر اجتماعی مراتب اور بنیادوں کو معاشرہ کے حقیقی معیار معین نہ کریں تو یہ وہی ظلم ہے جو معاشرہ کے نظام کو درہم برہم کر دیتا ہے۔

امامؑ نے عدل و سخاوت کے موازنہ میں عدل کو ترجیح دیتے ہوئے یہ استدلال فرمایا ہے کہ جود و سخا اگرچہ پسندیدہ اور قابل ستائش عادت ہے لیکن ہر جگہ یہ سخاوت مؤثر نہیں ہوتی اور نہ ہمیشہ بخشش کی صفت سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بخشش و سخاوت معاشرہ میں نظام عدالت کے درہم برہم ہونے کا سبب بنتی ہے۔ بعض افراد کے حق میں جود و سخاوت سے کام لینا بعض افراد کا حق غصب ہونے کا باعث ہوتا ہے۔ لیکن عدل ایسا نہیں ہے اگر ہر انسان کو اس کا واقعی و حقیقی حق دے دیا جائے تو کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہوتا اور نہ کسی کا حق ضائع ہوتا ہے لہٰذا عدل سیاست میں معاشرہ میں، حکم و قانون میں، فیصلہ میں حقوق مالی اور سزا وغیرہ کے مسائل میں ایک ایسا عمومی محور ہے جس کے پرتو میں سب امان محسوس کرتے ہیں اور اپنے حقوق ضائع ہونے سے متعلق وحشت و اضطراب کا احساس نہیں کرتے

ایک اور جگہ آیہ کریمہ "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان" کی تفسیر میں عدل کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "العدل الانصاف والاحسان التفضل" (کلمات قصار/۲۳۱)
عدل کا مطلب ہے انصاف کرنا اور احسان کا مطلب ہے بخشش کرنا۔"

عدل کی اساسی بنیاد

اس میں شک نہیں کہ ہر شخص خاص طور سے اگر وہ اقتدار کی کرسی پر بیٹھا ہو عدل کا مدعی ہے لیکن ان میں سے کون سچا ہے اس کا معیار کیا ہے؟ کون عدالت پسندی کا دعویٰ کرسکتا ہے جس کی بات حجت ہو؟ اصولاً عدل کہاں سے سرچشمہ حاصل کرتا ہے؟ اس کی نمود انسان کی باطن سے ہے یا اس کے وجود کے باہر سے؟

ان تمام سوالات کا صرف ایک جواب ہے۔ اور وہ یہ کہ: عدل انسان کے باطن سے نمود حاصل کرتا ہے اور اس کا سرچشمہ صرف ایمان ہے اور دوسری شاخیں یا فرعیں اسی اصل سے نکلی ہیں امام اس سلسلہ میں اپنی خلافت کے اوائل میں اپنے ایک خطبہ کے دوران ایک مختصر لیکن بہت پر معنیٰ جامع جملہ ارشاد فرماتے ہیں:

"وشد بالاخلاص والتوحید حقوق المسلمین فی معاقدھا" (خطبہ/۱۶۷)
خداوند عالم نے مسلمانوں کے مقررہ حقوق کو اخلاص و توحید کی بنیاد پر استوار کیا ہے۔
اور ایک خطبہ میں متقیوں کی مدح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"قد الزم نفسہ العدل فکان اول عدلہ نفی الھوی عن نفسہ" (خطبہ/۸۷)
"یعنی انسان نے تقویٰ کے ذریعہ اپنے نفس پر عدل کو لازم قرار دیا اور اس کی عدالت کا پہلا قدم یہ ہے کہ اس نے ہوائے نفس کو اپنے آپ سے دور کیا۔"

ایک موقع پر جب آپ سے ایمان کی تعریف بیان کرنے کی درخواست کی گئی تو آپ نے ایک قیمتی اور جامع ارشاد میں ایمان کے چار اصول شمار کئے "صبر، یقین، عدل، اور جہاد"، اور عدل کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

"وَالْعَدْلُ مِنْهَا عَلَىٰ أَرْبَعِ شُعَبٍ: عَلَىٰ غَائِصِ الْفَهْمِ وَغَوْرِ الْعِلْمِ وَزُهْرَةِ الْحُكْمِ وَرَسَاخَةِ الْحِلْمِ فَمَنْ فَهِمَ عَلِمَ غَوْرَ الْعِلْمِ وَمَنْ عَلِمَ غَوْرَ الْعِلْمِ صَدَرَ عَنْ شَرَائِعِ الْحُكْمِ وَمَنْ حَلُمَ لَمْ يُفَرِّطْ فِي أَمْرِهِ

وعاش فی النّاسِ حمیداً»

«عدل کے چار شعبے ہیں۔ بات کی تہہ تک پہنچنے والی فکر، علم کی گہرائی، بہترین اور اچھا فیصلہ اور حکم کی پائیداری پس جس نے غور و فکر کی وہ علم کی گہرائی تک پہنچ گیا اور جو علم کی گہرائیوں میں اترا وہ فیصلے کے سرچشموں سے سیراب ہوا اور جس نے حلم و بردباری اختیار کی اس نے اپنے معاملات میں کوئی کمی نہیں کی اور لوگوں میں نیک نامی کی زندگی بسر کی۔»

اگر ہم عدالت کو دو شاخوں، عدل اخلاق اور سماجی انصاف میں تقسیم کریں تو بلاشبہ عدل اخلاق سماجی انصاف کی بنیاد و اساس قرار پائے گا کیونکہ اگر افراد عدالت کی صفت سے آراستہ نہ ہوں گے تو معاشرہ میں یہ چیز کیسے پائی جائے گی؟ کیا معاشرہ افراد کا مجموعہ نہیں ہے؟

اس بنا پر جبکہ افراد میں ایمان، اخلاق، خدا ترسی اور تقویٰ نہ ہو اسی صورت میں اجتماعی عدالت کی توقع ایک خیال خام ہے۔ انسانی معاشرہ کی شکلیں، جابروں و ظالموں کا تسلط طبقہ بندیاں اور ناانصافیاں یہیں سے ظہور کرتی ہیں۔ سب سے پہلے انسان کو انسان بنانا چاہیئے۔ عادل انسان بنانے چاہئیں اور معاشرہ کی باگڈور ان کے ہاتھوں میں سونپنی چاہیئے تاکہ عدالت کی حاکمیت اور سماجی انصاف کے قیام کی امید کی جاسکے۔ یہ وہی چیز ہے جو امام کے کلام میں منعکس و جلوہ گر نظر آتی ہے۔ آپ ظلم و بے عدالتی کے بارے میں معاشرہ کی سب سے بڑی بلا ہے فرماتے ہیں:

«بئس الزاد الی المعاد العدوان علی العباد» (باب حکم / حکمت نمبر ۲۲۱)

«آخرت کا بدترین توشہ اللہ کے بندوں پر ظلم و ستم ہے۔»

«ولئن امهل الظالم فلن یفوت اخذه وهو له بالمرصاد علی مجاز طریقه وبموضع الشجا من مساغ ریقه»

اگر ظالم کو مہلت دے دی جائے تب بھی وہ انتقام کے پنجے سے بچ نہیں سکتا خدا اس کی کمین اور گزرگاہ پر ہے اور ظلم کی سزا ہڈی کے مانند ظالم کے گلے پھنس جائے گی۔

«وان البغی والظلم یوتغان المرء فی دینه ودنیاه ویبدیان خلله عند من یعیبه» (خط / ۴۸)

سرکشی اور ظلم آدمی کو تباہی و ہلاکت تک کھینچے جاتا ہے اور اس کی کمزوریوں کو عیب تلاش کرنے والے کی نگاہ میں ظاہر کر دیتا ہے ،،

علیؑ نے جن کا عدل و تقویٰ زباں زد خاص و عام ہے ۔ عدالت پسندی اور عدل گستری کی روح اسی سرچشمہ سے حاصل کی ہے جس کی آپ نے خود توصیف فرمائی ہے۔ آپ اپنی عدالت پسندی کی مدح کی عکاسی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عدلِ علیؑ کا ایک واقعہ

«وَاللهِ لَأَنْ أَبِيتَ عَلىٰ حَسَكِ السَّعْدانِ مُسَهَّداً أَوْ أُجَرَّ فِي الأَغْلالِ مُصَفَّداً أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَلْقَى اللهَ وَ رَسُولَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ ظالِماً لِبَعْضِ الْعِبادِ وَغاصِباً لِشَيْءٍ مِنَ الْحُطامِ وَكَيْفَ أَظْلِمُ أَحَداً لِنَفْسٍ إِلَى الْبِلىٰ قُفُولُها وَ يَطُولُ فِي الثَّرىٰ حُلُولُها»

خدا کی قسم! اگر مجھے بیابان کے کانٹوں پر جاگتے ہوئے رات بسر کرنا پڑے اور مجھے طوق و زنجیر میں کھینچا جائے تو میرے لئے اس سے بہتر ہے کہ میں خدا اور اس کے پیغمبر سے اس حالت میں ملاقات کروں کہ میں نے خدا کے بندوں پر ظلم کیا ہو یا مال دنیا میں سے کوئی چیز غصب کی ہو اور میں اس نفس کے آسودگی کے لئے کسی پر کیونکر ظلم کر سکتا ہوں جو فنا کی طرف پلٹنے والا ہے اور مدتوں مٹی کی تہوں میں پڑا رہے گا۔

یہ صرف ادعا نہیں ہے انہوں نے عملی طور سے یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ فرماتے ہیں منزل عمل میں اس سے زیادہ پابند ہیں۔ اس کے بعد سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے اپنے بھائی عقیل کے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

خدا کی قسم! میں نے عقیل کو دیکھا جو تم لوگوں کا تھوڑا سا گیہوں مجھ سے طلب کر رہے تھے اور ان کے بال بچوں کو پریشان دیکھا کہ فقر و تنگدستی کی خاک ان کے رخساروں پر جمی ہوئی تھی گویا ان کی صورتوں پر نیل پڑے ہوئے ہیں، وہ اصرار کے ساتھ مجھ سے اپنی خواہش بار بار دہرا رہے تھے میں نے ان کی بات سنی انہوں نے سمجھ لیا کہ میں اپنا دین انھیں فروخت کر دوں گا

اپنی راہ کو چھوڑ کر عنان ان کے حوالہ کر دوں گا! اس وقت میں نے ایک لوہے کو تپایا اور اسے ان کے جسم سے نزدیک کیا تاکہ وہ عبرت حاصل کریں۔ وہ درد سے چیخ پڑے اور قریب تھا کہ لوہے کی حرارت سے جل جائیں۔ میں نے ان سے کہا:

"اے عقیل رونے والے تم پر گریہ کریں تم اس لوہے سے جسے ایک انسان نے یوں ہی کھیل کھیل میں تپا دیا ہے چیخ رہے ہو اور مجھے اس آگ کی طرف کھینچ رہے ہو جسے خدائے جبار نے غیظ و غضب کے ساتھ بھڑکایا ہے؟ .... اس کے بعد ایک دوسرے واقعہ کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ہدیہ کے نام سے آپ کے پاس رشوت بھیجتا ہے اور آپ غصہ و نفرت کے ساتھ اسے رد کرتے ہوئے اس کی طرف ہذیان و دیوانگی کی نسبت دیتے ہیں کہ کیوں میرا دین خریدنے کی فکر میں پڑا ہے! پھر فرماتے ہیں:

«وَاللهِ لَوْ أُعْطِيتُ الْأَقَالِيمَ السَّبْعَةَ بِمَا تَحْتَ أَفْلَاكِهَا عَلَى أَنْ أَعْصِيَ اللهَ فِي نَمْلَةٍ أَسْلُبُهَا جُلْبَ شَعِيرَةٍ مَا فَعَلْتُهُ. وَإِنَّ دُنْيَاكُمْ عِنْدِي لَأَهْوَنُ مِنْ وَرَقَةٍ فِي فَمِ جَرَادَةٍ تَقْضَمُهَا. مَا لِعَلِيٍّ وَلِنَعِيمٍ يَفْنَى وَلَذَّةٍ لَا تَبْقَى. نَعُوذُ بِاللهِ مِنْ سُبَاتِ الْعَقْلِ وَقُبْحِ الزَّلَلِ وَبِهِ نَسْتَعِينُ» (خطبہ ۲۲۴ اردو مترجم)

"اگر مجھے ان تمام چیزوں کے ساتھ جو کچھ آسمانوں کے نیچے ہے ہفت اقلیم بھی دے دیئے جائیں کہ میں صرف اللہ کی اتنی معصیت کروں کہ ایک چیونٹی کے دہن سے جو کا چھلکا چھین لوں تو میں کبھی ایسا نہیں کروں گا۔ بلاشبہ تمہاری یہ دنیا میری نظر میں اس پتی سے بھی زیادہ حقیر اور بے قیمت ہے جسے ٹڈی اپنے منہ میں رکھے ہوئے ہے علیؑ کو دنیا کی فانی نعمت اور اس کی بے ثبات یا مٹ جانے والی لذت سے کیا واسطہ؟ ہم عقل کی غفلت اور لغزشوں کی رسوائیوں سے خدا کی بارگاہ میں پناہ مانگتے ہیں، اس سے مدد کے طالب ہیں۔"

علیؑ کی یہ عدالت پسندی جو ان کے اپنے خاندان کے نزدیک ترین افراد پر بھی پوری قاطعیت کے ساتھ عمل میں آئی ہے ان کے بے مثال زہد و تقویٰ کا نتیجہ ہے۔ ظالم و ستم کار دنیا کے علاوہ کیا چاہتے ہیں؟ نام و نمود، لذت، مال، شہرت، امارت و ریاست ..... یہ اور

ان جیسی تمام چیزیں مظالم و جرائم کا سرچشمہ ہیں۔ لیکن جب انسان اس منزل پر پہنچ گیا کہ اس نے پوری دنیا پر خط بطلان کھینچ دیا اور جو کے چھلکے یا درخت کی پتی سے بھی زیادہ اسے بے حقیقت سمجھا اور اپنی توجہ صرف مبدأ و معاد، خدا کی رضا و خوشنودی، اس کے عذاب سے نجات، قید و بند میں گرفتار بندوں کی خدمت ہی اپنی زندگی کا فلسفہ جانا، ایسے انسان کے لئے ظلم کوئی معنی نہیں رکھتا کیوں کہ وہ اس کا کوئی مقصد نہیں سمجھتا۔ اس بات کو وہی سمجھتا ہے جس کی عقل کا چراغ خاموش نہ ہوا ہو اور جس کا دامن لغزشوں سے پاک ہو اور وہ خدا پر بھروسہ رکھتا ہو۔ کلام امام کے آخری جملے لوگوں کو ظلم سے پرہیز کا طریقہ بتاتے ہیں کہ: آزادی کے ساتھ غور و فکر کریں، تقویٰ اختیار کریں اور خدا سے مدد طلب کریں کہ اس کے سوا کوئی اور راہ نہیں ہے۔

علیؑ معلم عدالت

امامؑ کے خطبوں، خطوط اور اپنے عمال نیز مددگاروں کو دیئے گئے آپ کے فرامین میں ہمیشہ رعایا کی ایک ایک فرد کے ساتھ عدل سے پیش آنے کی بات کہی گئی ہے

۱:- مالک اشتر کے عہدنامہ میں آیا ہے:

«ولیکن احب الامور الیک اوسطها فی الحق واعمها فی العدل واجمعها لرضی الرعیة»

تمہاری نظر میں سب سے پسندیدہ کام وہ ہونا چاہیئے جو زیادہ ترحق کی شاہراہ پر ہو اس کا عدل عمومی ہو اور اس میں رعایا کی خوشنودی زیادہ سے زیادہ شامل ہو۔

۲:- اسی عہدنامہ کے ایک دوسرے حصہ میں ہے کہ:

«وإنَّ أفضلَ قُرَّةِ عَيْنِ الوُلاةِ اِستِقامَةُ العَدْلِ فِي البِلادِ وظُهورُ مَوَدَّةِ الرَّعِيَّةِ، وإنَّهُ لا تَظْهَرُ مَوَدَّتُهُم إلّا بِسَلامَةِ صُدُورِهِمْ ولا تَصِحُّ نَصِيحَتُهُمْ إلّا بِحِيطَتِهِم على وُلاةِ الأُمورِ وقِلَّةِ آسْتِثقالِ دُوَلِهِم وتَرْكِ آسْتِبطاءِ مُدَّتِهِمْ، فَافْسَحْ في آمالِهِم وَواصِلْ في حُسْنِ الثَّناءِ عَلَيْهِم وتَعْدِيدِ ما أَبْلىٰ ذَوُو البَلاءِ مِنْهُم، فَإنَّ كَثْرَةَ الذِّكْرِ لِحُسْنِ أفعالِهِمْ تَهُزُّ الشُّجاعَ وتُحَرِّضُ النّاكِلَ. إن شاء

اللہ»

بلاشبہ حکام اور والیوں کی آنکھوں کا بہترین نور ملکی سطح پر عدالت کا قیام اور قوم کے دلوں کو اپنی طرف جذب کرنا ہے اور رعایا کے دلوں کی سلامتی کے بغیر ان کی محبت ظاہر نہیں ہو سکتی اور ان کی خیر خواہی اسی صورت میں ثابت ہوتی ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کے گرد حفاظت کے لئے گھیرا ڈالے رہیں ان کا اقتدار بوجھ نہ سمجھیں اور نہ ان کی حکومت کے خاتمہ کے لئے گھڑیاں نہ گنیں۔ لہٰذا ان کی امیدوں میں وسعت رکھنا، انھیں اچھے لفظوں سے سراہتے رہنا اور ان میں سے اچھی کارکردگی دکھانے والوں کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہنا کیونکہ ان کے اچھے کارناموں کا ذکر بہادروں کو جوش میں لاتا ہے اور پست ہمتوں کو ابھارتا ہے انشاء اللہ»

دلوں کو جذب کرنا اور قدروں کو پہچاننا

اگر ملک کے ذمہ دار افراد قوم کے سلسلہ میں عدل کی روش اختیار کریں تو دل ان کی طرف راغب ہوں گے اور دلوں میں پڑنے والی گرہیں کھل جائیں گی یہ بات حکومت کے سربراہوں کے استحکام و پائداری اور قوم سے ان کے محکم و استوار رابطہ کی ضامن ہے۔

دوسری طرف سماجی انصاف اور قدروں کو بنیادی محور بنانا افراد قوم کی استعداد و صلاحیتوں میں اضافہ اور قوم میں امید کی کرن پیدا کرنے کا عامل ہے جب لوگ مطمئن ہوں گے کہ حق و عدالت کے علاوہ کسی اور چیز کو محور قرار نہیں دیا گیا ہے تو اپنی تمناؤں و آرزوؤں تک پہنچنے کے لئے منطقی راہ اختیار کریں گے جبکہ عدالت سے مایوسی انسان کو نیرنگی، بدسلوکی، رشوت اور خلاف کاری پر مائل کر دے گی نتیجہ میں حکومت کے کام بگڑنے لگیں گے معاشرہ میں اخلاق اور جذبہ تحرک کو ضرب لگے گی۔ امام نے اسلامی نظام کے لئے اس سرنوشت کو ایک پیش گوئی شدہ دردناک حادثہ کے عنوان سے یاد کیا ہے۔ آپ مدینہ میں بیعت کے بعد اپنے ایک خطبہ میں اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالَّذِی بَعَثَهُ بِالْحَقِّ لَتُبَلْبَلُنَّ بَلْبَلَةً وَلَتُغَرْبَلُنَّ غَرْبَلَةً وَلَتُسَاطُنَّ سَوْطَ الْقِدْرِ حَتَّى يَعُودَ أَسْفَلُكُمْ أَعْلَاكُمْ وَأَعْلَاكُمْ أَسْفَلَكُمْ وَلَيَسْبِقَنَّ سَابِقُونَ كَانُوا قَصَّرُوا وَلَيُقَصِّرَنَّ سَبَّاقُونَ كَانُوا سَبَقُوا»

"اس ذات کی قسم جس نے رسولؐ کو حق و صداقت کے ساتھ بھیجا، تم اس طرح تہ و بالا کئے جاؤ گے اور چھلنی میں چھانے جاؤ گے اور دیگ میں آئے ہوئے ابال کی طرح یوں خلط ملط کئے جاؤ گے کہ تمہارے ادنیٰ اعلیٰ ہو جائیں گے۔ اور جو پیچھے رہتے تھے آگے بڑھ جائیں گے اور جو ہمیشہ آگے رہتے تھے پیچھے چلے جائیں گے"۔

امام کا کلام اس ظالمانہ دگرگونیوں کی عکاسی کر رہا ہے جو قاعدوں اور صلاحیتوں کی بنیاد پر نہیں بلکہ جوڑ توڑ اور تعلقات کی بنیاد پر معاشرہ پر مسلط ہو جاتی ہیں، جو لوگ اسلام کا لیبل لگائے پھرتے ہیں اسلام کے سچے سپوتوں سے بھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور جو اسلام کے حقیقی فرزند ہیں میدان سے باہر ہو جاتے ہیں اور یہ بہت بڑا حادثہ و المیہ ہے جو ایک اجتماعی انقلاب اور الٰہی تحریک کے لئے خطرناک ثابت ہوتا ہے اسلامی تاریخ میں حکومتوں اور سلطنتوں کی روش اسی انداز پر رہی ہے جس کے آثار و نتائج ہم دیکھ رہے ہیں۔

ہاں، اسلام کے سیاسی نظام میں عمل کی بنیاد صلاحیتوں، قدروں کی تحقیق پر ہے ہر انسان کو اس کے مناسب مرتبہ و منزلت دی جاتی ہے۔

اپنی حکومت کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی سیاست اسی روش پر تھی۔ آپ نے خود اس کی حکایت کی ہے حضرت نہروان کے واقعہ کے بعد اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں:

الذلیل عندی عزیز حتی آخذ الحق لہ والقوی عندی ضعیف حتی آخذ الحق منہ"۔ (خطبہ/۳۷)

"ہر پست و ذلیل میرے نزدیک عزیز و محترم ہے یہاں تک میں لوگوں سے اس کا حق لے لوں اور قوی میری نظر میں کمزور ہے یہاں تک کہ میں اس سے حق لے لوں"۔

عدالت سے گریز!

امام کو خبر دی جاتی ہے کہ اہل مدینہ کا ایک گروہ معاویہ سے مل گیا ہے تو آپ نے مدینہ میں اپنے عامل و گورنر سہل بن حنیف انصاری کو اس مضمون کا ایک خط لکھا:

"مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ کچھ لوگ معاویہ کی طرف چلے گئے ہیں ان لوگوں کا ہاتھ سے کھو دینا تمہیں غمگین نہ کرے۔ ان کی گمراہی اور تمہارے دل کی تسلی کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ وہ لوگ

حق سے گریزاں ہو کر کو ردلی اور جہالت کی طرف بھاگ گئے ہیں یہ لوگ اہل دنیا ہیں اور دنیا کے پیچھے بھاگ رہے ہیں۔

«وقد عرفوا العدل ورأوه وسمعوه ووعوه وعلموا أن الناس عندنا في الحق أسوة فهربوا إلى الأثرة فبعداً لهم وسحقاً إنهم والله لم ينفروا من جور ولم يلحقوا بعدل» (مکتوب ۷۰)

ان لوگوں نے عدل کو پہچانا، دیکھا، سنا، اور سمجھا ہے اور یہ اچھی طرح جان لیا ہے کہ ہماری نظر میں حق کے اعتبار سے سب برابر ہیں اس کے بعد بھی وہ طبقہ بندی اور غلط کاری کی طرف گئے ہیں۔ لعنت ہو ان پر۔ خدا کی قسم ان لوگوں نے ظلم و جور سے فرار نہیں کیا اور عدل کے سایہ میں پناہ نہیں لی ہے۔

قاطعیت کے ساتھ عدالت کا اجرا یہ مشکل وجود میں لاتا ہے، دنیا طلب افراد عدالت کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے اپنی دنیوی آرزوؤں کے حصول کے لئے اس سے منہ موڑ لیتے ہیں اور عدالت پسند انسان کو رنج واندوہ نیز معاشرہ کو ظلم و بے عدالتی کے روز بروز پھیلاؤ میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کی سیاست مصلحت اندیشی احتیاط پسندی اور ڈپلومیسی کی نگاہ سے غلط ہے لیکن الٰہی سیاست اور شیطانی سیاست کا فرق یہیں ہے شیطانی سیاست کی بنیاد مصلحت اور اپنی آرزوؤں کا حصول ہے جو مادیات شہرت، ہوس، اور ریاست و حکومت کی شکل میں مجسم ہوتی ہے جبکہ الٰہی سیاست کا محور حقیقت و واقعیت ہے۔ اس کے مقابل یہ صرف مادیات کی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اس حقیقت کی راہ میں عزیز ترین انسان بھی قربان ہو جاتے ہیں جیسا کہ علیؑ خود اپنے عدل کی راہ میں شہید ہوئے (وقتل فی محرابہ لشدۃ عدلہ) اگر یہ طے ہے کہ عالم میں حق کا کوئی ثمرہ ہے اور واقعیت و حقیقت کا کوئی اثر تو ناچار بہت سی چیزوں کو کھونا پڑے گا تاکہ حقیقت باقی رہے۔ علیؑ کی منطق یہ ہے البتہ یہ اپنی جگہ پر حیرت ناک نہیں ہے، حیرت کی بات تو لوگوں کا عدالت سے گریز کرنا ہے۔ علیؑ کے دامن عدل گستر سے گریز اور عدل کے دشمن معاویہ جیسوں کی آغوش میں پناہ لینا اور وہ بھی رشوتوں و عہدوں اور جاہ و مال کے عوض۔

عدل و انصاف کا حکم

یہ منطق امام کے تمام خطبوں اور خطوط اور عہد ناموں میں عیاں نظر آتی ہے۔ حضرت اپنے عہد نامہ میں مالک اشتر کو تحریر فرماتے ہیں:

«أَنْصِفِ اللّٰهَ وَأَنْصِفِ النَّاسَ مِنْ نَفْسِكَ وَمِنْ خَاصَّةِ أَهْلِكَ وَمَنْ لَكَ فِيهِ هَوًى مِنْ رَعِيَّتِكَ فَإِنَّكَ إِلَّا تَفْعَلْ تَظْلِمْ وَمَنْ ظَلَمَ عِبَادَ اللّٰهِ كَانَ اللّٰهُ خَصْمَهُ دُونَ عِبَادِهِ وَمَنْ خَاصَمَهُ اللّٰهُ أَدْحَضَ حُجَّتَهُ وَكَانَ اللّٰهُ لَهُ حَرْباً حَتّٰى يَنْزِعَ أَوْ يَتُوبَ. وَلَيْسَ شَيْءٌ أَدْعَىٰ إِلَىٰ تَغْيِيرِ نِعْمَةِ اللّٰهِ وَتَعْجِيلِ نِقْمَتِهِ مِنْ إِقَامَةٍ عَلَىٰ ظُلْمٍ، فَإِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ دَعْوَةَ الْمُضْطَهَدِينَ وَهُوَ لِلظَّالِمِينَ بِالْمِرْصَادِ» (خط/٥٣)

اپنی ذات اپنے خاص عزیزوں اور رعایا میں سے اپنے قریب اور پسندیدہ افراد کے بارے میں اللہ اور انسانوں سے متعلق انصاف کرو کیونکہ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو ظالم ٹھہرو گے اور جو خدا کے بندوں پر ظلم کرتا ہے تو بندوں کے بجائے اللہ اس کا حریف و دشمن بن جاتا ہے اور جس کا اللہ دشمن ہو اس کی ہر دلیل کو باطل کر کے رکھ دے گا اللہ اس سے برسرِ پیکار رہے گا، یہاں تک کہ وہ باز آجائے یا توبہ کرے اور ظلم و ستم کے مانند کوئی چیز اللہ کی نعمتوں کے سلب ہو جانے اور اس کی عقوبتوں کو جلد بلاوا دینے والی نہیں ہے خداوند عالم مظلوم و ستم دیدہ کی دعا کو سنتا ہے اور ظالموں کی گھات میں ہے۔

اسی عہد نامہ کے ایک دوسرے حصہ میں ہے:

«ثُمَّ إِنَّ لِلْوَالِي خَاصَّةً وَبِطَانَةً فِيهِمُ اسْتِئْثَارٌ وَتَطَاوُلٌ وَقِلَّةُ إِنْصَافٍ فِي مُعَامَلَةٍ. فَاحْسِمْ مَادَّةَ أُولٰئِكَ بِقَطْعِ أَسْبَابِ تِلْكَ الْأَحْوَالِ. وَلَا تُقْطِعَنَّ لِأَحَدٍ مِنْ حَاشِيَتِكَ وَحَامَّتِكَ قَطِيعَةً وَلَا يَطْمَعَنَّ مِنْكَ فِي اعْتِقَادِ عُقْدَةٍ تَضُرُّ بِمَنْ يَلِيهَا مِنَ النَّاسِ فِي شِرْبٍ أَوْ عَمَلٍ مُشْتَرَكٍ يَحْمِلُونَ مَؤُونَتَهُ عَلَىٰ غَيْرِهِمْ فَيَكُونَ مَهْنَأُ ذٰلِكَ لَهُمْ دُونَكَ وَعَيْبُهُ عَلَيْكَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأَلْزِمِ الْحَقَّ مَنْ لَزِمَهُ مِنَ الْقَرِيبِ وَالْبَعِيدِ وَكُنْ فِي ذٰلِكَ صَابِراً مُحْتَسِباً وَاقِعاً ذٰلِكَ مِنْ قَرَابَتِكَ وَخَاصَّتِكَ حَيْثُ وَقَعَ، وَابْتَغِ عَاقِبَتَهُ بِمَا يَثْقُلُ عَلَيْكَ مِنْهُ فَإِنَّ مَغَبَّةَ ذٰلِكَ مَحْمُودَةٌ»

اس کے بعد جان لو کہ حاکم کے کچھ دوست اور نزدیک ترین افراد ہوتے ہیں جن میں تعیض

غلط فائدہ اٹھانے تجاوز اور معاشرت میں انصاف کی کمی پائی جاتی ہے۔ تمہیں اس طرح کے اعمال کی جڑیں کھود ڈالنی چاہیئے تاکہ اس کے اسباب و علل ختم ہو جائیں، دیکھو اپنے کسی حامی یا حاشیہ نشین کو کوئی زمین یا جاگیر نہ دینا اور نہ انہیں تم سے اس کی امید ہونا چاہیئے کہ تم ان کی کوئی مشکل حل کرو گے جس سے ہمسایوں کو نقصان پہنچتا ہو کہ نتیجہ میں اس کے خرچ کا بار تو دوسروں پر ہوگا۔ اور وہ اس کا فائدہ اٹھائیں گے لیکن دنیا و آخرت کی رسوائی تمہارے لئے ہوگی۔ جو حق کا پابند ہے اس کے حق کی رعایت کرو چاہے وہ تمہارا اپنا ہو یا بیگانہ اور اس کام میں صبر و محاسبۂ نفس سے کام لینا چاہیئے چاہے اس کی زد میں تمہارے اقربا و اعزا ہی کیوں نہ آتے ہوں اس سلسلہ میں جو چیز تم پر گراں گزرے اس کے انجام پر نظر رکھو کیونکہ اس کا انجام بہر حال اچھا ہوگا۔

حکومت کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دینا چاہیئے کہ موقع پرست افراد، چاہے وہ حاکم کے خاندان کے ہوں یا اس کے حاشیہ نشین یا پھر کوئی اور، طاقت و قدرت کے مرکز یعنی حاکم سے وابستگی کی بنا پر بیت المال اور دوسرے وسائل سے غلط فائدہ اٹھا کر قوم و ملت کے حقوق ضائع کریں کہ اس کی بدنامی حکام کے سر ہے اور اس کا ناجائز فائدہ موقع پرستوں اور حاشیہ نشینوں کو۔ مختصر یہ کہ حاکم کو مظالم کے لئے پل نہیں بننا چاہیئے۔ یہ حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے جو بیان سے پہلے ان کے کردار و عمل سے ظاہر تھا اور یہی وہ طرز عمل ہے جس کی آپ نے قسم کھائی تھی:

«وَأَيْمُ اللّٰهِ لَأُنْصِفَنَّ الْمَظْلُومَ مِنْ ظَالِمِهِ وَلَأَقُودَنَّ الظَّالِمَ بِخِزَامَتِهِ حَتَّى أُورِدَهُ مَنْهَلَ الْحَقِّ وَإِنْ كَانَ كَارِهاً» (خطبہ/۱۳۴/ اردو ترجمہ)

خدا کی قسم میں مظلوم کا حق ظالم سے لوں گا اور ظالم کا گریبان پکڑ کر اسے حق کے مشرب تک لے آؤں گا چاہے اسے برا کیوں نہ لگے۔

نگاہ علیؑ میں عدالت کا دائرہ

علیؑ کی نگاہ میں حق کے دائرہ کی وسعت اور عدالت کی علم و کچھ اس قدر پھیلی ہوئی ہے کہ اس کی شعاع انسانی زندگی کے دائرہ سے نکل کر تمام حیوانات، نباتات اور جمادات تک کو گھیرے ہوئے ہے اسلامی متون و مآخذ میں اس دعوے کی بے شمار مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یہاں ان میں سے چند موارد پر اکتفا کی جاتی ہے جو نہج البلاغہ میں ذکر ہوئے ہیں حضرت اپنے خطبہ میں جسے

آپ نے اپنی خلافت کی ابتدا میں ارشاد کیا تھا، فرماتے ہیں:

«اِتَّقُوا اللّٰهَ فِیْ عِبَادِهٖ وَبِلَادِهٖ فَاِنَّكُمْ مَسْئُوْلُوْنَ حَتّٰی عَنِ الْبِقَاعِ وَالْبَهَائِمِ» (خطبہ/۱۶۵/ترجمہ اردو)

لوگو! خدا کے بندوں اور اس کے شہروں کے معاملہ میں تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تم سے حتیٰ زمین کے خطوں اور جانوروں کے سلسلہ میں بھی سوال کیا جائے گا۔

انسانی تاریخ کے کسی بھی حقوقی و قانونی نظام میں دیکھا نہیں گیا کہ مردہ زمین اور غیر شعوری حیوان کا بھی کوئی حق ہو، اور وہ بھی اس حد تک کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں ان حقوق سے متعلق سوال ہو اگرچہ بعض بظاہر متمدن معاشروں میں جانوروں کی حمایت کی بات کی جاتی ہے لیکن یہ ادعا ریاکاری اور دکھاوے سے زیادہ کچھ نہیں ہے، کیونکہ ان معاشروں میں حیوانات کے حقوق کی حمایت کا دعویٰ جہاں محروم انسانوں کے حقوق پائمال کئے جاتے ہیں اور گروہ کے گروہ ہزاروں بے گناہ انسان قیدخانوں کے اندر موت کے جلادوں کے حوالے کر دیئے جاتے ہیں ریاکاری اور مکاری کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ صرف آسمانی و الٰہی مکتب ہے جہاں یہ دعویٰ صحیح مفہوم اور واقعی مصداق رکھتا رکھتا ہے۔ اسی وجہ سے ہم امام کی سیرت و سیاست کو عمل میں اس انداز سے دیکھتے ہیں کہ نوع بشر کی ایک ایک فرد چاہے وہ مسلمان ہو یا غیر مسلمان اس کی عدالت کی راہ میں آنکھیں بچھائے ہے آپ اس سلسلہ میں مالک اشتر کو تحریر فرماتے ہیں:

عدالت و رحمت سب کے لئے

«وَاَشْعِرْ قَلْبَكَ الرَّحْمَةَ لِلرَّعِيَّةِ وَالْمَحَبَّةَ لَهُمْ وَاللُّطْفَ بِهِمْ وَلَا تَكُوْنَنَّ عَلَيْهِمْ سَبُعاً ضَارِياً تَغْتَنِمُ اَكْلَهُمْ، فَاِنَّهُمْ صِنْفَانِ: اِمَّا اَخٌ لَكَ فِي الدِّيْنِ اَوْ نَظِيْرٌ لَكَ فِي الْخَلْقِ»

رعایا کے لئے اپنے قلب کے اندر رحم و کرم اور لطف و محبت کا جذبہ پیدا کرو اور ان کے حق میں پھاڑ کھانے والا درندہ نہ بن جاؤ کہ ان کے دھنوں سے ان کا نوالہ چھین لو کیوں کہ اس میں دو طرح کے لوگ ہیں: ایک تمہارے دینی بھائی ہیں اور دوسرے خلقت میں تیرے جیسے انسان ہیں؛ آپ دیکھ رہے ہیں یہاں انسانیت کی بات کی جا رہی ہے صرف اسلامیت کی نہیں۔ عدل

کی گئی اس قدر پھیلی ہوئی ہیں کہ تمام انسان، چاہے وہ مسلمان ہوں یا عیسائی، یہودی ہوں یا دہریے سب کا احاطہ کئے ہوئے ہے کیونکہ ظلم کسی کے حق میں چاہے وہ کسی بھی مذہب و ملت سے تعلق رکھتا ہو درست نہیں ہے۔ امامؑ کو معلوم ہوا کہ معاویہ کی فوجوں نے شہر انبار پر حملہ کر کے وہاں کی کھیتیوں اور آبادیوں کو تباہ کر ڈالا ہے تو آپ نے جہاد اور خدا کی راہ میں جنگ کی اہمیت سے متعلق ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے ضمن میں فرمایا:

«وَلَقَدْ بَلَغَنِي أَنَّ الرَّجُلَ مِنْهُم كَانَ يَدْخُلُ عَلَى الْمَرْأَةِ الْمُسْلِمَةِ وَالأُخْرَى الْمُعَاهَدَةِ فَيَنْتَزِعُ مِنْهَا حِجْلَهَا وَقُلُبَهَا وَقَلائِدَهَا وَرُعُثَهَا مَا تَمْتَنِعُ مِنْهُ إِلاَّ بِالاسْتِرْجَاعِ وَالاسْتِرْحَامِ ثُمَّ انْصَرَفُوا وَافِرِينَ، مَانَالَ رَجُلاً مِنْهُم كَلْمٌ وَلاأُرِيقَ لَهُمْ دَمٌ. فَلَوْأَنَّ امْرَأً مُسْلِماً مَاتَ مِنْ بَعْدِ هذا أَسَفاً مَاكَانَ بِهِ مَلُوماً بَلْ كَانَ بِهِ عِنْدِي جَدِيراً» (خطبہ ۲۷)

مجھ تک خبر پہنچی ہے کہ ان میں کا ایک شخص ایک مسلمان اور ایک اہل ذمہ عورت پر حملہ آور ہوا اور ان کے جسم سے پازیب، کڑا، گلوبند اور گوشوارہ اتار لے گیا اور ان عورتوں کے پاس اس سے روکنے کا اس کے علاوہ کوئی ذریعہ نہ تھا کہ وہ گریہ و زاری کریں اور اس سے رحم کی بھیک مانگیں۔ پھر وہ غارت گر افراد مال غنیمت سے لدے پھندے واپس چلے گئے نہ ان میں سے کسی کو کوئی زخم آیا اور نہ کسی کا خون بہا۔ پس اگر ایک مسلمان اس واقعہ کے بعد رنج و اندوہ سے مر جائے تو اسے ملامت نہ کی جائے گی بلکہ میری نظر میں ایسا ہی ہونا بہتر ہے۔

معاویہ جیسے حکام کی خصلت یہ ہے کہ وہ حتیٰ مسلمانوں کی بے سہارا عورتوں پر بھی رحم نہیں کرتے اور مسلمانوں کی جان و مال لوٹ لے جاتے ہیں اور عدالت پسند الٰہی حکومتوں کا شیوہ یہ ہے کہ حتیٰ اگر ایک غیر مسلمان بے سہارا عورت پر بھی کوئی ظلم ہوا ہے تو اس سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ اپنی موت کی آرزو کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے خون کی حفاظت

اسلام کے سیاسی نظام میں عدالت کا اجرا اور ظلم و ستم سے مقابلہ کرنا اسلامی حکومت کے لئے

ایک اصل و اساس کی حیثیت رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو چیز امام کو بہت زیادہ رنجیدہ رکھتی تھی اور ان کی عدالت پسند روح جس سے متنفر رہا کرتی تھی ظلم و تعدی و بیداد کا مشاہدہ تھا جنہیں جڑ سے ختم کرنے کے لئے آپ کو اقدام کرنا چاہئے تھا۔ آپ نے ایک خطبہ میں جمل کے فتنہ کی طرف اشارہ کرتے فرمایا:- "فَوَاللهِ لَوْ لَمْ يُصِيبُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا رَجُلاً وَاحِداً مُتَعَمِّدِينَ لِقَتْلِهِ بِلَا جُرْمٍ جَرَّهُ لَحَلَّ لِي قَتْلُ ذٰلِكَ الْجَيْشِ كُلِّهِ، إِذْ حَضَرُوهُ فَلَمْ يُنْكِرُوا وَلَمْ يَدْفَعُوا عَنْهُ بِلِسَانٍ وَلَا بِيَدٍ. دَعْ أَنَّهُمْ قَدْ قَتَلُوا مِنَ الْمُسْلِمِينَ مِثْلَ الْعِدَّةِ الَّتِي دَخَلُوا بِهَا عَلَيْهِمْ"

(خطبہ ۱۷۲ اردو ترجمہ)

خدا کی قسم اگر ان لوگوں نے جان بوجھ کر مسلمانوں میں سے صرف ایک شخص کو بے جرم قتل کیا ہوتا تو اس پورے لشکر کو قتل کر دینا میرے لئے حلال تھا کیونکہ وہ موجود تھے اور انہوں نے انکار نہیں کیا اور اپنے ہاتھ یا زبان سے اس کے دفاع کے لئے نہیں اٹھے چہ جائیکہ انہوں نے مسلمانوں کے اتنے افراد قتل کر ڈالے جتنی تعداد خود ان کے حملہ آور لشکر کی تھی۔

امام کے نقطہ نظر سے ظلم و ستم کے مقابل خاموشی اختیار کرنا ظلم و ستم کرنے والے کے ساتھ شریک ہونے کے مترادف ہے۔ یہاں تک خاموش اور لا تعلق افراد موت کی حد تک سزا کے مستحق ہیں۔ اس بات کی حقیقت واضح ہے: جرائم و مظالم اور قتل و غارت میں تعداد در پیش نہیں ہوتی بلکہ مقصد حریم خدا اور خلق خدا کی حرمت کو پامال کرنا ہوتا ہے قرآن کریم ایک انسان کے قتل کو تمام انسانوں کے قتل کے برابر جانتا ہے۔ (من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فکانّما قتل الناس جمیعاً) کیونکہ اس جہت سے ایک انسان اور تمام انسانیت میں کوئی فرق نہیں ہے اس بنا پر جو لوگ صرف مظالم اور جرائم کا نظارہ کرتے رہتے ہیں اور زبان تک نہیں ہلاتے انہوں نے گویا دین خدا کی حرمت توڑنے اور انسانیت کی شرافت کو قدموں تلے روندنے کی اجازت دے دی ہے اور اس سنگین جرم کے سبب سزا کے مستحق ہیں۔ دوسری طرف ظلم اور قتل و غارت کے مقابل سکوت و خاموشی ظلم کرنے، مجرم میں شوق و جذبہ پیدا کرنے، جرائم کے پھیلنے اور سرانجام تاریخ انسانیت کو ہولناک سرنوشت کی طرف کھینچ لے جانے پر اپنی مہر ثبت کرنے کے برابر ہے جس کے نقصان دہ آثار ابد تک باقی رہتے ہیں۔

اس نکتہ سے بھی غفلت نہ برتنا چاہئے کہ امام کا ارشاد کفار کے سلسلہ میں نہیں بلکہ "اصحاب جمل" کے بارے میں ہے جو اسلام کا لیبل بھی لگائے ہوئے تھے (اگرچہ کفار بھی اسی حکم میں ہیں) اور یہ بات خود واضح کرتی ہے کہ جب بھی اسلام کا نام نفاق، گمراہی، جہالت، طغیان اور فساد کے لئے آڑ بنا تو کتنی تباہیاں لاتا ہے اور اس کے مرتکبوں کے ساتھ کیا کرنا چاہیئے۔

مسلمانوں کی جانوں اور ان کے خون کی حرمت کے سلسلہ میں امام اپنے عہدنامہ میں مالک اشتر سے کچھ اور نکتے بھی ارشاد فرماتے ہیں:

«إِيَّاكَ وَالدِّمَاءَ وَسَفْكَهَا بِغَيْرِ حِلِّهَا، فَإِنَّهُ لَيْسَ شَيْءٌ أَدْنَى لِنِقْمَةٍ، وَلَا أَعْظَمَ لِتَبِعَةٍ، وَلَا أَحْرَى بِزَوَالِ نِعْمَةٍ، وَانْقِطَاعِ مُدَّةٍ، مِنْ سَفْكِ الدِّمَاءِ بِغَيْرِ حَقِّهَا. وَاللهُ سُبْحَانَهُ مُبْتَدِئٌ بِالْحُكْمِ بَيْنَ الْعِبَادِ، فِيمَا تَسَافَكُوا مِنَ الدِّمَاءِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَلَا تُقَوِّيَنَّ سُلْطَانَكَ بِسَفْكِ دَمٍ حَرَامٍ، فَإِنَّ ذٰلِكَ مِمَّا يُضْعِفُهُ وَيُوهِنُهُ بَلْ يُزِيلُهُ وَيَنْقُلُهُ. وَلَا عُذْرَ لَكَ عِنْدَ اللهِ وَلَا عِنْدِي فِي قَتْلِ الْعَمْدِ، لِأَنَّ فِيهِ قَوَدَ الْبَدَنِ وَإِنِ ابْتُلِيتَ بِخَطَإٍ وَأَفْرَطَ عَلَيْكَ سَوْطُكَ أَوْ سَيْفُكَ أَوْ يَدُكَ بِالْعُقُوبَةِ، فَإِنَّ فِي الْوَكْزَةِ فَمَا فَوْقَهَا مَقْتَلَةً، فَلَا تَطْمَحَنَّ بِكَ نَخْوَةُ سُلْطَانِكَ عَنْ أَنْ تُؤَدِّيَ إِلَى أَوْلِيَاءِ الْمَقْتُولِ حَقَّهُمْ» (خط/۵۳)

دیکھو ناحق خون نہ بہانا کیونکہ کوئی چیز خون ناحق کے مانند عذاب کے نزول، سزاؤں، نعمتوں کے زوال اور عمر کی کوتاہی کا سبب نہیں ہوگی۔ خداوند عالم قیامت میں سب سے پہلے اپنے بندوں کے درمیان بہنے والے خون کا فیصلہ کرے گا۔ اپنی حکومت کو ناجائز و حرام خون بہا کر مستحکم نہ کرو کہ یہ اقدام حکومت کو کمزور و ضعیف بلکہ زوال و فنا کی طرف لے جائے گا۔ اور عمدی قتل کے سلسلہ میں تمہارا کوئی عذر خدا کی بارگاہ میں اور میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم قصاص ہے اور اگر از روئے خطا یا جلد بازی میں تمہارے تازیانہ، تلوار یا ہاتھ سے کسی کو آزار پہنچا تو یاد رکھو کہ گھونسا مارنا یا اس سے زیادہ کبھی قتل کا سبب بھی بنتا ہے، پس طاقت کا غرور کہیں تمہیں مقتول کے وارثوں کا حق ادا کرنے سے روک نہ دے۔

جو حدود و قوانین معاشرہ کے حقوق کی ادائیگی اور اس کی حرمت برقرار رکھنے کے لئے بنائے گئے ہیں ان پر عمل اور ان کا تحفظ ہر شخص پر واجب و لازم ہے اور ان حدود و حقوق کی حفاظت کے سب سے زیادہ سزاوار معاشرہ کے بزرگ اور ذمہ دار افراد ہیں، کیونکہ اگر وہ قانون شکنی کریں گے تو خدا اور خلق خدا کے نزدیک لائق مذمت ہوں گے اور پھر انہیں دوسروں سے قوانین پر عمل کرنے کی توقع نہیں ہو سکتی۔ امامؑ اپنے اس فرمان میں مالک اشترؒ کو قوانین الٰہی کی حفاظت و رعایت، مسلمانوں کی ہتک حرمت سے پرہیز اور انسانوں کا خون پامال کرنے سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں حتیٰ ان موقعوں پر بھی جہاں جان بوجھ کر نہیں بلکہ غلطی سے کوئی جرم پیش آئے وہاں بھی الٰہی قوانین کی رعایت کی تاکید کرتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ خونریزی اور فساد نہ صرف حکومت کو استحکام نہیں بخشتا بلکہ اس کے انہدام و زوال میں تیزی لاتا ہے کہ تاریخ نے ہزاروں موقعوں پر اس کا تجربہ کیا ہے۔

مساوات نیز عدل میں ذمہ داری اور اخلاق کی رعایت

حضرتؑ اور دوسرے اجتماعی حقوق کے سلسلہ میں اختصار کے ساتھ یہ فرماتے ہیں:

«اِیّاکَ وَالْاِسْتِئْثَارَ بِمَا النَّاسُ فِیْهِ اُسْوَةٌ وَالتَّغَابِیَ عَمَّا تُعْنَیٰ بِهٖ مِمَّا قَدْ وَضَحَ لِلْعُیُوْنِ فَاِنَّهٗ مَأْخُوْذٌ مِنْکَ لِغَیْرِکَ. وَعَمَّا قَلِیْلٍ تَنْکَشِفُ عَنْکَ اَغْطِیَةُ الْاُمُوْرِ وَیُنْتَصَفُ مِنْکَ لِلْمَظْلُوْمِ. اَمْلِکْ حَمِیَّةَ اَنْفِکَ وَسَوْرَةَ حَدِّکَ وَسَطْوَةَ یَدِکَ وَغَرْبَ لِسَانِکَ وَاحْتَرِسْ مِنْ کُلِّ ذٰلِکَ بِکَفِّ الْبَادِرَةِ وَتَاْخِیْرِ السَّطْوَةِ حَتّٰی یَسْکُنَ غَضَبُکَ فَتَمْلِکَ الْاِخْتِیَارَ. وَلَنْ تَحْکُمَ ذٰلِکَ مِنْ نَفْسِکَ حَتّٰی تُکْثِرَ هُمُوْمَکَ بِذِکْرِ الْمَعَادِ اِلٰی رَبِّکَ»

دیکھو جن چیزوں میں تمام لوگوں کا برابر کا حق ہے انہیں اپنے حق سے زیادہ لینے سے پرہیز کرو اور جو چیزیں دیکھنے والوں کی نگاہوں میں مشخص اور جو تمہارے ذمہ ہوں ان کے سلسلہ میں غفلت نہ برتنا کیونکہ مسلّم طور پر تم سے دوسروں کے عمل کے سلسلہ میں سوال کیا جائے گا اور جلد ہی تمہارے اعمال پر سے پردے اٹھا دیئے جائیں گے اور مظلوم کا

انتقام ظالم سے لے لیا جائے گا اپنے نفس پر قابو رکھتے ہوئے غفلت و غرور، غصہ کی شدت ہاتھ کی حرکت اور زبان کی تیزی سے بچو اور ان تمام چیزوں سے بچنے کے لئے اپنے جذبات پر قابو رکھو اور سزا دینے میں تاخیر کرو تاکہ تمہارا غصہ ٹھنڈا ہو جائے اور تمہیں اپنے آپ پر اختیار حاصل ہو جائے اس سلسلہ میں تم اپنے نفس پر اسی وقت قابو پا سکو گے جب تمہاری ساری توجہ روز قیامت اور خدا کی جانب بازگشت پر ہو۔"

امام کے اس بیان کا جائزہ لینے سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:

— حاکم اور ذمہ دار شخص کا فریضہ ہے وہ مساوات اور برابری برقرار رکھنے میں پیش پیش رہے اور اپنی قوت و طاقت سے غلط فائدہ نہ اٹھائے۔

— معاشرہ میں کسی بھی طرح کا اقدام جو حاکم نظام سے مربوط ہوتا ہے سب سے پہلے اس کی ذمہ داری حاکم پر عائد ہوتی اور اسی کو اس کا جواب دہ ہونا چاہیئے۔

— حقائق کو چھپایا نہیں جا سکتا کیوں کہ خدا کی عدالت میں ظالم و مظلوم فیصلہ کے لئے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے کئے جائیں گے۔

— حکام کو با اخلاق او منظم ہونا چاہیئے اور غفلت، غرور، غصہ، بدزبانی اور جذبات کے ابال کو قابو میں رکھتے ہوئے اپنے اختیار کی لگام اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیئے۔

— یہ مقاصد، خدا اور آخرت پر ایمان کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ لہٰذا صالح افراد کو معاشرہ کی سرنوشت اپنے ہاتھ میں رکھنا چاہیئے کہ معاشرہ کی بھلائی اور اس کی تباہی براہ راست ان سے وابستہ ہے اس سلسلہ میں حاکم نظام کے انتخاب کے سلسلہ میں عوام کے کردار کو فراموش نہ کرنا چاہیے۔

اجتماعی عدالت اور معاشرہ کا کمزور طبقہ

عدالت اجتماعی اور اس سلسلہ میں حکومت کی ذمہ داری کی بحث جاری رکھتے ہوئے ان تمام حقوقی مسائل جن کا تعلق معاشرہ کی ہر فرد سے ہے، کے علاوہ مناسب ہے کہ معاشرہ پچھلے اور کمزور طبقہ کا بھی نام لیا جائے۔ اس تخصیص کی دلیل یہ ہے کہ انسانی معاشرہ میں ایسے گروہ بھی ہیں جو ایک اجتماعی سہارا نہ رکھنے یا معاشرہ میں طاقت کے مراکز سے وابستہ نہ ہونے کی وجہ سے ہمیشہ محروم ہیں اور لوگوں کے حملوں کا نشانہ اور تمام امتیازات سے دور ہیں یہ گروہ محنت زیادہ کرتے

ہیں فائدے کم اٹھاتے ہیں کسی بھی حقوقی نظام میں سنجیدہ طور پر ان کا دفاع نہیں کیا جاتا اور یہ پوری طرح فراموش کر دیئے گئے ہیں۔ پوری تاریخ میں حاکم نظاموں کی طرف نچلے طبقوں پر تھوپی گئی ان تمام محرومیوں اور دربدری کے برخلاف ان لوگوں کے سلسلہ میں اسلامی سیاست و حکومت ایک خاص ذمہ داری رکھتی ہے، قرآن، روایات، نیز رسول اکرمؐ اور ان کے برحق جانشینوں کی سیرت و سیاست کا ایک جائزہ اس بات کا سچا گواہ ہے کہ موجودہ سیاسی نظام کے برخلاف اسلام میں محروم طبقہ گوشہ نشینی اور پستی سے ابھار کر انھیں ضروری امتیازات بھی دیئے گئے ہیں۔

یہاں ہم کلام علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے اس کی ایک مثال درج کرتے ہیں۔ مالک اشتر کے نام حضرت کے نام عہدنامہ میں آیا ہے:

«ثُمَّ اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَلطَّبَقَةِ اَلسُّفْلٰی مِنَ الَّذِینَ لاحِیلَةَ لَهُم، مِنَ الْمَساكِینَ وَالْمُحْتاجِینَ وَاَهْلِ الْبُؤْسٰی وَالزَّمْنٰی، فَاِنَّ فِیْ هٰذِهِ اَلطَّبَقَةِ قانِعاً وَمُعْتَرّاً، وَاحْفَظْ لِلّٰهِ ما اسْتَحْفَظَكَ مِنَ حَقِّهِ فِیهِم...»

خدارا! خدارا! معاشرہ کے نچلے طبقہ کا خیال رکھو ان لوگوں کا جو بے چارے، فقیر، مسکین، مشکلات میں گرفتار، دکھے ہوئے اور عاجز لوگ ہیں اس طبقہ میں قناعت پسند عزت دار لوگ اور محتاج افراد ہیں جو حق خداوند عالم نے ان سے متعلق تمہارے لئے مقرر کیا ہے اسے ادا کرو....

— یہ بات غور کرنے کی ہے کہ محروم طبقہ کی رعایت «اللّٰہ اللّٰہ فی الطبقۃ السفلی» جیسے الفاظ سے اس قدر مورد تاکید قرار پاتی ہے کہ اس کی مثال کم ہی مل سکتی ہے اس بات کا رمز اور اس کی وجہ بھی ذکر کرتے ہیں کہ یہ لوگ فقیر، کمزور، تحقیر شدہ اور نگاہوں سے اترے ہوئے ہیں کوئی ان کی فکر میں نہیں ہے اور ان کا کہیں ذکر نہیں ہوتا، حاکم اور ذمہ دار شخص کو چاہئے کہ ان لوگوں کی فکر میں رہے، ان کی تلاش میں جائے اور ان کی زندگی کے حالات سے واقفیت حاصل کرے، اور اس کام کو معمولی نہ سمجھے کیونکہ جو چیز ذمہ دار افراد کی نگاہ میں معمولی چھوٹی نظر آتی ہے وہی کمزور افراد کے لئے اہم اور تقدیر ساز ہوتی ہے۔

— یہ طبقہ عمومی اموال اور مسلمانوں کے بیت المال میں بھی اپنا حصہ رکھتا ہے جس سے انہیں کسی

صورت بھی محروم نہیں کیا جاسکتا ان کی ضروریں اسلامی عدالت کی بنیاد پر حکومت کے پاس موجود وسائل سے پوری ہونا چاہئے، چاہے وہ ملک کے دور دراز علاقوں میں رہتے ہوں۔

اس طبقہ کے حقوق سے متعلق خداوند عالم زیادہ سوال کرے گا کیونکہ ان کا خدا کے علاوہ کوئی سہارا نہیں ہے اور اس کی عدالت آخرت میں تمام بادشاہوں کے بادشاہ اور احکم الحاکمین کے حکم سے قائم ہوگی۔

امام کی نگاہ میں ظلم وستم کی بدترین قسم ضعیفوں اور کمزوروں پر ظلم ہے۔ آپ اپنے جامع اور مفصل وصیت نامہ میں اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام سے اخلاقیات اور اسلامی تربیت سے متعلق بہت سے موارد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ظلم الضعیف افحش الظلم (خط/۳۱)

کمزور پر ظلم کرنا سب سے بدتر ظلم ہے۔

کیونکہ یہ انسان کے کمینہ پن، ذلالت، بزدلی اور حقارت کی دلیل ہے کہ ایسے شخص کے حق میں ظلم کرے جس کی کوئی پناہ نہ ہو اور جو دفاع کی طاقت بھی نہ رکھتا ہو۔ اگرچہ مطلق طور سے خود ظلم کی کسی بھی طرح کوئی معقول اور جائز توجیہ نہیں کی جاسکتی لیکن کمزور اور ضعیف کے حق میں ظلم تو کسی بھی اعتبار سے قابل توجیہ نہیں ہے۔

عادل رہبروں کی ذمہ داریاں

حکومت کا عوام سے رابطہ خاص طور سے کمزور طبقے کے سلسلہ میں قانونی حقوق سے بھی آگے بڑھ کر احسان وایثار اور زہد واصلاح نفس تک پہنچتا ہے۔ حضرت علی علیہ السلام اس سلسلہ علاء بن زیاد حارثی سے گفتگو کے ضمن میں فرماتے ہیں:

"اِنّ اللّٰہ تعالیٰ فرض علیٰ ائمۃ العدل ان یقدّروا انفسھم بضعفۃ الناس کیلا یتبیّغ بالفقیر فقرہٗ" (خطبہ/۲۰۷)

بلاشبہ خداوند عالم نے عادل رہبروں پر یہ بات فرض کی ہے کہ اپنی زندگی کو ضعیفوں اور کمزوروں کی زندگی کے برابر قرار دیں تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فقیر کو اس کی تنگ دستی رنج وغم سے ہلاک کر ڈالے۔

نیز ایک خط کے ذریعہ عثمان بن حنیف کو (جب حضرت کو یہ خبر پہنچی کہ عثمان نے شادی کی ایک

پر تکلف دعوت میں شرکت کی پیٹو لوگوں کے ساتھ بیٹھے اور بھوکے فقیروں کی محرومیت کو فراموش کر گئے ہیں تو) تو یوں مخاطب فرمایا:

وما ظننت انک تجیب الی طعام قوم عائلھم مجفو وغنیھم مدعو...

مجھے یقین نہیں ہوتا کہ تم ایسے لوگوں کے دسترخوان پر بیٹھے ہو جس سے ان کے فقیر وضعیف افراد محروم اور امیر مدعو کئے گئے ہیں۔

«اَلا وَاِنَّ لِکُلِّ مَأمُومٍ اِمامٌ لایَدانٌ یَقتَدِی بِهِ وَیَستَضِیءُ بِنُورِ عِلمِهِ، اَلاوَاِنَّ اِمامَکُمْ قَدِ اکْتَفَی مِنْ دُنیاکُم بِطِمْرَیهِ وَمِنْ طُعمِهِ بِقُرْصَیهِ، اَلاواِنَّکُم لاتَقدِرُونَ عَلَی ذٰلِکَ وَلٰکِنْ اَعِینُونِی بِوَرَعٍ وَاجْتِهادٍ وعِفَّةٍ وسَدادٍ. فَوَاللّٰهِ ما کَنَزتُ مِنْ دُنیاکُم تِبْراً وَلاَ ادَّخَرْتُ مِنْ اَرْضِها شِبراً...»

آگاہ رہو کہ ہر راہ رو کا ایک رہبر ہوتا ہے جس کی وہ پیروی کرتا ہے اور جس کے نور علم سے روشنی حاصل کرتا ہے دیکھو تمہارے امام کی حالت یہ ہے کہ اس نے تمہاری دنیا میں سے دو بوسیدہ جامے اور غذا میں دو روٹیوں پر اکتفا کرلی ہے البتہ تم ایسا نہیں کر سکتے لیکن پرہیزگاری جدوجہد عفت پاکدامنی میں میری مدد کرو اور میرا ساتھ دو خدا کی قسم میں نے تمہاری دنیا سے سونا چاندی جمع نہیں کیا اور نہ اس کی زمین کا ایک بالشت حصہ بھی ذخیرہ کیا ہے۔

اس کے بعد مادی دنیا کی بے قیمتی اور اپنے زہد و تقویٰ کا ایک دوسرے حصہ میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولو شئت لاھتدیت الطریق الی مصفی ھذا العسل ولباب ھذا القمح ونسائج ھذا القز ولکن ھیھات ان یغلبنی ھوای ویقودنی جشعی الی تخیر الاطعمة ولعل بالحجاز اوالیمامة من لاطمع لہ فی القرص ولا عھد لہ بالشبع اوابیت مبطانا وحولی بطون غرثی واکباد حری"

اگر میں چاہتا کہ مصفا شہد مغز گندم اور ریشمی لباس سے استفادہ کرتا تو ایسا کر سکتا تھا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہوائے نفس مجھ پر غالب آجائے

اور حرص و طمع مجھے غذاؤں کے انتخاب پر مجبور کر دے شاید حجاز یا یمامہ میں کوئی ایسا شخص ہو جو ایک روٹی کا بھی محتاج ہو اور اسے پیٹ بھر کھانا نصیب نہ ہوا ہو یا میں شکم سیر ہو کر سوؤں جبکہ میرے ارد گرد بھوکے پیاسے افراد موجود ہوں۔

أأقنع من نفسي بان يقال هذا امير المومنين ولا اشاركهم في مكاره الدهر او اكون اسوة لهم في جشوبة العيش۔

کیا میں اس بات پر قناعت کر سکتا ہوں کہ لوگ کہیں کہ یہ امیر المومنین ہے جبکہ میں زمانہ کی سختیوں اور مشکلوں میں ان کا شریک نہ ہوں یا زندگی کی تنگیوں میں ان کے لئے نمونہ عمل نہ بنوں؟!

پندرھواں باب

اقتصادی عدل و انصاف

سماجی انصاف کے ایک حصہ کو اقتصادی انصاف اور مالی امور کے توازن سے مخصوص کیا جانا چاہیئے کیونکہ اسلام کی نگاہ میں دولت کے منابع و مخازن خدا کے تمام بندوں کے لیے ہیں اور ان منابع کو اپنی ملکیت بنانے کے لیے اسلام میں مخصوص قوانین ہیں جو اپنی جگہ مستقل ایک بحث ہیں۔ بیت المال جو عام طور سے تمام مسلمانوں کی دولت ہے اسے شرعی قواعد و قوانین کی بنیاد پر اس کے اہل افراد تک پہنچنا چاہیئے اور اسی طور پر اسلامی معاشرہ کو اس سے استفادہ کرنا چاہیئے۔ اسلامی حکومت اسے جمع کرنے، اس کی حفاظت اور تقسیم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ اس بنا پر حکومت عموماً اقتصادی مسائل میں چاہے وہ بیت المال سے متعلق ہوں یا عمومی اموال سے، منابع و معادن ہوں یا انفال اور ٹیکس وغیرہ، ایسی ذمہ داری رکھتی ہے جو حکمرانی کی سیاست سے جدا نہیں ہے قرآن کریم میں اس سلسلہ میں اشارے موجود ہیں منجملہ جناب یوسفؑ کا واقعہ ہے کہ جب انھیں قید سے آزادی کی خوشخبری دی گئی اور بادشاہ مصر نے ان کو کوئی منصب دینا چاہا تو آپؑ نے جواب میں فرمایا: زمین کے خزانوں کی ذمہ داری مجھے سونپ دے تاکہ امانت داری کے تحت نیز آمدنیوں کے مصارف اور منابع کے علم کی روشنی میں یہ فریضہ بخوبی ادا کروں گا (اجعلنی علیٰ خزائن الارض انی حفیظ علیم) اس طرح آپؑ نے مصر کے اقتصاد کو اپنے ہاتھ میں

ـے کراوراس سرزمین کی ناگفتہ بہ قحطازدہ صورت حال کو جس کا سب سے زیادہ نقصان کمزور طبقہ کے افراد کو پہنچا تھا، سدھار دیا۔

اپنی خلافت کے دوران حضرت علی علیہ السلام کی سیاست اوراس سلسلہ میں ان کے اقوال وحکم نامے دنیائے انسانیت خصوصاً امتِ اسلام اور ان کے پیروؤں کے لئے قابل توجہ اور نمونہ عمل میں یہاں ہم حضرتؑ کے اقوال کے کچھ حصے پیش کرتے ہیں:

(۱) مالک اشتر کے عہدنامہ میں ٹیکس، غنائم، آبادکاری اور زراعت کے مسائل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرتؑ اس طرف متوجہ فرماتے ہیں کہ اسلامی نظام کے ذمہ داروں کو اس سلسلہ میں کیسی روش اپنانا چاہیے۔

«وَتَفَقَّدْ اَمْرَ الْخَراجِ بِما يُصْلِحُ اَهْلَهُ فَاِنَّ فِي صَلاحِهِ وَصَلاحِهِمْ صَلاحاً لِمَنْ سِواهُمْ، وَلا صَلاحَ لِمَنْ سِواهُمْ اِلّا بِهِمْ، لِاَنَّ النّاسَ كُلَّهُمْ عِيالٌ عَلَى الْخَراجِ وَاَهْلِهِ وَلْيَكُنْ نَظَرُكَ فِي عِمارَةِ الْاَرْضِ اَبْلَغَ مِنْ نَظَرِكَ فِي اسْتِجْلابِ الْخَراجِ، لِاَنَّ ذٰلِكَ لا يُدْرَكُ اِلّا بِالْعِمارَةِ، وَمَنْ طَلَبَ الْخَراجَ بِغَيْرِ عِمارَةٍ اَخْرَبَ الْبِلادَ، وَاَهْلَكَ الْعِبادَ، وَلَمْ يَسْتَقِمْ اَمْرُهُ اِلّا قَلِيلاً فَاِنْ شَكَوْا ثِقَلاً اَوْ عِلَّةً اَوِ انْقِطاعَ شِرْبٍ اَوْ بالَّةٍ اَوْ اِحالَةَ اَرْضٍ اغْتَمَرَها غَرَقٌ، اَوْ اَجْحَفَ بِها عَطَشٌ خَفَّفْتَ عَنْهُمْ بِما تَرْجُوا اَنْ يُصْلَحَ بِهِ اَمْرُهُمْ، وَلا يَثْقُلَنَّ عَلَيْكَ شَيْءٌ خَفَّفْتَ بِهِ الْمَؤُونَةَ عَنْهُمْ، فَاِنَّهُ ذُخْرٌ يَعُودُونَ بِهِ عَلَيْكَ فِي عِمارَةِ بِلادِكَ وَتَزْيِينِ وِلايَتِكَ، مَعَ اسْتِجْلابِكَ حُسْنَ ثَنائِهِمْ وَتَبَجُّحِكَ بِاسْتِفاضَةِ الْعَدْلِ فِيهِمْ، مُعْتَمِداً فَضْلَ قُوَّتِهِمْ بِما ذَخَرْتَ عِنْدَهُمْ مِنْ اِجْمامِكَ لَهُمْ وَالثِّقَةِ مِنْهُمْ بِما عَوَّدْتَهُمْ مِنْ عَدْلِكَ عَلَيْهِمْ وَرِفْقِكَ بِهِمْ، فَرُبَّما حَدَثَ مِنَ الْاُمُورِ ما اِذا عَوَّلْتَ فِيهِ عَلَيْهِمْ مِنْ بَعْدُ احْتَمَلُوهُ طَيِّبَةً اَنْفُسُهُمْ بِهِ، فَاِنَّ الْعُمْرانَ مُحْتَمِلٌ ما حَمَّلْتَهُ. وَاِنَّما يُؤْتىٰ خَرابُ الْاَرْضِ مِنْ

إعوازِ أهلِها، وإنّما يَعوزُ أهلُها لِإشرافِ أنفُسِ الوُلاةِ على الجَمعِ وسُوءِ ظَنِّهِم بِالبَقاءِ، وقِلّةِ انتِفاعِهِم بِالعِبَرِ»

مالگزاری کے معاملہ میں ادا کرنے والوں کے مفاد کو پیش نظر رکھنا کہ عوام کی بھلائی اسی سے وابستہ ہے اس لیے کہ عوام ان ہی ٹیکسوں اور مالگزاریوں کے ذریعہ ہی زندگی بسر کرتے ہیں۔ مالگزاری یا ٹیکس وصول کرنے سے زیادہ ملک کو آباد کرنے کی فکر میں رہو کیونکہ ملک کی آبادکاری سے ہی خراج اور ٹیکس حاصل ہوتے ہیں اور جس نے آبادی و آبادکاری کے بغیر خراج وصول کیے اس نے ملک کو تباہ اور عوام کو ہلاک کر ڈالا اور آخر کار اس کی حکومت تھوڑے دنوں سے زیادہ نہ چلے گی۔

پس اگر عوام مقررہ ٹیکسوں کے بوجھ یا کسی ناگہانی آفت، بے آبی و خشک سالی سیلاب یا زمین کی خشکی کی شکایت کریں تو ان کے ٹیکسوں میں اتنی کمی کر دو کہ ان کے حالات سدھر جائیں اور یہ تخفیف و کمی خود تمہارے لیے بوجھ نہ بنے کیونکہ وہ اس ذریعہ سے ایسا ذخیرہ فراہم کریں گے جس سے شہروں کو آباد کریں گے اور تمہاری عزت و آبرو بن جائیں گے۔ مزید یہ کہ وہ تمہاری تعریف و تمجید کریں گے۔ اور تم خوش ہو گے کہ عدالت ان پر سایہ افگن ہے اور اپنے اس حسن سلوک کی وجہ سے جس کا تم نے ان کے پاس ذخیرہ کر رکھا ہے ان پر بھروسہ کر سکتے ہو اور تمہارے عدل و انصاف اور مہربانیوں کی بنا پر جن کا تم نے انھیں خوگر بنایا ہے، وہ بھی تم پر اعتماد کریں گے۔ اور کسی ناگہانی اتفاق کے پیش نظر اگر تم کوئی کام ان کے حوالے کرو گے تو وہ اسے دل سے قبول کریں گے کیونکہ ایک آباد مملکت ہر سختی و تنگی برداشت کر سکتی ہے۔ اور زمین کی تباہی عوام کے فقر و تنگدستی کا نتیجہ ہے اور عوام کی تنگدستی و غربی بھی حکام کے زیادہ سے زیادہ دولت سمیٹنے زیادہ دنوں تک اس عہدہ پر رہنے کی بدگمانی اور عبرتوں سے بہت کم سبق لینے کا ثمرہ ہے۔

حضرتؑ کے اس فرمان پر غور کرنے سے اسلامی حکومت کے نظام میں اقتصادیات اور ٹیکسوں سے متعلق مسائل کے سلسلہ میں بہت اہم نکتے نیز ان کے حدود اور فلسفے بھی سامنے آتے ہیں۔

الف: مالگزاری (ٹیکس) یا خراج سے مراد آمدنیوں پر مال کی مقررہ مقدار جو اسلامی حکومت

کی صواب دید پر وصولی اور صرف کی جاتی ہے۔ (اور یہ چیز زکوٰۃ و خمس نیز شرعی رقومات سے الگ ہے)

ب :۔ معاشرہ کو چلانے اور ملک کو آباد کرنے کے لیئے مالگزاری یا ٹیکس ضروری ہے اور اسلام میں اس کے مخصوص قواعد و ضوابط ہیں۔

ج :۔ ٹیکسوں کا ادا کرنا ملک کی ضرورت، عوام کی توانائی اجتماعی عدل و انصاف کے مطابق ہے۔ ٹیکس عوام پر بوجھ نہ بننا چاہیئے۔ اور اس کی وصول یابی میں عوام کی حالت نیز موسمی حالات مثلاً ناگہانی آفتوں، کساد بازاری اور کھیتی، صنعت و بازار میں آمدنی کی کمی کو مدنظر رکھنا چاہیئے۔

د :۔ عوام کے حق میں نرمی اور احسان کا برتاؤ حکومت سے ان کی ہمدردی اور اعتماد کی بنیاد بنتا ہے اور حکومت عوام سے اپنی ہمدردی اور تعاون کے عوض بحرانی حالات میں ان پر بھروسہ کر سکتی ہے

ھ :۔ ٹیکس بیت المال اور عمومی آمدنیاں حکام کا حصہ نہیں ہیں کہ انھیں ذخیرہ کریں، دولت میں اضافہ کریں اور ٹھاٹ باٹ سے محلوں میں عیش کریں (جیسا کہ دنیا میں ہوتا آیا ہے) بلکہ یہ ذخیرے قوم اور ملک کی فلاح و بہبود کے لیئے رکھے گئے ہیں۔

سرانجام حکام کو چاہیئے کہ وہ دنیا، طاقت اور حکومت کے سلسلہ میں زاہدانہ اور عبرت انگیز روش اختیار کرتے ہوئے خود کو عیش و عشرت، دولت اور انانیت سے آزاد کریں تاکہ قوم کے سچے خدمت گزار بن سکیں۔

(۲) حضرت علی علیہ السلام مکہ میں اپنے گورنر "قثم ابن عباس" سے ایک خط میں ان کے فرائض منصبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

«وَ انْظُرْ مَا اجْتَمَعَ عِنْدَكَ مِنْ مَالِ اللهِ فَاصْرِفْهُ اِلٰی مَنْ قِبَلَكَ مِنْ ذَوِي الْعِيَالِ وَالْمَجَاعَةِ مُصِيباً بِهِ مَوَاضِعَ الْفَاقَةِ وَالْخَلَّاتِ وَمَا فَضَلَ عَنْ ذٰلِكَ فَاحْمِلْهُ اِلَيْنَا لِنَقْسِمَهُ فِيمَنْ قِبَلَنَا» (خطبہ/۶۷)

مال خدا میں سے جو کچھ تمہارے پاس جمع ہوا ہے اسے پوری نگرانی کے ساتھ اپنے یہاں کے محتاجوں اور بھوکوں میں تقسیم کرو اور فقر و احتیاج کے مواقع کو اولیت دو اس سے جو بچ رہے اسے میرے پاس بھیج دو تاکہ میں اسے اپنے اطراف کے مستحقین میں تقسیم کر دوں۔"

امامؑ نے اس فرمان میں اقتصادی مسائل و مشکلات کے علاقائی ہونے پر زور دیتے ہوئے ہدایت فرمائی ہے کہ ملک کے ہر علاقہ کی آمدنی اسی علاقہ کے محتاجوں اور ضرورت مندوں پر صرف ہونی چاہئے اور جب تک اس علاقہ میں فقیر یا دوسرے ضروری موارد موجود ہوں اس آمدنی کا دوسرے علاقوں میں منتقل کرنا جائز نہیں ہے حکومت کا مرکز عمومی دولت کے جمع ہونے اور ملک کے بجٹ کا مرکز نہیں ہونا چاہئے کیونکہ ایسی صورت میں ملکوں کے مراکز آباد اور گرد و نواح نیز دوسرے شہر ویرانی کا شکار ہو جائیں گے۔

(۳) جب آپؑ منصب خلافت پر فائز ہوتے ہیں تو حکم صادر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں سے متعلق زمینیں جو پہلے کے خلیفہ کی طرف سے خاص افراد مثلاً معاویہ اور مروان کو واگزار ہوئی تھیں بیت المال میں واپس پلٹائی جائیں اور خود بے مثال قطعیت کے ساتھ فرماتے ہیں:

«وَاللّٰهِ لَوْ وَجَدْتُهُ قَدْ تُزُوِّجَ بِهِ النِّسَاءُ وَمُلِكَ بِهِ الْاِمَاءُ لَرَدَدْتُهُ. فَإِنَّ فِي الْعَدْلِ سَعَةً وَمَنْ ضَاقَ عَلَيْهِ الْعَدْلُ فَالْجَوْرُ عَلَيْهِ اَضْيَقُ»

(خطبہ/۱۵)

خدا کی قسم اگر میں نے دیکھا کہ اس مال سے شادی کی گئی ہے یا کوئی کنیز خریدی گئی ہے تو میں اسے بھی بیت المال میں پلٹا لوں گا کیونکہ عدل میں وسعت و کشائش ہے اور جو شخص عدل کے ذریعہ تنگنا میں ہو وہ ظلم کے ذریعہ زیادہ سختی کا شکار ہوگا»

کیا اس سے زیادہ فیصلہ کن بات بھی کہی جا سکتی ہے؟ غاصبوں اور لٹیروں کے حلق سے ملت کے حقوق نکال لینے کے لئے خدا کی قسم پے در پے تاکید، حتیٰ اگر یہ حقوق عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی قیمتوں میں بھی صرف ہوئے ہوں، انہیں بھی ہر صورت میں مسلمانوں کے بیت المال میں واپس پلٹایا جائے۔ اس قطعیت کو سماجی انصاف کے لئے نمونۂ عمل قرار دینا چاہئے۔

(۴) بعض ظاہری طور پر مصلحت اندیش افراد اعتراض کرتے ہیں کہ آخر امام بیت المال کی تقسیم میں مساوات پر اس قدر زور کیوں دیتے ہیں؟ تو آپ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

«اَتَأْمُرُونِّي اَنْ اَطْلُبَ النَّصْرَ بِالْجَوْرِ فِيمَنْ وُلِّيتُ عَلَيْهِ؟ وَاللّٰهِ

لا أطُورُ بِهِ ما سَمَرَ سَمِيرٌ وما أمَّ نَجمٌ في السَّماءِ نَجماً لَوْ كانَ المالُ لِي لَسَوَّيْتُ بَيْنَهم، فَكَيْفَ وإنّما المالُ مالُ اللهِ. ألا وإنَّ إعطاءَ المالِ في غَيرِ حَقِّهِ إسرافٌ وتَبذيرٌ وهُوَ يَرْفَعُ صاحِبَهُ في الدُّنيا ويَضَعُهُ فِي الآخِرَةِ ويُكْرِمُهُ فِي النّاسِ ويُهِينُهُ عِندَ اللهِ. ولَمْ يَضَعْ امْرُؤٌ مالَهُ في غَيرِ حَقِّهِ ولا عِنْدَ غَيرِ أهلِهِ إلاّ حَرَمَهُ اللهُ شُكْرَهُم وَكانَ لِغَيرِهِ وُدُّهُم. فَإنْ زَلَّتْ بِهِ النَّعلُ يَوْماً فَاحْتاجَ إلى مَعُونَتِهِم فَشَرُّ خَلِيلٍ وَألأمُ خَدِينٍ»

(خطبہ/۱۲۴ نہج البلاغہ مترجم اردو)

کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں ظلم و ستم کی راہ سے اپنی قوم پر کامیابی حاصل کروں؟ بخدا کی قسم جب تک ایک ستارہ دوسرے ستارے کے پیچھے طلوع ہوتا رہے گا میں ہرگز یہ اقدام نہ کروں گا۔ اگر یہ خود میرا ذاتی مال ہوتا تو بھی میں اسے لوگوں کے درمیان برابر سے تقسیم کرتا جبکہ یہ خدا کا مال ہے۔ آگاہ رہو کہ ناحق اور بے جا مال صرف کرنا اسراف و فضول خرچی ہے۔ یہ عمل اپنے مرتکب کو دنیا میں تو بلند کر دیتا ہے اور آخرت میں پست، لوگوں کے درمیان عزت دار اور خدا کے نزدیک ذلیل و خوار بنا دیتا ہے جس شخص نے بھی اپنا مال بے جا صرف کیا اور کسی نااہل کو بخش دیا خدا اسے ان لوگوں کے شکریہ سے محروم کر دے گا، ان کی دوستی و محبت دوسروں کی طرف منتقل کر دے گا اگر کسی دن اس کے پیر پھسلے (یعنی وہ غریب و فقیر ہوا) اور ان کی مدد کا محتاج ہو تو یہی لوگ اس کے بدترین دوست اور برے ساتھی ثابت ہوں گے

امامؑ کے نقطۂ نگاہ میں آدمی کو نہ صرف دوسرے کے اموال اور حقوق میں ناانصافی کا حق نہیں ہے بلکہ اس کا فریضہ ہے کہ اپنے ذاتی مال کی تقسیم میں بھی عدل و مساوات کا پابند رہے، ذاتی و شخصی اموال بھی معاشرہ کے بعض اسباب و علل اور مقدمات کا نتیجہ ہیں، معاشرہ سے الگ تھلگ صرف ایک انسان کی کدو کاوش کا ماحصل نہیں ہیں لہٰذا یہ مال و دولت اس طرح صرف کی جائے جو سماجی عدل و مساوات کے حق میں ہو۔

اور اگر شخصی مال بھی معاشرہ سے الگ صرف ایک شخص کی محنتوں کا نتیجہ تھا پھر بھی انسان کی انفرادی و اجتماعی ذمہ داری، الہٰی فریضہ اور انسانی احساس و وجدان کا تقاضا ہے کہ اسے غیر شرعی فضول خرچی کے طور پر صرف نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جب معاشرہ میں غریب و فقیر افراد موجود ہوں تو کسی کو بھی زیب نہیں دیتا کہ اپنی ذاتی دولت اسراف و فضول خرچی میں صرف کرے اور دوسروں کی ضرورتوں کو دیکھتا رہے انفرادی عدل و انصاف جو ہر ایک مسلمان کا فرض اور حقیقت عالم کی بنیادی اساس ہے، کا تقاضا ہے کہ لوگ سماجی عدل و انصاف کو اہمیت دیں، خود کو معاشرہ سے الگ تھلگ نہ سمجھیں اور جو مال ان کی زندگی کا ثمرہ ہے اسے انصاف کی راہ اور انسانوں کی ضرورت کے مطابق صرف کریں کہ اسی میں خدا کی رضا ہے یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ امامؑ کے نقطہ نگاہ میں ذکر ہونے والا عمل کا یہ مرحلہ حرف اور صرف ان کے ایمانی مکتب فکر کی نمود ہے اور کسی بھی انسانی مکتب فکر اور حقوقی نظام میں اس کے تصور کی بھی طاقت نہیں ہے

دوسرا نکتہ جس پر امام نے زور دیا، انسانی قلب و روح پر انصاف و ناانصافی کا وضعی اثر ہے، علت و معلول کے نظام پر مبنی قانون کے مطابق ہر وجود اپنا ایک خاص اثر رکھتا ہے اور ہر عادت کے ناقابل انکار نتائج۔ ناانصافی اور بے جا بخشش اگرچہ ایک سراب کے مانند کچھ لوگوں کی نظر میں انسان کا پسندیدہ چہرہ پیش کرتی ہے، لیکن منطقی تجزیہ اور خارجی اثر کی روشنی میں وہ آدمی کو زوال، بدنامی اور بدانجامی کی طرف کھینچ لے جائے گی یہاں تک کہ خداوند عالم ان لوگوں کے دلوں سے جن پر یہ نوازش ہوئی ہے اس بخشش اور در اصل محبت کی رشوت کا اثر زائل کر کے اس سے لاتعلق بنا دے گا اور وہ آخرت کی ذلت و سزا سے بھی محفوظ نہ رہے گا۔

عدل کے نفاذ پر بھرپور نگرانی

امام علیہ السلام ملک کے مختلف حصوں میں اپنے گورنروں کو خطوط تحریر فرماتے ہوئے بیت المال میں خرد برد، تقسیم میں ناانصافی اور فضول خرچی پر ان سے جواب طلب کرتے اور ان کے اقدام کی مذمت کرتے ہوئے عوام کے تلف شدہ حقوق بیت المال میں واپس لوٹانے کی تاکید فرماتے ہیں مثال کے طور پر :

⑤ حضرتؑ کے ایک خط میں آیا ہے :

«اَمّا بَعْدُ فَقَدْ بَلَغَنِیْ عَنْکَ اَمْرٌ، اِنْ کُنْتَ فَعَلْتَهُ فَقَدْ اَسْخَطْتَ رَبَّکَ وعَصَیْتَ اِمامَکَ وَاَخْزَیْتَ اَمانَتَکَ. بَلَغَنِی اَنَّکَ جَرَّدْتَ الْاَرْضَ فَاَخَذْتَ ماتَحْتَ قَدَمَیْکَ وَاَکَلْتَ ماتَحْتَ یَدَیْکَ، فَارْفَعْ اِلَیَّ حِسابَکَ وَاعْلَمْ اَنَّ حِسابَ اللهِ اَعْظَمُ مِنْ حِسابِ النّاسِ والسلام» (خط/۴۰)

"تمہارے متعلق مجھے ایک ایسی خبر ملی ہے کہ اگر حقیقتاً تم نے ایسا کیا ہوگا تو اپنے پروردگار کو ناراض اپنے امام کی نافرمانی ، اور اپنی امانت داری کو ذلیل و رسوا کیا ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ تم نے ایک زمین پر ہاتھ صاف کیا ہے اور جو کچھ تمہارے پاؤں کے نیچے تھا اسے اچک لیا اور جو تمہارے ہاتھوں کے نیچے تھا اسے چٹ کر گئے ہو پس تم اپنا حساب میرے پاس بھیجو اور یہ جان لو کہ انسانوں کے حساب سے اللہ کا حساب کہیں زیادہ سخت ہے ۔ والسلام

⑥ حضرتؑ اپنے ایک گورنر کو سخت الفاظ میں خط لکھ کر اسے غریبوں، یتیموں، مومنوں اور مجاہدوں کے اموال میں اسراف و فضول خرچی خورد برد اور انھیں ہتھیا لینے پر اسے بری طرح سے توبیخ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

«فَاتَّقِ اللهَ وَارْدُدْ اِلَیٰ هٰؤُلاءِ الْقَومِ اَموالَهُم. فَاِنَّکَ اِنْ لَمْ تَفْعَلْ ثُمَّ اَمْکَنَنِیَ اللهُ مِنْکَ لَاُعْذِرَنَّ اِلَی اللهِ فِیکَ ولَاَضْرِبَنَّکَ بِسَیْفِی الَّذی ما ضَرَبْتُ بِهِ اَحداً اِلّا دَخَلَ النّارَ وَوَاللهِ لَوْاَنَّ الْحَسَنَ والْحُسَینَ فَعَلا مِثْلَ ما فَعَلْتَ ما کانَتْ لَهُما عِنْدی هَوادَةٌ ولَا ظَفَرا مِنّی بِاِرادَةٍ حَتّیٰ آخُذَ الْحَقَّ مِنْهُما»

(خط/۴۱)

اللہ سے ڈرو اور ان لوگوں کا مال ان کے مالکوں کو پلٹا دو، کہ اگر تم نے اس حکم پر عمل نہ کیا اور خدا نے مجھے تم پر قابو دے دیا تو میں خداوند عالم کی بارگاہ میں

تمہارے اعمال کا عذر طلب کرتے ہوئے اپنی تلوار کو تمہارے خون سے رنگین کر دوں گا کہ جو بھی اس کی زد پر آیا سیدھا دوزخ میں گیا۔ خدا کی قسم اگر (میرے بیٹے) حسنؑ و حسینؑ بھی وہ کام کرتے جو تم نے کیا ہے تو میں ان کے حق میں بھی کوئی رعایت نہ کرتا اور بلا شبہ دوسروں کا حق ان سے واپس لے لیتا"۔

حق کی حاکمیت کے نظام میں بیٹوں اور قریب ترین دوستوں اور عزیزوں کو بھی حق کے پنجے سے مفر نہیں ہے اور اگر بربنائے فرض ان سے بھی لوگوں کے حق میں خرد برد، بھول چوک ہو جائے تو امام کے قاطع موقف میں حق و عدل کی وہی صلابت پائی جائے گی۔

عمومی اموال سب کے لئے

(۷) عبداللہ بن زمعہ نامی ایک شیعہ امامؑ کی خلافت کے دوران ان کی خدمت میں آتا ہے، اور ان سے کچھ مال کا تقاضا کرتا ہے تو حضرتؑ اس کے جواب میں فرماتے ہیں:

«اِنَّ هٰذَا الْمَالَ لَيْسَ لِيْ وَلَا لَكَ، وَاِنَّمَا هُوَ فَيْءٌ لِلْمُسْلِمِيْنَ وَجَلْبُ اَسْيَافِهِمْ، فَاِنْ شَرِكْتَهُمْ فِيْ حَرْبِهِمْ كَانَ لَكَ مِثْلُ حَظِّهِمْ، وَاِلَّا فَجَنَاةُ اَيْدِيْهِمْ لَا تَكُوْنُ لِغَيْرِ اَفْوَاهِهِمْ»

(خطبہ/ ۲۲۳ و ۲۲۹) از نہج البلاغہ مترجم اردو

بلا شبہ یہ مال نہ میرا ہے اور نہ تمہارا بلکہ یہ مسلمانوں کا ہے اور ان کی تلواروں سے حاصل کیا ہوا۔ پس اگر تم نے ان کے ساتھ جنگ میں شرکت کی ہوتی تو ان لوگوں کی طرح اس میں تمہارا حصہ بھی ہوتا، ورنہ ان لوگوں کے ہاتھوں کی کمائی دوسروں کے منہ کا نوالہ بنے یہ مناسب نہیں ہے"۔

(۸) جب حضرتؑ کو خبر ملی کہ اردشیر خرہ ۷۵ میں آپؑ کے گورنر مصقلہ بن ہبیرہ نے اموال مسلمین کے سلسلہ میں لاابالی پن سے کام لیا ہے تو آپؑ نے اسے تحریر فرمایا:

---

۷۵ اس زمانہ میں ایران کا ایک شہر

«بلغني عنک امر ان کنت فعلته فقد اسخطت الٰهک وعصيت امامک، انک تقسم فيئ المسلمين الذي حازته رماحهم وخيولهم وأريقت عليه دمائهم، فيمن اعتامک من اعراب قومک. فوالذي فلق الحبة وبرأ النسمة لئن کان ذلک حقا لتجدن لک علیّ هوانا ولتخفن عندي ميزانا فلا تستهن بحق ربک ولا تصلح دنياک بمحق دينک فتکون من الاخسرين اعمالاً» (خط/۴۳)

تمہارے متعلق مجھ تک ایک خبر پہنچی ہے کہ اگر تم نے ایسا کیا ہوگا تو اپنے خدا کو ناراض اور اپنے امام کی نافرمانی کی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے مسلمانوں کے اموال کو جسے ان کے نیزوں اور گھوڑوں نے جمع کیا اور جس کے لئے ان کا خون بہایا گیا، اپنی قوم کے عرب بدوؤں میں تقسیم کردیا جو تمہارے ہوا خواہ ہیں اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور جاندار چیزوں کو پیدا کیا، اگر یہ خبر سچ ہے تو تم خود کو میری نظر میں ذلیل وسبک پاؤ گے پس الٰہی حقوق کو حقیر مت سمجھو اپنی دنیا اپنا دین برباد کرکے نہ سنوارو ورنہ سخت نقصان اور خسارہ میں رہو گے۔

آذربائیجان میں اپنے گورنر "اشعث ابن قیس" کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:

«وان عملک ليس لک بطعمة ولکنه في عنقک امانة وانت مسترعیٰ لمن فوقک، ليس لک ان تفتات في رعية ولا تخاطر الا بوثيقة وفي يديک مال من مال الله عزوجل. وانت من خزانه حتیٰ تسلمه اليّ ولعلّي ان لا اکون شر ولاتک لک. والسلام.» (خط/۵)

تمہارا عہدہ کوئی لقمہ تر نہیں ہے بلکہ تمہاری گردن پر ایک امانت ہے اور تم اپنے حاکم بالا کی طرف سے اس کی حفاظت پر مامور ہو، یہ تمہارے لئے زیبا نہیں ہے کہ رعایا کے ساتھ من مانی کرو یا کسی محکم دلیل کے بغیر کسی اہم کام میں ہاتھ ڈالو۔

تمہارے ہاتھ میں خدائے بزرگ و برتر کے مال میں سے کچھ مال ہے اور تم اس کے خزانچی ہو نگہبان ہو یہاں تک کہ اسے مجھ تک پہنچا دو شاید میں تمہارے لئے برا حاکم نہ قرار پاؤں والسلام،،

نہج البلاغہ میں ہے کہ حضرت جب بھی کسی شخص کو صدقات کی وصول یابی کے لئے روانہ فرماتے تھے اسے ایک خط تحریر فرماتے تھے اور ہر حال میں خاص طور سے ان امور میں جو حقوق الناس سے متعلق ہوں تقویٰ و پرہیزگاری کی تاکید کرتے ہوئے انھیں نصیحت کرتے تھے کہ صدقات اور شرعی رقوم کی وصول یابی میں اخلاقی روش، عدل و انصاف اور مصالحت و مسالمت سے کام لیں۔

ٹیکسوں کی وصول یابی

اس نکتہ کے پیش نظر کہ مالیات (ٹیکسوں) اور شرعی رقومات کی وصول یابی کے سلسلہ میں اس خط میں اہم نکات بیان ہوئے ہیں اور اقتصادی امور کے ذمہ دار افراد کے لئے نیز ٹیکس وصول کرنے کے سلسلہ میں اس کی باریکیوں پر غور کرنا بہتر ہے لہٰذا ہم اس خط کا ایک حصہ یہاں پیش کرتے ہیں:

«اِنْطَلِقْ عَلیٰ تَقْوَی اللّٰهِ وَحْدَهُ لَاشَرِیکَ لَهُ وَلَا تُرَوِّعَنَّ مُسْلِماً وَلَا تَجْتَازَنَّ عَلَیْهِ کَارِهاً وَلَا تَأْخُذَنَّ مِنْهُ اَکْثَرَ مِنْ حَقِّ اللّٰهِ فِی مَالِهِ، فَاِذَا قَدِمْتَ عَلَی الْحَیِّ فَانْزِلْ بِمَائِهِمْ مِنْ غَیْرِ اَنْ تُخَالِطَ اَبْیَاتَهُمْ، ثُمَّ امْضِ اِلَیْهِمْ بِالسَّکِینَةِ وَالْوَقَارِ، حَتّٰی تَقُومَ بَیْنَهُمْ فَتُسَلِّمَ عَلَیْهِمْ وَلَا تُخْدِجْ بِالتَّحِیَّةِ لَهُمْ ثُمَّ تَقُولَ: عِبَادَ اللّٰهِ! اَرْسَلَنِی اِلَیْکُمْ وَلِیُّ اللّٰهِ وَخَلِیفَتُهُ لِاٰخُذَ مِنْکُمْ حَقَّ اللّٰهِ فِی اَمْوَالِکُمْ فَهَلْ لِلّٰهِ فِی اَمْوَالِکُمْ مِنْ حَقٍّ فَتُؤَدُّوهُ اِلیٰ وَلِیِّهِ؟ فَاِنْ قَالَ قَائِلٌ: لَا، فَلَا تُرَاجِعْهُ وَاِنْ اَنْعَمَ لَکَ مُنْعِمٌ فَانْطَلِقْ مَعَهُ مِنْ غَیْرِ اَنْ تُخِیفَهُ اَوْ تُوعِدَهُ اَوْ تَعْسِفَهُ اَوْ تُرْهِقَهُ، فَخُذْ مَا اَعْطَاکَ مِنْ ذَهَبٍ

أَوْ فِضَّةٍ فَإِنْ كَانَ لَهُ مَاشِيَةٌ أَوْ إِبِلٌ فَلَا تَدْخُلْهَا إِلَّا بِإِذْنِهِ»

(خط/۲۵)

خدائے وحدہ لاشریک کا خوف دل میں لئے ہوئے چل پڑو، کسی مسلمان کو مت ڈراؤ بغیر اجازت اس کے پاس نہ جاؤ، اللہ کے حق سے زیادہ اس سے نہ لو پس جب تم کسی قبیلہ پر وارد ہو تو ان کے پانی بھرنے کی جگہوں (کنوؤں) پر ٹھہرو ان کے گھروں میں نہ جاؤ اس کے بعد پوری متانت و وقار کے ساتھ ان کی طرف روانہ ہو اور ان کے درمیان کھڑے ہو کر سلام کرو ان کی عزت و احترام سے دریغ نہ کرو پھر ان سے مخاطب ہو کر کہو: اے اللہ کے بندو! مجھے اللہ کے ولی اور خلیفۃ اللہ نے تمہارے پاس بھیجا ہے تاکہ تم سے اللہ کا حق لے لوں کیا تمہارے مال میں خدا کا کچھ حق موجود ہے کہ اس کے نمائندہ کو ادا کرو؟ پس اگر کسی نے انکار کیا تو اس کی بات مت کاٹو اور اگر کسی نے تیرے ساتھ بخشش کی تو اس کے ہمراہ جاؤ اسے ڈراؤ دھمکاؤ نہیں یا اس کو رنج اور دباؤ میں نہ ڈالو جو کچھ سونا اور چاندی (دینار و درہم) وہ تمھیں دے اسے لے لو اور اگر اس کے پاس گائے گوسفند یا اونٹ ہوں تو اس کی اجازت کے بغیر ان کے قریب مت جاؤ۔۔۔۔«

اس خط میں آگے بھی صدقات دینے والوں کے ساتھ اسلامی، انسانی، و اخلاقی برتاؤ کرنے کی نصیحت و تاکید کی گئی ہے جو قابل توجہ ہے لیکن اختصار کے پیش نظر ہم یہاں اس کے ذکر سے گریز کرتے ہیں۔

جامع نہج البلاغہ سید رضیؒ نے حضرتؑ کا ایک اور خط نقل کیا ہے جسے آپ نے صدقات کے ایک اور عامل کو تحریر فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں علامہ رضیؒ مزید فرماتے ہیں کہ: ہم نے یہ خط یہاں اس لئے ذکر کیا ہے تاکہ یہ بات ثابت ہو جائے کہ امامؑ تمام چھوٹے بڑے اہم اور غیر اہم امور میں حق قائم کرنے اور عدل و انصاف برقرار کرنے کے لئے کس قدر اہتمام برتتے تھے۔ اس خط میں تقوائے الٰہی، خدا کی طرف توجہ اور اس کی نافرمانی کا خوف رکھنے کی تاکید، اور یہ بتاتے ہوئے کہ عاملوں اور گورنروں کو عوام کے ساتھ نرمی اور درگزر کا سلوک کرنا چاہیے تحریر فرماتے ہیں:

«وإنّ لَکَ فی هٰذِهِ الصَّدَقاتِ نَصیباً مَفروضاً وحَقّاً معلوما وشُرکاءَ أهْلَ مَسْکَنَةٍ وضُعفاءَ ذَوِی فاقَةٍ وإنّا لَمُوَفّوکَ حقّکَ. فَوَفّهِم حُقوقَهُم وَإلاّ تَفعَلْ فَإنّکَ مِنْ أکْثَرِ النّاسِ خُصوماً یَوْمَ الْقِیامَةِ، وبُؤْسَی لِمَنْ خَصْمُهُ ـ عِندَاللهِ ـ اَلفُقَراءُ وَالمَساکِیْنُ والسّائلونَ والمَدْفُوعُونَ وَالْغارِمُونَ وَابْنِ السَّبیلِ وَمَنْ اسْتَهانَ بِالأمانَةِ ورَتَعَ فِیْ الخِیانَةِ ولَمْ یُنَزِّهْ نَفْسَهُ وَدِینَهُ عَنها فَقَدْاحَلَّ بِنَفْسِهِ الذُّلَّ والخِزْیَ فِیْ الدُّنیا وهُوَفِیْ الأخِرَةِ أذَلُّ وأخزیٰ. وإنّ أعْظَمَ الخِیانَةِ خِیانَةُ الاُمّةِ وأفْظَعَ الغِشِّ غِشُّ الأئمةِ. والسلام»

(خط/۲٦)

"ان صدقات میں تمہارا ایک حصہ اور ایک حق معین ہے اور محتاج، معذور اور اہل حاجت تمہارے شریک ہیں۔ ہم تمہارا حق دیں گے تم بھی ان لوگوں کا حق دو اور اگر تم نے حق کی ادائیگی میں کوتاہی کی تو قیامت کے دن لوگ سب سے زیادہ تمہارے دشمن ہوں گے برا ہو اس شخص کا کہ خدا کی بارگاہ میں فقرا، غربا، محتاج، محروم، قرض دار اور سفر سے رہ جانے والے افراد اس کے دشمن ہوں اور جو شخص امانت کو حقیر سمجھے خیانت کرے اور اپنا نفس و دین اس سے محفوظ نہ رکھے درحقیقت وہ دنیا کی ذلت و خواری میں مبتلا ہوا اور آخرت میں اس سے زیادہ ذلت و رسوائی اس کی منتظر ہے۔ بلاشبہ سب سے بڑی خیانت امت کے ساتھ خیانت ہے اور بدترین دھوکہ دہی و دغل بازی رہبران دین سے دھوکہ ہے والسلام"۔

سولھواں باب

علیؑ کی نگاہ میں صلح کے معیار

اسلام کے سیاسی، اجتماعی نظام میں قابل بحث مسائل میں ایک مسئلہ مخالفین سے صلح، تفاہم کے شرائط نیز صلح کے پہلوؤں اور دائروں کا مسئلہ ہے۔ اسلام اگرچہ مخالفوں کے مقابل اپنا قطعی اعتقادی و سیاسی موقف رکھتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے کہ باہم مشترک اور قابل قبول اصولوں پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کے ساتھ صلح پسندانہ پر امن زندگی نہیں گزار سکتا اصل مسئلہ ان موقفوں اور اصولوں کے تحفظ کا ہے جنھیں ہر حال اور تمام شرائط میں بنیادی محور قرار پانا چاہیے۔

اسلامی تاریخوں میں سند کے طور پر پیغمبر اسلامؐ اور مشرکوں کے درمیان ہونے والی صلح حدیبیہ یا امام حسنؑ اور معاویہ کے مابین ہونے والے معاہدۂ صلح کا نام لیا جاسکتا ہے جس کی تفصیل اپنی جگہ کتابوں میں موجود ہے۔ یہاں ہم حضرت علی علیہ السلام کے بیانات کے چند نمونے پیش کر رہے ہیں جن سے صلح کی بنیادوں کو مشخص کیا جاسکتا ہے منجملہ وہ خط جو آپ نے مختلف شہروں کے لوگوں کو لکھا ہے اس میں صفین کے افسوس ناک واقعہ میں مسلمانوں کے درمیان پیدا ہونے والے اختلاف اور اس سے دشمنوں نے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں

«وكانَ بَدءُ أمرِنا أنّا اَلتَقَينا وَالقَومُ مِنْ أهلِ الشّامِ، وَالظّاهِرُ أنّ دِينَنا واحدٌ ونَبيَّنا واحِدٌ ودَعوَتَنا في الإسلامِ واحِدةٌ، ولا نَستَزيدُهم في الإيمانِ باللهِ وَالتَّصديقِ بِرَسولِهِ ولا يَستَزيدُونَنا. ألأمرُ واحِدٌ إلّا ما اَختَلَفنا فيهِ مِنْ دَمِ عثمانَ ونَحنُ بُرَآءُ مِنهُ. فَقُلنا تَعالَوا نُداوِ ما لا يُدرَكُ اليَومَ بِإطفاءِ آلنّائِرَةِ وتَسكينِ العامّةِ حَتّىٰ يَشتَدَّ الأمرُ ويَستَجمِعَ فَنَقوىٰ عَلىٰ وَضعِ الحَقِّ مَواضِعَهُ. فَقالُوا بَلْ نُداوِيهِ بِالمُكابَرَةِ فَأبَوا حَتّىٰ جَنَحَتِ الحَربُ وَرَكَدَتْ وَوَقَدَتْ نيرانُها وحَمِسَتْ. فَلَمّا ضَرَّسَتنا وَإيّاهُم ووَضَعَتْ مَخالِبَها فينا وفيهِم، أجابُوا عِندَ ذٰلكَ إلىٰ الّذي دَعَوناهُم إلَيهِ، فَأجَبناهُم إلىٰ ما دَعَوا، وسارَعناهُم إلىٰ ما طَلَبُوا حَتّىٰ آستَبانَتْ عَلَيهِمُ الحُجّةُ وَآنقَطَعَتْ مِنهُمُ المَعذِرَةُ»

(خط/۵۸)

ابتدائی صورت حال یہ تھی کہ ہم اہل شام کے مقابل صف آرا ہوئے بظاہر ہمارا خدا اور ہمارا پیغمبر ایک تھا اور ہم ایک ہی اسلام کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے، خدا پر ایمان اور اس کے رسول کی تصدیق میں بظاہر ایک دوسرے پر کوئی برتری نہیں رکھتے تھے۔ بات ایک ہی تھی صرف اختلاف خون عثمان کے سلسلہ میں تھا جبکہ ہم اس سے بری تھے ہم یہ کہتے تھے کہ آؤ ماضی کا جبران کرتے ہوئے فتنوں کی آگ بجھا ڈالیں اور لوگوں میں امن وامان کی فضا پیدا کریں تاکہ کار زندگی میں استحکام پیدا ہو انتشار کا خاتمہ ہو پھر ہم حق کو اس کی صحیح جگہ پر رکھ سکیں۔ ان لوگوں نے کہا، نہیں، ہم جنگ کے ذریعہ مسئلہ حل کریں گے! اور جب انھوں نے ہماری بات ماننے سے انکار کر دیا تو جنگ نے اپنے پر پھیلا دیئے اور جاری رہی، اس کے شعلے بھڑک اٹھے اور شدت بڑھ گئی یہاں تک کہ اس نے ان پر اور ہم پر اپنے دانت گڑائے اور اپنے پنجوں میں جکڑ لیا تو اس بات کو انھوں نے قبول کر لیا جس سے منھ پھیرے تھے۔ ہم نے بھی ان کی

پیشکش مان لی اور ان کی تجویز کو جلدی سے قبول کر لیا اس طرح ان پر حجت پورے طور سے واضح ہوگئی اور ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہا "

اس قیمتی اور سبق آموز خط سے چند راہ نمائیاں ملتی ہیں :

۱۔ امت کے اصول اتحاد کو تشکیل دینے والی چیز خدا، اس کے رسول اور ایک مکتب فکر پر ایمان ہے۔ ان بنیادوں کے محفوظ رہنے کی صورت میں اگرچہ دوسرے فرعی، اجتماعی یا سیاسی مسائل میں مختلف نظریے پائے جائیں پھر بھی اس طرح کے اختلافات مشترک اہداف و مقاصد تک پہنچنے میں رکاوٹ نہیں بن سکتے ۔

۲۔ آپسی شگافوں کو پر کرنا اور اختلاف نظر کے باوجود صلح و آشتی کی کوشش کرنا ایسی چیز ہے جس سے اسلامی معاشرہ کو فائدہ پہنچتا ہے ۔ صلح فتنہ کی آگ کو خاموش کرتی ہے مشترکہ دشمنوں کے لئے میدان ناہموار کر دیتی ہے۔ نتیجہ میں اسلامی محاذ قوی ہوتا ہے اور مفاہمت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایسے ماحول میں دوسرے اختلافات بھی حل کئے جا سکتے ہیں ۔

۳۔ اختلاف و فتنہ کے موقعوں پر سب سے پہلی پیشکش حق کے محاذ کی طرف سے صلح و آشتی کی ہوتی ہے اور حق اس بات پر اس قدر اصرار کرتا ہے کہ اپنے مد مقابل کی ہمراہی اختیار کرتا ہے اور جب دشمن فتنہ پر اتر آتا ہے تو اس سے جنگ کرتا ہے لیکن جب دشمن مصالحت پر آمادہ ہوتا ہے تو حق بھی صلح کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور ہمیشہ صلح و آشتی قبول کرنے پر آمادہ رہتا ہے ۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے اصولوں سے دست بردار ہو جائے بلکہ یہ اقدام دشمن کو متنبہ مصلحت اسلام کی رعایت اور فتنہ کی آگ خاموش کرنے کے لئے حق کی طرف سے صبر و تحمل کا اظہار ہے ۔

حضرتؑ نے مالک اشتر کے نام اپنے عہد نامہ میں دشمن سے صلح، اس کے شرائط، طریقہ کار نیز معاہدوں کی نزاکت و اہمیت اور ان کے اخلاقی پہلوؤں سے متعلق مستقل ایک فصل قائم کی ہے ۔

حضرتؑ فرماتے ہیں :

صلح کی سیاست اور اس کے شرائط

«ولا تَدْفَعَنَّ صُلْحاً دَعاکَ إلَيْه عَدُوُّکَ ولِلّهِ فيهِ رِضیً، فَإنَّ فِی الصُّلْحِ دَعَةً لِجُنُودِکَ، ورَاحَةً مِنْ هُمُومِکَ وَأمْناً لِبِلادِکَ، ولٰكِنِ الْحَذَرَ كُلَّ الْحَذَرِ مِنْ عَدُوِّکَ بَعْدَ صُلْحِهِ، فَإنَّ الْعَدُوَّ رُبَّما قارَبَ لِيَتَغَفَّلَ فَخُذْ بِالْحَزْمِ، وَاتَّهِمْ فِی ذٰلِکَ حُسْنَ الظَّنِّ وَإنْ عَقَدْتَ بَيْنَکَ وبَيْنَ عَدُوِّکَ عُقْدَةً، أوْ ألْبَسْتَهُ مِنْکَ ذِمَّةً فَحُطْ عَهْدَکَ بِالْوَفاءِ بِهِ وَارْعَ ذِمَّتَکَ بِالأمانَةِ. واَجْعَلْ نَفْسَکَ جُنَّةً دُونَ ما أعْطَيْتَ، فإنَّهُ لَيْسَ مِنْ فَرائِضِ اللّهِ شَیْءٌ النّاسُ أشَدُّ عَلَيْهِ اجْتِماعاً، مَعَ تَفَرُّقِ أهْوائِهِم، وتَشَتُّتِ آرائِهِم، مِنْ تَعْظِيمِ الْوَفاءِ بِالْعُهُودِ وقَدْ لَزِمَ ذٰلِکَ مُشْرِكُونَ فيما بَيْنَهُم دُونَ الْمُسْلِمينَ لِمَا اسْتَوْبَلُوا مِنْ عَواقِبِ الْغَدْرِ، فَلا تَغْدِرَنَّ بِذِمَّتِکَ، ولا تَخِيسَنَّ بِعَهْدِکَ، ولا تَخْتِلَنَّ عَدُوَّکَ، فَإنَّهُ لايَجْتَرِیءُ عَلَی اللّهِ إلّا جاهِلٌ شَقِیٌّ وقَدْ جَعَلَ اللّهُ عَهْدَهُ وذِمَّتَهُ أمْناً أفْضاهُ بَيْنَ الْعِبادِ بِرَحْمَتِهِ وحَرِيماً يَسْكُنُونَ إلٰی مَنَعَتِهِ ويَسْتَفِيضُونَ إلٰی جِوارِهِ، فَلا إدْغالَ ولامُدالَسَةَ ولاخِداعَ فِيهِ. ولا تَعْقِدْ عَقْداً تَجُوزُ فِيهِ الْعِلَلَ ولاتُعَوِّلَنَّ عَلَی لَحْنِ قَوْلٍ بَعْدَ التَّأكِيدِ وَالتَّوْثِقَةِ. ولايَدْعُوَنَّکَ ضِيقُ أمْرٍ لَزِمَکَ فِيهِ عَهْدُ اللّهِ إلٰی طَلَبِ انْفِساخِهِ بِغَيْرِ الْحَقِّ، فَإنَّ صَبْرَکَ عَلی ضِيقِ أمْرٍ تَرْجُو انْفِراجَهُ وفَضْلَ عاقِبَتِهِ، خَيْرٌ مِنْ غَدْرٍ تَخافُ تَبِعَتَهُ، وأنْ تُحِيطَ بِکَ مِنَ اللّهِ فِيهِ طِلْبَةٌ، لا تَسْتَقْبِلُ فِيها دُنْياکَ ولا آخِرَتَکَ.»

اگر دشمن ایسی صلح کی تمہیں دعوت دے جس میں اللہ کی رضا ہو تو اسے رد نہ

کرو کیونکہ صلح میں تمھارے اور تمھارے لشکر کے لیے راحت و آرام اور ملک کے لئے امن وامان کا سامان ہے۔ لیکن دشمن سے صلح کرنے کے بعد اس سے بہت ہوشیار رہو کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دشمن تمھاری غفلت سے فائدہ اٹھانے کے لئے تم سے قریب ہوتا ہے لہٰذا احتیاط و دور اندیش رہو اور حسن ظن سے کام نہ لو۔ اگر دشمن سے کوئی معاہدہ کرو تو اسے وفا کرو، امانت کی رعایت کرتے ہوئے اپنے عہد کے پابند رہو اور دل و جان سے اسے انجام دینے کی کوشش کرو کیونکہ ایفائے عہد کے مانند اور کوئی الٰہی فریضہ نہیں ہے جس پر لوگ اپنے تمام نظریاتی اختلافات کے باوجود متفق ہوں مسلمانوں سے قطع نظر مشرکوں نے بھی اپنے درمیان معاہدوں کی پابندی کی ہے، کیونکہ وہ عہد شکنی کے بُرے نتائج دیکھ چکے تھے۔ لہٰذا اپنے عہد و پیمان سے غداری اور بدعہدی نہ کرو اور دشمن کے ساتھ خیانت سے پرہیز کرو کیونکہ نادان و بدبخت کے علاوہ دوسرا کوئی خدا کے ساتھ گستاخی نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم نے اپنی رحمت کے ذریعہ عہد و پیمان کو امن کی فضا اور بندوں کے سکون و آرام کے لیے حریم قرار دیا ہے تاکہ لوگ اس کے سایہ میں پناہ حاصل کریں لہٰذا اس میں جعل سازی فریب اور مکاری نہ ہونا چاہئے۔

ایسا کوئی معاہدہ ہی نہ کرو جس میں شبہ اور تاویل کی گنجائش ہو، معاہدہ کرنے کے بعد اسے مبہم اور قابل توجیہ باتوں کے ذریعہ نہ توڑو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کسی دشواری کے پیش نظر اس عہد کو توڑ دو جسے خدا نے تم پر واجب قرار دیا ہے کیونکہ ایسی دشواریوں کو جھیل لے جانا جن سے چھٹکارے اور حسن عاقبت کی امید ہو اس بدعہدی سے بہتر ہے جس کے بُرے انجام سے تمھیں خوف ہو کہ خداوند عالم تم سے بازپرس کرے گا اور تمھاری دنیا و آخرت تباہ ہو جائے گی۔"

صلح کے اس منشور سے ہمیں چند باتیں معلوم ہوتی ہیں:

۱۔ صلح خدا کی رضا و خوشنودی کے تحت ہونی چاہیئے اس کی رضا کے برخلاف نہیں۔

۲۔ جو صلح خدا کو پسند ہو اسے رد نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ معاشرہ کی بھلائی اسی میں ہے۔

۳۔ صلح کرنے میں پوری ہوشیاری اور دور اندیشی سے کام لینا چاہیئے تاکہ دشمن کو اس کا موقع ہاتھ نہ آئے کہ وہ حیلہ و سازش سے حق کے محاذ کو کمزور کر دے، خوش فہمی اور سچائی یا دشمن کو کچھ کر گزرنے کی مجال نہ دیں اس لیئے کہ مومن فراست و ہوشیاری کا مالک ہوتا ہے

۴۔ شریفانہ صلح کے سلسلہ میں عہد و پیمان کا ایفا کرنا لازم و واجب ہے کیونکہ یہ بات خود دوسروں کا اعتماد اور اطمینان حاصل کرنے اور اغیار کے اسلام لانے، اسلامی معاشرہ و حکومت کی طرف مائل ہونے کا سبب بنتی ہے۔

۵۔ مذکورہ بالا حالات میں دشمن کے ساتھ فریب، مکاری اور بد عہدی کی روش نہ اپنانا چاہیئے کیوں کہ یہ انداز لوگوں میں مسلمانوں سے بے اعتمادی پیدا ہونے کا سبب بنتا ہے کیوں کہ صلح کی پابندی امن الٰہی کی حریم ہے اس حریم کو نہ ٹوٹنا چاہیئے ورنہ اس سے ملک و قوم کا امن و امان غارت ہو جائے گا۔

۶۔ صلح کی قرار دادیں اور طرفین کے عہد و پیمان صریح و صاف لازم، قطعی و فیصلہ کن عبارتوں میں ہونا چاہئیں کہ ان سے گریز یا ان کی توجیہ نہ کی جا سکے۔